سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

نشان ....

جدتِ نفسیات

اشاعت دوم سنہ ۱۹۳۷ء

مصنفہ

رابرٹ، ایس، وڈورتھ

پروفیسر نفسیات، کلمبیا یونیورسٹی

مترجمہ

مولوی احسان احمد صاحب

بی۔اے (علیگ)

رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

سنہ ۱۳۶۴ھ سنہ ۱۳۵۴ف سنہ ۱۹۴۵ء

مطبوعہ

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

سلسلۂ نصابِ تعلیم جامعۂ عثمانیہ

نشان ....

جدّتِ نفسیات

اشاعت دوم سنہ ۱۹۳۷ء

مصنفہ

رابرٹ، ایس، وڈورتھ

پروفیسر نفسیات، کلمبیا یونیورسٹی

مترجمہ

مولوی احسان احمد صاحب

بی۔ اے۔ (علیگ)

رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

سنہ ۱۳۶۴ھ سنہ ۱۳۵۴ف سنہ ۱۹۴۵ء

مطبوعۂ

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

جدت نفسیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جدت نفسیات

یعنی

نفسیات کے ہمعصر مذاہب

باب ۱

موجودہ بحثوں کا پس منظر

پیش نظر اغراض کے لحاظ سے، ان ابواب میں بیسویں صدی کے اب تک کے حصے کو ہمعصر خیال کیا جائے گا۔

نفسیاتی حلقوں میں یہ سال بہت ہی شدید سرگرمی کے رہے ہیں۔ نفسیاتیوں کی تعداد دہ چند ہو گئی ہے، اور تحقیق کی مقداریں بھی اسی لحاظ سے اضافہ ہوا ہے۔ دوسرے علوم سے زیادہ قریبی روابط قایم کیے گئے ہیں، اور حیاتیاتی معاشری اور عملی میدانوں میں جہاں نفسیات سے کام لیا جا سکتا ہے مثلاً تعلیم طب قانون تجارت صنعت وحرفت وہاں نفسیات سے کام لیا گیا ہے مگر میری غرض نفسیاتی علم کے اس ذخیرے کا مطالعہ نہیں ہے جو

بتدریج جمع ہوا ہے، اور نہ یہ غرض ہے کہ معملوں کے اندر نفسیاتیوں کے مصروف رہنے کی تصویر پیش کروں۔ میں تمھارے سامنے اُن ٹھوس نتایج کو بیان نہیں کرنا چاہتا، جو حاصل ہو چکے ہیں اور نہ اُن سوالات کو پیش کرنا چاہتا ہوں، جن سے ہر شخص مطمئن ہو چکا ہے۔ بلکہ میرا مقصد تو یہ ہے کہ اُن نہایت ہی اہم سوالات کو پیش کروں جن کا ابھی تصفیہ نہیں ہوا، یعنی ایسے سوالات جن پر ابھی بحث زور و شور سے جاری ہے۔ میں اُن شبہات کو بیان کروں گا جو نفسیات کے صحیح راہ پر ہونے کے متعلق ہیں، اور اُن کوششوں کا ذکر کروں گا جو قائد اپنی جماعتوں کو نئی جہتوں میں لے جانے کے متعلق کر رہے ہیں۔

گزشتہ تیس سال کے اندر نفسیات میں خصوصیت کے ساتھ نئی تحریکیں پیدا ہوئی ہیں، انھیں تحریکات کی بنا پر یہ عجیب و غریب تماشا دیکھنے میں آتا ہے کہ نفسیات کے مختلف مذاہب اس بارے میں ایک دوسرے سے شدید اختلاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، کہ نفسیات کو کیا کرنا چاہیے، اور کس طرح سے کرنا چاہیے۔ نفسیات کے یہ مختلف مذاہب فلسفے کے مذہبوں کو یاد دلاتے ہیں اور دوسرے طبیعی علوم میں فی الحال اُن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ شاید ہمعصر نفسیات میں ان کا وجود ہمارے علم کی جوانی اور غیر دریافت شدہ امکانات کی کثرت کی دلیل ہے، جن پر ہمیں ابھی غور کرنا ہے، نیز یہ مذاہب اس امر کا پتا دیتے ہیں، کہ یہ علم فلسفے کے آبائی خاندان سے حال ہی میں جدا ہوا ہے۔ ان مذہبوں میں سے ہر ایک کتنا اہم ہے، یہ بات اُس وقت تک بتانی مشکل ہے، جب تک کہ انھیں تکمیل کے لیے مزید وقت نہ ملے۔ فی الحال یہ اُس شخص کے لیے یقیناً دلچسپی کا موجب ہوں گے، جو ایسے تصورات کا شایق ہو، جن سے نئی نئی جہتوں میں ذہن منتقل ہو سکے۔ ان مذاہب کو ہمعصر اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ یہ سب حال ہی میں عالم وجود میں آئے ہیں، اور ابھی ان میں سے کسی کے بھی جلد مٹ جانے کے آثار نہیں ہیں۔

صفحہ ۲

اس سے پہلے کہ ہم ایک ایک کر کے نئے مذہبوں پر توجہ کریں، مناسب یہ ہوگا کہ اس نفسیات پر بھی مختصراً نظر ڈال لیں، جو ہمعصر دور سے پہلے کی ہے نفسیات کے ہر مذہب نے ابتداً مقررہ نظام کے خلاف بغاوت سے کی ہے، اس لیے یہ تاریخی پس منظر کا لحاظ رکھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ہمیں سنہ ۱۹۰۰ء کے مقررہ نظام کا کچھ نہ کچھ علم ہونا چاہیے، جس کے خلاف نفسیات کے موجودہ مذہبوں نے بغاوت کی ہے۔ اب اس مقررہ نظام کو سمجھنے کے لیے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایک زمانے میں یہ بھی نیا اور انقلابی تھا۔ ہر نیا مذہب خیال بلالحاظ اس کے کہ ابتداً یہ کتنا ہی انتہا پسند کیوں نہ ہو، اگر اسے کوئی کامیابی نصیب ہوتی ہے، تو اس کے مقرر نظام بن جانے کا امکان ہوتا ہے، اور کچھ عرصے کے بعد اس کے خلاف نئی بغاوتیں ہوتی ہیں۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ایسے جدید مذاہب جیسے کہ کرداریت اور تحلیل نفسی ہیں اُن کے خلاف ابھی سے اس بنا پر بغاوت کے آثار پائے جاتے ہیں، کہ یہ روایتی ہیں۔ اسی طرح سے سنہ ۱۹۰۰ء کا مقررہ نظام قدیم تر بغاوت کا نتیجہ تھا۔ بہت پہلے یعنی جدید حکمی تحریک کی ابتداء سترھویں صدی میں ہم ڈیکارٹ اور ہابس جیسے اشخاص کو اُس زمانے کی روایتی نفسیات کے خلاف بغاوت کرتا ہوا دیکھتے ہیں اور اس طرح سے ہمیں
صفحہ۳ قدیم اور متوسط نفسیات کے مقابلے میں جدید نفسیات کے مبادی ملتے ہیں۔

میں ماقبل جدید نفسیات کی خصوصیات کو چند لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا، اور جو لوگ اس کا بغور مطالعہ کرتے ہیں، وہ ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ اس میں درحقیقت ایسی بہت سی باتیں ہیں جن میں بالکل جدید رنگ پایا جاتا ہے۔ فلاطون و ارسطو کے زمانے سے لے کر موجودہ زمانے تک نفسیات میں نئی نئی قابل قدر چیزیں دریافت ہوتی رہی ہیں۔ لیکن ان سب سے پہلے نفسیاتیوں کو جنھیں جدید کہا جا سکتا ہے، ماقبل جدید نفسیات بہت زیادہ پیچیدہ اور بہت سی ناقابل تحویل استعدادات سے

پر معلوم ہوتی تھی، اور انھیں اُس میں اور عالم طبیعی میں بہت کم ربط دکھائی دیتا تھا۔ حس، تمثّل، حافظہ، فکر، خواہش اور جسمانی حرکت فعلیت کے الگ الگ نمونے معلوم ہوتے تھے، ان میں اور طبیعی فطرت کے اعمال میں بیحد فرق تھا، اور ان اعمال کی بھی بہت سی قسمیں معلوم ہوتی تھیں۔

جدید نفسیات کی دلیرانہ ابتدائیں

اگرچہ ابھی ہم نفسیات کو ایک کمسن حکمت خیال کرتے ہیں لیکن ہمیں یہ فرض نہ کرنا چاہیے کہ ہماری پشت ہی نے سب سے پہلے علم ذہنی اور علم طبیعی میں ربط پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جدید حکمی تحریک کی ہیئت اور طبیعیات نے ابھی ابتدا ہی کی تھی، کہ اس زمانے کے نفسیاتی بھی اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ سترھویں صدی کی ابتدا ہی میں گلیلو اور دوسرے اہل علم نے یہ ثابت کر کے، کہ اکثر بلکہ تمام طبیعی اعمال کو حرکت اور جمود کی صورت میں بیان کیا جا سکتا ہے، طبیعیات میں انقلاب پیدا کر دیا تھا، اور ہاردے نے دوران خون کا انکشاف کر کے عضویاتی اعمال کو طبیعیاتی اصطلاحات میں بیان کرنے کی ابتدا کر دی تھی۔ اسی کے ساتھ ڈیکارٹ نے طبیعیات کو حیوانی اور انسانی کردار کے سمجھنے کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اُس نے کردار کی بنیاد اس شے پر رکھی جسے اب ہم اضطراری عمل کہتے ہیں اور اضطراری عمل کا تصور اُس نے اس طرح سے کیا تھا کہ کوئی سیال شے آلات حس سے دماغ تک اور دماغ سے عضلات تک اعصاب کے واسطے سے حرکت کر جاتی ہے۔ اس طرح سے وہ طبیعی قوت یا حرکت جو آلۂ حس کو ہیجان کرتی ہے، جسم میں ایک ایسے طبیعی عمل کو حرکت میں لاتی ہے، جس کا انجام عضلی حرکت ہوتا ہے۔ صفحہ ۴

روح کو ڈیکارٹ نے دماغ کے اندر بتایا تھا، اور اُس کے متعلق اُس نے فرض کیا تھا کہ بعض صورتوں میں یہ اعصاب کی درآیندہ اور برآیندہ حرکتوں میں مداخلت کرتی رہے۔ لیکن اُس کے خیال کے بموجب حیوانات میں روح نہیں ہوتی اور ان کا کردار تمام تر جسمانی حرکت پر مشتمل ہوتا ہے۔ روح انسانی اور اُس کی استعداد فکر کی نسبت اُس کی رائے تھی کہ یہ غیر جسمی ہوتی ہے۔ ہابس تو اور بھی آگے بڑھ گیا، کیوں کہ اُس کے نزدیک تمام ذہنی اور جسمانی اعمال حرکت میں تحویل ہو سکتے ہیں۔ خارجی حرکت جو آلات حس سے ٹکراتی ہے، اعصاب دماغ اور قلب کی جانب منتقل ہوتی ہے، اور داخلی حرکت کا جب ایک بار آغاز ہو جاتا ہے تو یہ جمود کی بنا پر حافظوں اور تصورات کی صورت میں باقی رہتی ہے، اُس نے تمام ذہنی اعمال کو حرکت کی عام بنیاد میں تحویل کر دیا تھا، اور اس طرح یہ جسمانی اعمال کے مماثل ہو گئے۔ ہابس کی استعدادی نفسیات کے خلاف بغاوت یقیناً اساسی تھی۔ مگر اس میں تفصیلات نہ تھیں، اس لیے اس سلسلۂ فکر کو ترقی دینے کا کام ایک صدی بعد کے انگریزی نفسیاتیوں نے انجام دیا، جو ائتلافی نفسیات میں ہوا ہے۔

ائتلافیہ نے جو اٹھارھویں اور شروع اُنیسویں صدی کے ترقی پسند نفسیاتی تھے، تمام ذہنی اعمال کو ایک عمل ائتلاف میں تحویل کر دینے کی کوشش کی۔ اُنھوں نے ہابس کے اس غیر شافی نظریے کو ترک کر دیا کہ حافظے یا یادیں محض جمود کے ذریعے سے باقی رہتے ہیں، اور اُن کی ایک تصور کے دوسرے تصور کے ساتھ ربط کے ذریعے توجیہ کرنے کی کوشش کی۔ ایک شخص کے تجربے میں جب دو عمل مربوط ہو جاتے ہیں، اور ان میں سے ایک کسی خارجی علت کی بنا پر مُہیج ہو جاتا ہے، تو یہ اس ربط یا ائتلاف کی بدولت دوسرے عمل کو بھی مُہیج کر دیتا ہے۔ ائتلافیہ کے لیے یہ ثابت کرنا آسان تھا کہ مخیلہ Reverie. میں ان خیالات کے مابین جو بتدریج آتے ہیں، تسلسل سابقہ ائتلافات کی بنا پر ہوتا ہے۔

انھوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ ایک شے کے دیکھنے اور اُس کے احساس میں جب ربط پیدا ہو جاتا ہے، تو یہ اس شے کے موجود ہونے کی علامت کا کام دینے لگتا ہے۔ اور انھوں نے یہ بھی ثابت کیا، کہ اسی قسم کی علامات کے ذریعے سے اشیا کا قد و قامت اور اُن کا فصل بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ بہت سے خوف اور نفرتیں بچپن میں بالکل بے ضرر اشیا یا اشخاص کے ایسی چیزوں کے ساتھ ائتلاف پا جانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، جو فطرۃً خوف یا نفرت کا باعث ہوتی ہیں۔ اسی طرح سے انھوں نے استدلال اختراع اعتقاد اور عمل کو ایک عمل ائتلاف میں تحویل کر دیا انھوں نے قوانین ائتلاف کا مطالعہ کیا، تاکہ انھیں ایک قانون میں تحویل کریں، اور اس امر پر توجہ کی کہ ائتلافات کی قوت ان تجربات کی کثرت، زمانی قرب، اور وضاحت پر مبنی ہوتی ہے، جن سے یہ بنتے اور تازہ ہوتے رہتے ہیں۔ ائتلافیہ نے اپنے نظریے کی طبیعی نوعیت کے متعلق بہت سے ردّ و بدل کیے، اور اُس کو اخلاقیات، معاشیات اور عام طور پر تمام معاشری علوم پر طرح طرح سے استعمال کیا، اور اس طرح باوجود اُن بہت سے اعتراضات کے، جو اُن کے مخالفین اُن کے کل نظریے یا اُس کے بعض اجزا پر کرتے تھے، یہ انیسویں صدی کی نفسیات پر چھائے رہے۔

صفحہ ۵

انیسویں صدی کی نئی نفسیات

لیکن جس طرح سے گلیلو کے زمانے کی طبیعیات نے نفسیات کو براہ راست متاثر کیا تھا، اسی طرح سے انیسویں صدی میں دو جدید ترقی یافتہ حکمتوں نے نفسیات پر اثر ڈالا۔ کیمیا کی حیرت انگیز کامیابیوں نے ذہنی کیمیا کا خیال پیدا کیا، جس کے معنیٰ یہ تھے کہ ذہنی حرکیات کو

اُن کے عناصر میں تحویل کیا جائے۔ بعض ائتلافیہ نے اس خیال کو اس امر کی توجیہ کے لیے استعمال کیا کہ بعض حسین مثلاً بصورا رنگ، سخت یا نرم نم یا خشک شے کا احساس، سنگترے کا نام نہاد ذائقہ جو زیادہ تر بو پر مشتمل ہوتا ہے، سادہ اور ایک معلوم ہوتا ہے اگرچہ اس کو مرکب ہیجوں کا نتیجہ ثابت کیا جا سکتا ہے، جس طرح سے پانی جو مرکب ہے، اسی طرح سے سادہ اور الگ شے معلوم ہوتا ہے جیسے کہ اُس کے کیمیاوی عناصر آکسیجن اور ہائیڈروجن معلوم ہوتے ہیں۔ لفظ ائتلاف میں کھینچ تان کر کے صفحہ ۱۶ اور وسعت دی گئی تاکہ یہ تمام قسم کے مجموعوں پر حاوی ہو سکے، اگرچہ اس طرح سے کھینچ تان کرنے سے اُس کی بہت کچھ تشریحی قدر و قیمت زائل ہو گئی۔ بہر حال تحلیلی نفسیات کا خیال اُس زمانے میں غلبہ پکڑ گیا تاکہ کیمیا کی طرح ذہنی حلقے میں بھی عناصر و مرکبات کا پتا چلایا جائے۔

عضویات کا اثر کیمیا سے زیادہ دوررس تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نفسیات اپنے مسایل اور اپنے ممکنہ طریقوں کے اعتبار سے عضویات سے زیادہ قریب ہے۔ شروع انیسویں صدی میں جب عضویات نے اختبار کا موثّر استعمال شروع کیا، تو یہ نفسیات کی ترقی کے لیے بھی ایک راستہ بنا گئی۔ عضویاتی معمل سے نفسیاتی معمل پیدا ہوا، اگرچہ پہلا باقاعدہ نفسیاتی معمل سنہ ۱۸۷۹ء سے پہلے قایم نہ ہو سکا تھا۔ یہ ونٹ نے لائپزگ میں قایم کیا تھا۔ اُس نے قدیم نفسیات سے طریق اور حکمی معیارات کے لحاظ سے بغاوت کی تھی نہ کہ نظریے کے لحاظ سے۔ اس سے پہلے کا نفسیاتی تو اپنی شہادت حافظے اور عام تجربے سے اخذ کرنے پر مطمئن تھا، حالانکہ ان کا غیر یقینی ہونا ظاہر تھا۔ مگر اس نئی نفسیات کو اس امر پر اصرار تھا کہ معطیات ایسے متعین مشاہدات پر مشتمل ہونے چاہییں جن کو باضابطہ ضبط تحریر میں لایا گیا ہو۔ حواس اور عضلی حرکت کے اختبارات کے ساتھ حافظے اور قوّت علم پر ایسے اختبارات کیے گئے جن کو نہایت ہوشیاری سے ترتیب دیا جاتا تھا، اور یہ قوی امید تھی کہ رفتہ رفتہ

تمام نفسیاتی مسایل کی اس نئے طریقے سے تحقیق ہو سکے گی۔
ابھی ہم نے سنہ ۱۹۰۰ء کی نفسیات کی پوری وسعت کو ظاہر نہیں کیا ہے اور ہمارا انیسویں صدی کی نفسیات کا خاکا بہت ہی نامکمل رہ جائے گا اگر ہم ان دو علموں کے اثر کا ذکر نہ کریں، جنھوں نے اس زمانے میں نہایت تیزی سے ترقی کی تھی۔ عام حیاتیات اور خصوصًا نظریۂ ارتقا نے سنہ ۱۸۶۰ء سے ایسے مسایل کا ایک انبار سامنے لاکر ڈال دیا تھا جن سے قدیم نفسیات ہی کو نہیں بلکہ عضویات کیمیا اور طبیعیات کو بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ ارتقا نے تدریجی ترقی اور تغیر کے مسایل کو اٹھایا۔ انیسویں صدی کے آخر تک زیادہ تر ڈارون اور گالٹن کے اثر سے نفسیاتی تحریرات میں، فرد اور نسل توارث اور ماحول کے زیر اثر ذہن کی تدریجی ترقی، طفلی نفسیات، حیوانی نفسیات افراد اور نسلوں کے مابین فرق اور اسی قسم کے موضوع آنے لگے تھے۔ اس طرح سے نفسیات، حیوانیات و انسانیات سے بہت ہی متصل ہو گئی۔ افراد کی پیمایش کے امتحانات پہلے ان علوم کے استعمال کے لیے ایجاد کیے گئے اور بعد کو نفسیاتی کے طریقوں کا جزو ہونے کی حیثیت سے معملی قسم کے اختبارات میں داخل ہوئے۔

ایک اور اثر جو قابل توجہ ہے، جنونیات کا ہوا ہے۔ اور انیسویں صدی کی جنونیات کی تاریخ کا مطالعہ بہت ہی مفید ہوگا۔ صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ مجنون مریض اعصاب اور کمزور ذہن والوں کی بحث قطعی غیر حکمی حالت سے بہت ہی امید افزا حالت تک پہنچ گئی ہے غیر معمولی کردار کے نمونوں کے اصطفاف سے حکمی جنونیات غیر معمولی لوگوں کی سوانح عمری تک ترقی کر گئی۔ پوری صدی میں جنونیات کے ماہرین کے دو فریق رہے، نفسی اور جسمی۔ ایک فریق تو خلل کے اسباب کی ذہنی حلقے میں تلاش کرتا تھا، اور دوسرا فریق ہر غیر معمولی کردار کی علت کسی دماغی خلل کو قرار دیتا تھا۔ دماغی خلل بعض غیر معمولی حالتوں کے اندر ضرور پایا گیا تھا، مگر بعض میں یہ ثابت نہ کیا جا سکا۔ جہاں یہ موجودہ طریقوں سے ثابت نہ ہو سکتا تھا

جیمس اس کو کسی ایسی صورت میں مان لیتا تھا، جس کا فی الحال پتا نہیں
چل رہا ہے، اور جتو نیاتیوں میں بحیثیت مجموعی جیمیوں کا غلبہ تھا، اور یہ
اُنھیں کا اس زمانے کے نفسیات پر سب سے زیادہ اثر پڑا ہے۔

یہ خارجی اثرات، جو انیسویں صدی کی نفسیات پر پڑے، جنھوں نے
نئے مسائل کو اُٹھایا اور جو تحقیق کے نئے طریقوں کی طرف لے گئے،
نفسیات اور فلسفے کے قدیم تعلق کے توڑ دینے اور اسے علوم طبیعیہ کی صفوہ
صف میں لا کر کھڑا کر دینے کا سبب ہوئے۔ مگر یہ افتراق اچانک واقع
نہیں ہوا۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دو ہزار سال سے نفسیات فلاسفہ
لکھتے چلے آئے تھے، اور پوری انیسویں صدی میں اس کی تعلیم فلاسفہ
ہی نے دی تھی۔ میں نے سنہ ۱۸۹۰ء میں جب پہلے پہل نفسیات کا مطالعہ
شروع کیا تھا، تو یہ بالکل فلسفے کے ساتھ وابستہ تھی۔ اس کی تعلیم
نصاب فلسفہ کا ایک جزو ہونے کی حیثیت سے فلسفی ہی دیا کرتا تھا۔
اُس زمانے کے سب سے بڑے نفسیاتی مثلاً ونٹ اور ولیم جیمس فلسفی بھی تھے۔
جیمس نے اپنی مشہور کتاب اصول نفسیات (Principles of Psychology)
کے لکھنے کے بعد اپنی توجہ کو زیادہ تر فلسفے پر مبذول کر دی، اور آج وہ نتائجیت
کے پُر زور اور دلکش شارح کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کی
نفسیات میں بھی ہمیں بہت سی بحثیں ایسی ملیں گی، جو اس زمانے میں نفسیات
سے نہیں، بلکہ فلسفے سے زیادہ متعلق سمجھی جائیں گی۔ کہا جا سکتا ہے کہ
اُس زمانے میں فلاسفہ کو غلبہ حاصل تھا، اور وہ نفسیات کو اپنے مضمون
کا ذیلی جزو خیال کرتے تھے۔ لیکن اختبار ی یا جدید نفسیاتی، اس صورت حال
کو خاموشی سے ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ نفسیات کی علیحدگی پر
زور دے رہے تھے۔ سنہ ۱۸۹۰ء سے ابتدا کرنے کے بعد اُنھوں نے
جامعات میں نفسیات کے شعبے اور مستقل اساتذہ مقرر کرا کے چھوڑے۔
اُنھوں نے نفسیات کے رسالے نکالنے شروع کیے، اس کی انجمنیں
قائم کیں، اُن کو فلسفے کی خدمت کی ضرورت نہ تھی بلکہ اُنھوں نے محض اس

امر پر زور دیا کہ اگرچہ ابھی نفسیات ایک کمسن حکمت ہے، مگر اس کے باوجود یہ اتنی ضرور ہوگئی ہے کہ قدیم تر حکمتوں کی طرح سے پدری مکان کو چھوڑ دے۔ اسے اپنی علیحدہ اصطلاحات بنانے اپنے علیحدہ تعلقات و تصورات قایم کرنے، اور ایسے مسایل کی تحقیق کے لیے، جو ممکن ہے کہ فلسفی کے لیے معمولی یا بے معنیٰ ہوں، مگر انسان کے مطالعے سے پیدا ہوتے اور انسان کے عجیب و غریب اطوار کے بہتر فہم کی طرف لے جانے کی امید دلاتے ہیں، آزادی کی ضرورت ہے۔

صفحہ ۹ ہم نے انیسویں صدی کے آخر حصے کے نفسیاتیوں کے کام کا ذکر کیا ہے، مگر اُن کے نظریوں اور ضابطوں کا ذکر نہیں کیا۔ جب وہ اپنے موضوع بحث کی رسمی تعریف پیش کرنے اور اُس کے حلقۂ بحث کے ممیز کرنے کی کوشش کرتے تھے، تو کسی ایسے دعوے تک پہنچ جاتے تھے کہ نفسیات شعور کا علم ہے۔ جیمس اس بیان سے اپنی نفسیات کی ابتدا کرتا ہے کہ "نفسیات ذہنی زندگی کا علم ہے، جس میں اس کے مظاہر اور اُس کی شرایط دونوں داخل ہیں۔ مظاہر اس قسم کی چیزیں ہیں، جنھیں ہم احساس خواہشیں وقوف استدلال فیصلے وغیرہ کہتے ہیں[1]"۔ ونٹ نے ۱۸۹۲ء میں کہا تھا کہ "نفسیات کو اس شے کی تحقیق کرنی ہوتی ہے، جسے ہم داخلی تجربہ کہتے ہیں، یعنی خود ہماری حس احساس فکر اور ارادے کی، جو خارجی تجربے کے معروضات سے بالکل الگ ہیں، اور جو علم طبیعی کا موضوع بحث ہیں[2]"۔ بعض اوقات شعور کو خارج کے عالم فطری سے علیحدہ ایک داخلی عالم کہا جاتا تھا۔ بعض اوقات اس خیال سے کہ حکمت کے معطیات کو مشاہدہ کرنے والے حاصل کرتے ہیں، اور یہ اولاً اُن کے شعوری تجربات ہوتے ہیں، یہ کہا جاتا تھا کہ نفسیات بھی اُسی قسم کے معطیات سے بحث کرتی ہے جس قسم کے معطیات سے دوسرے

[1] ولیم جیمس اصول نفسیات Principles of Psycholovy جلد ۱، صفحہ ۱ (طبع ۱۸۹۰ء)۔

[2] ڈبلیو ونٹ Lectures on Human and Animal psychology ترجمہ جے۔ ای کرائٹن اور ای۔ بی ٹیجر۔ صفحہ ۱۔

علوم بحث کرتے ہیں، مگر یہ معطیات سے اپنے طور پر خود شعور کے استعمال کے لیے کام لیتی ہے، نہ کہ اُن معروضات کے مطالعے کے لیے، جن کا مشاہدہ کرنے والے کو شعور ہوتا ہے۔ لیکن بہر طور نفسیات ازروئے تعریف شعور اور تجربہ کرنے والے کی حیثیت سے فرد تک محدود تھی۔ ازروئے تعریف نفسیاتی مشاہدے کا اصل طریقہ تامل کو بتایا جاتا تھا، جو ایک فرد کا اپنے شعوری تجربات کے متعلق بیان ہوتا تھا۔ ونٹ کہتا ہے، کہ اختیاری عمل کا مقصد یہ نہیں کہ تامل کو بالائے طاق رکھ دے، بلکہ اُس کی غرض تو یہ ہے، کہ صحیح اور صفحہ ۱۰
دقیق تحلیل کے لیے بہترین سہولتیں فراہم کرے۔

لیکن عمل میں نفسیات نے اپنی رسمی تعریف کی حدود میں مقید رہنے سے انکار کر دیا۔ اختبار کے اندر موضوع کو ہمیشہ تجربہ کرنے والا ہی خیال نہیں کیا گیا، بلکہ اکثر عامل یا کام کا انجام دینے والا بھی خیال کیا گیا ہے۔ زیر تحقیق مسئلہ یہ ہو سکتا ہے، کہ وہ کس قدر سرعت سے ردِ عمل کر سکتا ہے، کس قدر صحت کے ساتھ ادراک کر سکتا ہے یا کس قدر تکمیل کے ساتھ اُس مواد کا اعادہ کر سکتا ہے، جس کو اُس نے یاد کیا ہے۔ اور اس سے دوران عمل میں تجربے کے متعلق بیان کرنے کی فرمائش نہ کی جاتی تھی، بلکہ صرف اپنا کام انجام دیے جانے کو کہا جاتا تھا۔ کس قدر اچھی طرح سے اُس نے اپنا کام انجام دیا ہے، اُس کا مشاہدہ اختبار کرنے والا کرتا تھا۔ احساسات اور جذبات کا مطالعہ کرتے وقت، عام دستور یہ تھا، کہ موضوع کا تعلق کسی خود بخود اندراج کرنے والے آلے سے قایم کر دیا جاتا تھا، جو اُس کے تنفس اور ضربات نبض کا خاکا تیار کرتا جاتا تھا۔ نظری اعتبار سے نفسیاتی عمل کے اندر یہ خارجی طریقے اس لحاظ سے جائز قرار دیے گئے تھے کہ اُن سے بالواسطہ احساسات اور دوسرے شعوری تجربات پر روشنی پڑتی تھی۔ لیکن جیسے جیسے تحقیقات نے ترقی کی حقیقی دلچسپی خود عمل کے اندر پائی گئی۔ اگر موضوع کسی درمیانی تامل کا بیان پیش بھی کرتا تھا، تو اُس سے خود اس کے عمل پر روشنی ڈالنے کا کام لیا جاتا تھا نہ کہ تجربے پر۔ نفسیات کو نظریے اور رسمی تعریف سے نہیں بلکہ خود اپنے

میدان کی تحقیق سے اپنا کام اور اُس کے انجام دینے کا طریقہ ملتا جا رہا تھا۔

پھر ہمارے سامنے سنہ ۱۸۹۰ء سے لے کر سنہ ۱۹۱۰ء تک کے نفسیاتیوں کی تصویر آتی ہے۔ یہ چُست اور مجاہد قسم کے لوگ تھے۔ ان کی تعداد تو کم تھی مگر نوجوانوں کے اضافے سے روز بروز اس میں نہایت سرعت کے ساتھ اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ انھیں اپنے اختبارات اور امتحانات کے نئے ترقی یافتہ فن سے بہت کچھ امید تھی، اور ہر سال تحقیق کے لیے میدان دریافت کرتے جاتے تھے۔ اُنھوں نے بچے، حیوان، غیر معمولی شخص اور معیاری عاقل و بالغ انسان سب کا مطالعہ کیا اور مختلف سمتوں میں دوسرے علوم کے کارکنوں سے بھی تعلق کو قایم رکھا۔ یہ لوگ فلسفے سے جدا ہو جانے اور اپنے فن کو علٰحدہ کر لینے پر بہت زیادہ مایل تھے۔ نظری طور پر تو سنہ ۱۹۱۰ء کے نفسیاتی نفسیات کی اس تعریف کے قایل تھے کہ یہ شعور کا علم ہے، مگر عملاً وہ کام اور تجربے دونوں کا مطالعہ کر رہے تھے۔ نظری اعتبار سے تو وہ کیمیا کے نمونے کی تحلیلی نفسیات کے قایل تھے، جس میں حسّین احساسات اور تمثالات تو عناصر اور افکار جذبات وغیرہ ان عناصر کے مختلف مرکب تھے لیکن عملاً وہ اس تجویز کو اکثر نظر انداز بھی کر دیتے تھے۔ نظری طور پر تو وہ زیادہ تر ائتلافیہ تھے، مگر اعتقاداً ایسے نہ تھے۔ ائتلافیت کے عروج کا زمانہ گزر چکا تھا۔ نظری اعتبار سے تو وہ عضویاتی نفسیات کے زبردست حامی تھے، لیکن عملاً وہ دماغ کو ادب سے سلام کر کے اپنا راستہ لیتے تھے، کیوں کہ دماغی اعمال ابھی اس قدر تاریکی میں پڑے ہوئے تھے، کہ اُن سے ذہنی اعمال کے سمجھنے میں کچھ زیادہ مدد نہ ملتی تھی۔

بیسویں صدی کی نئی نفسیاتیں

یہ تھا سنہ ۱۹۱۰ء کا مقررہ نظام، جس سے موجودہ زمانے کے

نفسیاتی مدارس نے بغاوت کی ہے۔ ممکن ہے کہ ہمیں اس بارے میں حیرت ہو کہ اس میں ایسی کیا بات تھی، جس پر اتنی بہت سی، اور سخت بغاوتیں ہوئی ہیں۔ یہ اس قدر مستحکم اور اتنی باقاعدہ بھی نہ تھی، کہ اپنے زمانے کے نوجوان اور بلند پرواز نفسیاتیوں کے لیے بدمزگی یا رکاوٹ کا باعث ہوتی۔ اس میں تو شک نہیں کہ یہ بہت سی باتوں میں نامکمل تھی، اور حکمی طریقے کے مطالبات کو کلیتہً پورا نہ کرتی تھی۔ علاوہ بریں اس کے نظریے اور عمل میں مناسبت نہ تھی۔ لیکن نفسیاتیوں کی حیثیت سے ہمیں خود اس بات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ سوال یہ نہ تھا کہ آیا قدیم نظام زیادہ پائدار ہے، بلکہ سوال یہ تھا کہ آیا اس میں کوئی بات نکتہ چینی کے لائق ہے ہر نوجوان جو میدان میں آتا ہے، اور نام پیدا کرنا چاہتا ہے، اپنے گردوپیش ایسی چیز کی تلاش کرتا ہے جس پر وہ نکتہ چینی کر سکے۔ اگر وہ خاموشی کے ساتھ موجودہ صورت حال کو تسلیم کرتا چلا جائے، تو کوئی شخص اس کی طرف توجہ نہ کرے گا۔ وہ نقائص کی تلاش کرتا ہے، اور جتنے بڑے نقایص ہوں، اتنے ہی اسے مرغوب ہوتے ہیں۔ نئی صدی کے شروع میں منچلے نوجوان نفسیاتیوں نے نقایص تلاش کرنے شروع کیے، اور اس سے غریب انیسویں صدی کی نفسیات کی دھجیاں اڑ گئیں۔ ایسے صفحہ ۱۲
مذاہب کا آغاز ہوا جو ایک دوسرے سے بھی اسی قدر مختلف تھے، جس قدر کہ قدیم نفسیات سے، اور نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ اس دور میں سرگرمی تو بہت رہی ہے مگر کوئی نظام ابھی قائم نہیں ہوا۔

جو مذاہب ظہور میں آئے ہیں، ان میں سے بعض سے تو تم سب واقف ہو۔ مثلاً ہر شخص جانتا ہے کہ کرداریت نفسیات میں ایک قسم کی انتہاپسندانہ تحریک ہے۔ اگر میں تم سے یہ دریافت کروں کہ بتاؤ کرداریت کے درحقیقت معنی کیا ہیں، اور اس نے سنہ ۱۹۰۰ء کے مقررہ نظام سے کس طرح سے بغاوت کی ہے تو ممکن ہے کہ مجھے مختلف جواب ملیں۔ درحقیقت کرداریت کی اصل ماہیت کا پتا چلانا دلچسپ تو ضرور ہے، مگر

آسان کام نہیں غالباً تم کہوگے اور صحیح کہوگے کہ نظریۂ کردار کے حامیوں نے نفسیات پر علم شعور ہونے کی حیثیت سے اور تامل پر انسانی مطالعے کا ایک طریقہ ہونے کی حیثیت سے شدید نکتہ چینی کی ہے۔

لیکن دوسرے نفسیاتی اور خصوصاً جنونیاتی ایسے بھی تھے، جن کا پس منظر اور طریق فکر کرداریت والوں سے بہت مختلف تھا، مگر جوان کے ساتھ اس حد تک متفق تھے، کہ شعور کے مطالعے کو نفسیات نہ خیال کرتے تھے۔ جن لوگوں کو غیر معمولی ذہنیت اور غیر متوازن افراد سے سابقہ رہتا تھا، وہ تو ۱۹۰۰ء سے پہلے بھی اور اس کے بعد سے بہت زیادہ اس جانب مائل تھے کہ نفسیات کا سب سے بڑا میدان غیر شعور ہے۔ یہاں ہمیں اس جدید مذہب کی جھلک نظر آتی ہے، جس کو ہر شخص جانتا ہے، یعنی تحلیل نفسی۔ غالباً ہر شخص کو تحلیل نفسی کا کچھ اندازہ ہے، اور وہ کہہ دے گا کہ اس کا تعلق غیر شعوری گرہوں اور جنسی نفسیات سے ہے، لیکن اس سے آگے ممکن ہے ہمارے انفرادی اندازے کلیتہً متفق نہ ہوں۔

کرداریت اور تحلیل نفسی کے نام تو بلکیت عام ہو چکے ہیں، اور یہ دونوں مذہب تو عصر حاضر کی جدید نفسیات ہونے کے مدعی ہیں ہی، دوسرے نسبتہً کم مشہور مذاہب بھی ہیں جنھیں نفسیاتی برادری اسی قدر اہم سمجھتی ہے۔ صفحہ ۱۳ ان میں سے ایک مذہب مقصدیہ کا ہے جو نفسی تحلیل سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، اگرچہ یہ ایک با معنیٰ معاشری نفسیات پیدا کرنے کی کوشش میں عالم وجود میں آیا تھا، نہ کہ غیر متوازن فرد کے علاج کی کوشش میں۔ اس مذہب کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ مذہب مقصد جدّ وجہد اور تلاش منتہا پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے۔ اُس نے انیسویں صدی کے عقلیہ کے ایک رخم پن کے خلاف بغاوت کی۔ اُس نے یہ سوال اُٹھایا اور اسے ابھی تک تازہ رکھتی ہے کہ آیا تامل یا کرداریت والوں کے غیر معمولی سادہ طریقے اور تصورات کبھی انسانی کردار کے سمجھنے کی طرف رہبری کر سکیں گے۔

اب تک جن تین مذہبوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان سب کے سب نے اس خیال کی تردید کی تھی، کہ نفسیات درحقیقت علم شعور ہے، اگرچہ ان کی تردید کے وجوہ مختلف تھے۔ نفسی تحلیل غیر شعوری کو اہمیت دیتی تھی مقصدیت اس بات کی مدعی تھی کہ شعور نفسیات کے میدان کا صرف ایک جزو ہے اور کرداریت شعور کو نفسیات سے بالکل جلاوطن ہی کر دینے پر تلی ہوئی تھی۔ اگر ہمیں یہ فرض نہ کرنا چاہیے کہ شعوری نفسیاتیوں نے یہ سزا خاموشی کے ساتھ گوارا کر لی۔ ان میں آپس میں بہت کچھ ردّ و قدح ہوئی، اور انھوں نے اپنے تاملی طریقے کی اصلاح کرنے کی کوشش کی، اور جس شے کی تحقیق ان کے پیش نظر تھی، اُس کے متعلق انھوں نے اپنے تصورات کو واضح کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود تاملیہ میں ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا۔ (یہ کم از کم جزواً تو نیا ضرور ہے) اور یہ موجودیت کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مذہب مہذب اور صحیح تامل پر زور دیتا ہے، اور اس کے علاوہ اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ قدیم نفسیات اور جدید مذاہب دونوں کافی حد تک موجودی یا واقعاتی نہیں ہیں، کہ یہ نفسیات کو کیمیا یا طبیعیات جیسی ترقی یافتہ حکمتوں کے مرتبے تک پہنچنے میں اس کی رہبری کر سکیں تحلیل نفسی مقصدیت اور نظریۂ کرداریت تینوں کے حامی ایک نہ ایک طریق پر نفسیات کو عملی بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ اُسے زیادہ انسانی بنانے میں کوشاں ہیں اور یہ خیال ہوتا ہے، کہ نفسیات کو یقیناً انسانی ہونا بھی چاہیے لیکن کیا حکمی ترقی کی یہ راہ ہے؟ طبیعیات و کیمیا اپنی ترقی کی بلند سطح پر کس طرح سے پہنچی تھیں صفحہ ۱۴ اور انجینیری کے فنون کو جو ان حکمتوں پر مبنی ہیں فطری قوتوں پر اپنا غیر معمولی قابو کس طرح حاصل ہوا تھا؟ یہ انسانی ضروریات سے چمٹے رہنے سے نہیں، بلکہ ایسے مظاہر دریافت کرتے رہنے کی کوشش سے ہوا ہے، جو پہلی نظر میں ہر قسم کی انسانی دلچسپی سے عاری معلوم ہوتے تھے۔ اگر تم کسی طبیعیات کی کتاب کو کھولو تو تمھیں اُس میں کھاد کی گاڑی پر ایک باب اور پانی کھینچنے والے آلوں پر دوسرا باب دیکھنے کی توقع نہیں ہوتی،

حتیٰ کہ تمہیں اس کے اندر ریڈیو پر بھی کوئی باب نہیں ملتا، اگرچہ ان مفید انسانی اشیا کو اساسی اصول کی مثالوں کے طور پر پیش کیا جا سکتا تھا۔ اگر نفسیات بھی اپنے آب کشوں اور کھاد کی گاڑیوں کو بھول سکے، اپنی توجہ عنصری حقائق پر قائم کر سکے، تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ ظاہر اور صریح سے بچ سکے گی، اور ایسے ہی حیرت انگیز اور انقلاب آفریں اصول دریافت کرے گی جیسے کہ بجلی یا لاشعاعیں ہیں۔ موجودیت کو یہی امید ہے۔

میں نے ہمعصر مذاہب میں سے چار کا ذکر کیا ہے، جن پر ہم تفصیلی بحث کریں گے۔ باقی ایک عوام کے سامنے حال ہی میں آیا ہے۔ اگرچہ اس کے نام سے اس پر روشنی پڑنے کے بجائے حیرانی میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ گیز ٹالٹ نفسیات کا جرمن مذہب ہے جسے بہتر لفظ نہ ملنے کی وجہ سے تشکیلیت کہا جاتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں تمہارے ذہن میں اس مذہب کا پہلا واضح ارتسام پیدا نہ کر سکوں گا، اگرچہ اس مذہب کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا اور شاید مستقبل کی کنجی اسی کے ہاتھ میں ہو۔ میں اس کے متعلق صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کی بغاوت انیسویں صدی کی نفسیات کے ذہنی کیمیا والے نصب العین کے خلاف تھی۔ تشکیلی نفسیاتی ہمیں بتاتے ہیں کہ اس قسم کا نصب العین محض چھلاوہ ہے۔ ان کے خیال کے مطابق تجربات یا اعمال کو ان کے عناصر میں تحلیل کرنے سے ہم کبھی زیادہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہمیں ایک عمل یا تجربے کو بحیثیت مجموعی لینا چاہیے، اور اس کا مطالعہ اس کے ماحول کے ساتھ کرنا چاہیے، نہ کہ اس کی تحلیل کرنے کی کوشش۔ تشکیلی نقطۂ نظر کے مطابق تاملی اور کرداریتی دونوں ابھی تک گزشتہ صدیوں کی تجرائتلافیت سے سر ٹکرا رہے ہیں۔

صفحہ ۱۵ ان تمام مختلف تحریکات کے جاری رہتے ہوئے، عصر جدید کی نفسیات میں کسی ربط کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس زمانے کے نفسیاتی اس کے باوجود بھی ایک دوسرے سے ملتے جلتے،

ایک دوسرے کے ساتھ نفسیاتی مسایل پر بحث کرتے، اور ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔ اس علم میں ان تحریکات سے تفرقہ نہیں پڑا ہے، بلکہ کسی حد تک زیادہ متحد ہوگیا ہے۔ ہم اس وحدت پر بحث کریں گے، جو اختلاف مذاہب کے باوجود بھی ہے۔ نفسیاتیوں کا ایک دوسرے کا احترام اس بات کا پتا دیتا ہے، کہ تمام مذاہب کے افراد میں علم کی مسلسل ترقی کے متعلق بہت کچھ جوش پایا جاتا ہے۔ بعض مذہب نفسیات کو زیادہ حکمی بنانا چاہتے ہیں، اور بعض زیادہ انسانی اور عملی بنادینا چاہتے ہیں۔ انسان اسے حکمی اور عملی دونوں دیکھنا پسند کرے گا، اور نفسیاتی اس امید میں متفق ہیں، کہ یہ نتایج حاصل ہو سکتے ہیں۔

نفسیات کے اندر وحدت کے باقی رہ جانے کا ایک سبب یہ بھی ہے، کہ نفسیاتیوں کی صرف تھوڑی ہی تعداد کسی مذہب کی سرگرم حامی بنتی ہے، بعض ایک جانب اور بعض دوسری جانب مایل ہو سکتے ہیں، مگر بحیثیت مجموعی دنیا کے نفسیاتی ایک درمیانی راستے پر چل رہے ہیں۔ بہرحال انیسویں صدی کی نفسیات میں ایسی بھی بہت سی باتیں ہیں، جن کے خلاف بغاوت نہیں ہوئی ہے۔ سابقہ تحقیق کے اکثر نتایج اُس وقت تک صحیح مانے جاتے ہیں، اور گزشتہ تیس سال کی تحقیقات نے ایسے بہت سے نتایج کا اضافہ کردیا ہے جن کا کسی مذہب سے تعلق نہیں ہے انیسویں صدی کے نفسیاتی اپنے راستے پر چل رہے تھے، اور ہم بھی اسی راستے پر چل رہے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ ہم آگے معلوم ہوتے ہیں۔ بااین ہمہ میں یہ نہ کہوں گا کہ یہ مذاہب اُس زمانے کی نفسیات کی صرف آیایش کی صورت رکھتے ہیں، اور نہ اس مصروفیت کے زمانے میں اُن کی غرض صرف تفریح ہے۔ یہ ہماری نظر میں وسعت اور خیالات میں صفائی پیدا کر رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سے قوت حیات کا پتا چلتا ہے، اور غالباً یہ باقی رہیں گے۔ یہ بات اچھی ہے کہ یہ کئی ہیں، غالباً ان میں سے کسی ایک کو اس امر کا پورا پورا تصور نہیں ہے کہ نفسیات کیا کچھ ہونے کو ہے۔ ان میں سے

صفحہ ۱۲

باب ایک ایک دلکش پہلو کو ظاہر کرتا ہے، اور دوسرا دوسرے کو۔ اس سال ہمیں ان سب کو نفسیات کے ایک مکمل تصور میں ترکیب دینے کی توقع نہیں ہو سکتی، ایسے تصور میں جس سے یہ پتا چلے کہ نفسیات کو کیا ہونا چاہیے اور کیا کرنا چاہیے، لیکن ہم اس قطعی اضافے کے سمجھنے کی امید کر سکتے ہیں، جو ان میں سے ہر ایک ہمارے فہم میں کرنے کے لیے تیار معلوم ہوتا ہے۔ اس امید میں ہم ان میں سے ہر ایک کو اپنی کہانی سنانے کا موقع دیں گے اور اس کے بعد نفسیاتیوں کی اس بڑی جماعت کی ایک مختصر جھلک پیش کرنے کی کوشش کریں گے جو استقلال کے ساتھ وسطی شاہراہ میں بڑھے چلے جا رہے ہیں۔

باب ۲

تاؔملی نفسیات اور موجودیتی مذہب

نفسیاتی مشاہدے کا طریقہ ہونے کی حیثیت سے تاؔمل کسی ایک مذہب کی خاص ملکیت نہیں، اور نہ معروضی طریقہ کسی خاص مذہب کی ملکیت ہے، کیوں کہ بہت سے نفسیاتیوں نے دونوں طریقے استعمال کیے ہیں، اور اکثر انھیں ایک ہی تحقیق کے اندر استعمال کیا ہے۔ کرداریت والوں نے تاؔمل کی قدر و قیمت سے انکار کیا ہے۔ لیکن کوئی تاؔملی ایسا نہیں ہے جس نے کردار کے مطالعے میں خارجی طریقوں کی قدر و قیمت سے انکار کیا ہو، اور نہ کوئی تاؔملی ایسا ہے جس نے کردار کے مطالعے کی قدر و قیمت سے نفسیات کی ایک ذیلی راہ ہونے سے انکار کیا ہو، اسی لیے ہم تاؔملی مذہب کی نسبت اس طرح سے گفتگو نہیں کر سکتے، کہ گویا تمام وہ نفسیاتی جو اپنے کام میں تاؔمل کو استعمال کرتے ہوں، ایک علیحدہ جماعت ہوں، اور وہ اپنے اسی طریقے پر جمے رہنے کی بنا پر متحد ہوں۔ اور نہ ہم صحیح معنیٰ میں انیسویں صدی کی نفسیات کو کلیۃً صفحہ ۱۷

تاملی اور معروضی طریقوں کو اپنے زمانے کی پیداوار کہہ سکتے ہیں کیوں کہ معروضی طریقے اختباری نفسیات کے شروع سے استعمال ہو رہے ہیں ان سے ردِّ عمل کے زمانوں اور ادراک کی صحت اور بعد کو یاد اور سیکھنے کے اختبارات میں کام لیا گیا ہے۔ گزشتہ صدی کے ختم اور موجودہ صدی کی ابتدا میں جو چیز ہمیں ملتی ہے، وہ اس میدان کی وسعت ہے جس میں تامل کو بڑے پیمانے پر استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس طریقے پر تعمیری تبصرہ اور تاملی نفسیات کے صحیح مقصد کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح پر جو موجودہ تاملی نفسیات پیدا ہوئی۔ اسے میں خاص طور پر مرحوم پروفیسر ایڈورڈ بریڈ فورڈ ٹچنر کی زبردست تعلیمات سے منسوب کرتا ہوں۔ صفحہ۱

ہم کسی مذہب کی طرف بھی کیوں نہ مائل ہوں، لیکن اس بارے میں ہم سب کو متفق ہونا چاہیے کہ نفسیات کا کام فرد کا مطالعہ ہے۔ اس کے معطیات فرد کے اعمال و افعال کے مشاہدوں پر مشتمل ہیں۔ اگر فرد ایسا انسان ہے جو بیان کرنے کی بھی قابلیت رکھتا ہو تو ہم اس سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مشاہدہ کرے اور اپنے اعمال و افعال یا اپنے واردات میں سے کچھ کو بیان کرے۔ اگر ہم زیر مطالعہ فرد کو موضوع کہیں، تو ہم ان مشاہدوں کو جنھیں وہ بیان کرتا ہے، موضوعی مشاہدے کہہ سکتے ہیں، اور متضائف اصطلاح معروضی کو ایسے مشاہدوں کے لیے استعمال کر سکتے ہیں جو اس کی نسبت دوسرا شخص کرتا ہے۔ اس طرح سے تامل موضوعی مشاہدہ ہے۔ بعض اوقات تمام وہ مشاہدے جو موضوع پیش کرتا ہے، تاملی کہلاتے ہیں، اور کبھی اس اصطلاح کو بعض زیادہ پیچیدہ اور لطیف قسم کے موضوعی مشاہدے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ میں آئندہ چل کر بیان کروں گا۔

اگر ہم اس بات کو ذہن میں رکھیں، کہ تامل پر گزشتہ زمانے میں مخالفتوں کی شدید بوچھار رہی ہے، اور کرداریت کے حامیوں کو اس پر شدید اصرار رہا ہے کہ صرف مشاہدے کے معروضی طریقے ہی حکمی صحت کے

دعوید ار ہو سکتے ہیں تو اس نفسیاتی کام کے نمونوں پر سرعت کے ساتھ نظر ڈال لینے میں جو موضوعی مشاہدے کی مدد سے کیا گیا ہے، دو قسم کی دلچسپی ہوگی۔ ایک تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ حقیقۃً وہ شئے کیا ہے، جسے نظریۂ کردار والے نفسیات سے خارج کرنا چاہتے ہیں، اور دوسرے ہم موجودیتی مذہب کی طرف آگے بڑھیں گے۔

تاملی نفسیات کے نمونے

یہ بات عجیب تو معلوم ہوگی کہ نفسیات نے مشاہدے کا موضوعی طریقہ فلسفے سے نہیں بلکہ طبیعیات اور عضویات سے سیکھا ہے۔ طبیعیات نے اُسے روشنی اور آواز کے مطالعے میں استعمال کیا تھا، اور عضویات نے آلات حس کے مطالعے میں۔ یہ بات ہمیں یاد رکھنی چاہیے کہ روشنی اور آواز بالکل خارجی واقعات نہیں ہیں، کیوں کہ روشنی محض اشعاع ہی نہیں، بلکہ مرئی اشعاع ہے۔ اور آواز محض ارتعاش نہیں، بلکہ سمعی ارتعاش ہے۔ ایسے بہت سے ارتعاش ہوتے ہیں، جو سمعی نہیں ہیں اور اسی طرح سے بہت سے ایسے اشعاع ہیں، جو نظر نہیں آتے۔ خالص سرخ اور خالص زرد روشنی کو ملاؤ تو تمھارے پاس اس مرکب کے علاوہ خارجی طور پر کچھ نہیں ہوتا، لیکن وہ مشاہدہ کرنے والا جس کی آنکھوں پر تم اس مرکب کا عکس ڈالتے ہو نارنگی رنگ دیکھتا ہے۔ آوازوں کے مرکب کرنے سے بالکل ہی مختلف نتائج حاصل ہوتے ہیں، کیوں کہ کان اندراجی آلہ ہونے کی حیثیت سے آنکھ سے بالکل مختلف ہے۔

صفحہ ۱۹

طبیعیاتیوں کو ان موضوعی مظاہر سے نیوٹن کے زمانے سے دلچسپی چلی آتی ہے۔ شروع انیسویں صدی میں عضویات میں جو تیز ترقی ہوئی اس کی بنا پر بعض عضویاتیوں نے اُن آلات حس کے عمل پر اختبار کرنا شروع کر دیا۔ انھیں ان آلات کے عمل کی کس طرح سے جانچ کرنی چاہیے؟ ظاہر طریقہ تو یہ تھا کہ ایک مہیج کو آلۂ حس پر لگایا جائے اور فرد سے پوچھا جائے کہ اس سے کیا ارتسام ہوا اور اُسے کون سی حس ہوئی۔ اس قسم کا معطیات حاصل کرنے کا موضوعی طریقہ، طریقۂ ارتسام کہلا سکتا ہے۔ یہ موضوعی ہے، کیوں کہ وہ موضوع جس میں یا جس پر ارتسام پیدا کیا جاتا ہے اس کا مشاہدہ کر کے بیان کرتا ہے۔ عضویاتی عموماً پہلے خود پر تجربہ کرتا تھا۔ وہ کسی خاص مہیج سے اپنے کسی آلۂ حس کو متاثر کرتا تھا اور جو ارتسام ہوتا تھا اُس پر غور کرتا تھا۔ اپنے مشاہدات کی تصدیق کے لیے وہ موضوع کی حیثیت سے اسی اختبار میں دوسرے اشخاص سے کام لیتا تھا، اور اگر ہر شخص ایک ہی مہیج سے ایک ہی ارتسام کو بیان کرتا تھا، تو وہ اس واقعے کو قطعی اور آلۂ حس کے عمل سے متعلق سمجھ لیتا تھا۔ اس طریقۂ ارتسام سے پوری انیسویں صدی میں نتایج کی بڑی مقداریں حاصل ہوئی ہیں، جنھیں پہلے طبیعیاتیوں اور عضویاتیوں نے حاصل کیا اور بعد کو نفسیاتیوں نے۔

حواس کے مطالعے میں ایک عام مسئلہ، تحلیل یعنی عنصری حسوں کی تحقیق کا ہے۔ مثلاً جلدی حس سے ارتسامات کی ہمیں کوئی سی بھی تعداد ہو سکتی ہے، مثلاً شکل، جسامت، وزن، اشیا کی ساخت، گرمی، سردی، نمی اور خشکی، کھردراپن اور سختی وغیرہ یعنی واقعات کی ایک غیر محدود تعداد۔ لیکن ظن غالب یہ تھا کہ حاسے سے اُن تمام واقعات کا صحیح ارتسام نہیں ہوتا، بلکہ

بعض ابتدائی معطیات کا ارتسام ہوتا ہے، جو واقعات کی علامتوں کا کام دے جاتے ہیں۔ مسئلہ یہ تھا کہ ابتدائی معطیات دریافت کیے جائیں، اور رفتہ رفتہ یہ تحقیق ہوا کہ جلد سے چار ابتدائی حسیں تو یقیناً ہوتی ہیں، یعنی گرمی، سردی، الم اور دباؤ اور غالباً باقی تمام ارتسامات ان چاروں کے مرکب ہیں۔ یہ تحلیل جلد کی مختلف مہیجوں کے ذریعے سے تفتیش کرنے سے اور ایسے چھوٹے چھوٹے نقاط کے دریافت ہونے سے حاصل ہوئی جن میں بعض گرمی کو محسوس کرتے تھے اور بعض سردی کو وغیرہ۔

تقریباً اسی طرح سے ذائقے کی بھی تحلیل کی گئی۔ معمولی طور پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ذائقوں کی غیر محدود تعداد ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں، کہ نزلے کی حالت میں یہ تعداد بہت کچھ کم ہو جاتی ہے، اور اختیاری طور پر یہ ثابت کیا جاتا ہے، کہ اگر ناک کو بے دخل رکھا جائے تو ذائقوں کی حقیقی تعداد گھٹتے گھٹتے چار تک رہ جاتی ہے، یعنی میٹھا، کھٹا، کڑوا اور نمکین۔ وہ لاتعداد ذائقے جن کا ہم معمولی طور پر خیال کرتے ہیں، ان کے بو، مس اور گرمی و سردی کی حسوں کے ساتھ مل جل جانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیمنڈ کی صورت میں مرکب کی تحلیل کرنے میں ہمیں اس علم سے مدد ملتی ہے کہ مہیج کن کن چیزوں سے مرکب ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ مہیج میں میٹھا، کھٹا اور ٹھنڈا شامل ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ لیمو محض کھٹے ذائقے سے کچھ زیادہ ہوتا ہے اور سرکے یا گندھک کا تیزاب تشفی بخش طور پر اس کی جگہ نہیں لے سکتے۔ اس کے اندر ایک خاص خوشبو بھی ہوتی ہے۔ پس لیمنڈ میں چار ابتدائی حسوں کے مہیج جمع ہوتے ہیں، اور لیمنڈ کا ذائقہ اُن چاروں کا

مرکب ہوتا ہے۔ مرکب کہنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ اُس کی ترکیب کے باوجود ایک باوحدت ارتسام معلوم ہوتا ہے۔

بصارت کے حاسے سے بلاشبہ ارتسامات کی غیر محدود تعداد مہیا ہوتی ہے، اور اس میں انھیں مکان کے اندر پھیلانے اور صورت و مقام عطا کرنے کی صفت ہے۔ تحلیل سے چھ ابتدائی حسوں کا پتا چلتا ہے، یعنی سفید، سیاہ، سرخ، زرد، سبز اور نیلا اور اُن کے ساتھ اُن کے لاتعداد مرکبات ہیں۔ حاسۂ سماعت اس سے مختلف ہے، صفحہ ۱۲ کیوں کہ اس کے عناصر کی تعداد مختصر نہیں ہے۔ بظاہر ہر سرتی خواہ وہ بلند ہو یا پست یا متوسط اسی طرح سے ابتدائی یا عنصری ہوتی ہے، جس طرح سے کہ دوسری۔ یہاں پر ہزار ہا عناصر ہیں۔ لیکن مرکبات بھی بہت سے ہیں، اور سرتیوں کے مرکبات کی تحلیل، اس تمام مطالعے کی سب سے نمایاں کامیابی ہے۔ مختلف آلوں کی مختلف امتیازی خصوصیات، زاید سرتیوں کی اساسی سرتی کے ساتھ، جو کہ کسی وقت میں بجائی جا رہی ہو، مختلف ترکیبوں پر مبنی پائی گئی ہے۔ اسی طرح سے مختلف حروف علت و صحیح منہ کی امدادی سرتیوں کے اساسی سرتی کے ساتھ جو آلۂ صوت سے نکلتی ہے، مختلف طور پر ترکیب پا جانے کا نتیجہ ہیں۔ حال ہی میں ٹیلیفون اور ریڈیو کے انجینیروں نے سمعی حس کے اس میدان میں اسی طرح سے شدید محنت کی ہے جس طرح سے روشنی کے انجینیروں نے بصارت کے میدان میں۔ اُن کے طریقے یہ رہے ہیں، کہ پہلے تو وہ مہیج کو اپنے طبیعیات کے علم سے قابو میں رکھتے ہیں، پھر معتبر مشاہدہ کرنے والوں کی امداد حاصل کرتے ہیں، اور آسان اور صحیح مشاہدے کے لیے حالات کو تا بہ امکان زیادہ سے زیادہ موزوں بناتے ہیں، اور پھر اپنے قابو کے مہیجوں کو استعمال کرتے ہیں، اور اپنے معتبر مشاہدہ کرنے والوں سے

ارتسامات کو دریافت کرتے ہیں۔ انھیں طولق ارتسام پر بھروسا کرنا پڑا ہے، کیوں کہ انھیں روشنی یا آواز کی محض طبیعیات ہی سے بحث نہیں ہوتی، بلکہ ان اثرات سے بھی تعلق ہوتا ہے جو اُن انسانوں پر پیدا ہوتے ہیں، جو دیکھتے یا سنتے ہیں۔

شامہ کی ایک عرصے تک تحلیل نہیں ہو سکی، لیکن حال ہی میں اُس سمت میں بھی کچھ ترقی ہوئی ہے۔ ہیننگ نے بہت سی خوشبودار چیزیں جمع کیں، اور اُنھیں اپنے موضوعوں کو ان ہدایات کے ساتھ دیا، کہ مختلف بوؤں کے ذریعے کی نسبت جو کچھ تم جانتے ہو وہ سب بھول جاؤ اور محض ان بوؤں کا آپس میں مقابلہ کرو، ان کی مشابہتوں کا پتا چلاؤ، یہاں تک کہ تم انھیں کسی ترتیب یا نظام کے تحت مرتب کر سکو۔ ان ہدایات کی ضرورت تھی، کیوں کہ اس کے بغیر موضوع بوؤں کے پہچاننے پر مایل تھے، اور یہ کوشش انھیں اپنے اس علم کی طرف واپس لے جاتی تھی جو وہ ان کے متعلق پہلے سے رکھتے تھے، یعنی بوؤں کے روزمرہ کے بنے بنائے
اصطفاف کی جانب، اور یہ چیز ترقی میں حایل تھی۔ لیکن جب مشاہدہ صفحہ ۲۲
کرنے والوں کو خود احضاری بوؤں کے مابین مشابہتوں اور فرق کی دریافت تک محدود رکھا گیا، اور خارجی امور کی اجازت نہ دی گئی تو اُنھیں بعض نمایاں بوئیں ایسی ملیں، جو عناصر سے زیادہ مشابہ تھیں اور بعض ایسی ملیں، جو مرکب معلوم ہوتی تھیں۔ یہ اختیار موضوعی مشاہدے کی، ایک شخص کے اپنے تجربے کو حقیقی طور پر بیان کرنے کی جہت میں ترقی تھا۔ اس میں جو کچھ انسان کو فی الحقیقت محسوس ہوتا ہے اُس کے بتانے کی کوشش کی جاتی ہے نہ کہ اس کی جس کی طرف اس سے ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ اس میں مشاہدہ کرنے والا ان مذاہب کے حدود میں رہنے کی کوشش کرتا ہے، جنھیں اُسے بیان کرنا ہے، اور انھیں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ

کر کے بیان کرتا ہے۔

حواس کے مطالعے میں، طریق ارتسام سے جو کام لیا جاتا ہے اُس کی ایک مثال اور بیان کی جاتی ہے۔ اگر تم ایک رنگین دھبے پر بیس یا تیس سیکنڈ تک نظر جمائے رکھو، اور پھر آنکھوں کو سادہ بھورے رنگ کی پائین کی طرف پلٹو تو تمھیں ایسے رنگ کا دھبہ نظر آئے گا، جو اصل دھبے کے رنگ کا متمم ہوگا، مثلاً سبز رنگ کے دھبے کو دیکھ کر اودا، زرد رنگ کے دھبے کو دیکھ کر نیلا نظر آئے گا وغیرہ۔ یہ منفی تمثال مابعد ایک موضوعی حس ہے کیوں کہ سادہ پائین پر کوئی دھبہ نہیں ہوتا۔ تمثال مابعد اس پیچیدہ طریق کو ظاہر کرتی ہے، جس کے مطابق آنکھ اور دماغ روشنی پر ردّعمل کرتے ہیں، اور یہ رنگ کی عضویات اور نفسیات میں نہایت اہم واقعہ ہے۔ یہ عملی طور پر بھی اہم ہے کیوں کہ رنگوں کو جوڑتے اور ان کا مقابلہ کرتے ہوئے تمثال مابعد کے اثرات کا لحاظ کرنا پڑتا ہے، تمثالات مابعد کا آسانی سے ثبوت دیا جاسکتا ہے اور جو شخص اس اختبار کو اپنے پر آزمائے گا، اُسے ان کا پتا چل جائے گا۔ لیکن صورت حال ایسی ہے، کہ تم اپنے علاوہ اور کسی شخص کی تمثالات مابعد نہیں دیکھ سکتے۔ اس عام طور پر مسلمہ واقعے کی شہادت کلیتہً طریق ارتسام یعنی موضوعی مشاہدے پر مبنی ہے۔ اس صورت حال کے ہوتے ہوئے کوئی شخص موضوعی مشاہدے کی صحت سے کلیتہً کیونکر انکار کرسکتا ہے، یہ بات معما معلوم ہوتی ہے۔

صفحہ۲۲ موضوعی مشاہدہ معروضی مشاہدے سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ہم نے طریق ارتسام کو موضوعی مشاہدے کی ایک صورت کہا ہے، کیوں کہ موضوع اس ارتسام کی نسبت بیان دیتا ہے، جو اُسے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن یہ سوال باقی رہتا ہے، کہ آیا یہ موضوعی مشاہدہ درحقیقت خارجی واقعات کے معمولی مشاہدے سے کوئی مختلف شے ہے۔ طریق ارتسام کو تاملی نفسیاتی بہت اہمیت دیتے ہیں، اور

وہ اُسے سادہ نفسیاتی مشاہدے کا ایک نمونہ کہتے ہیں، اور نظریہ کردار والے اسے ناپسند کرتے ہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک یہ موضوعیت کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ لیکن خود موضوع کو جو مشاہدہ کرتا ہے یہ ایسا ہی معروضی معلوم ہوتا ہے، جیسے کہ کسی اور معروضی واقعے کا مشاہدہ۔ تم اس کی آنکھوں پر روشنی ڈالتے ہو، اور وہ یہ بتاتا ہے کہ یہ سبز ہے۔ تم اُس کے منہ میں کوئی چیز رکھتے ہو، اور وہ بیان کرتا ہے، کہ یہ کڑوی ہے۔ تم مدھم سرتی نکالتے ہو، اور وہ کہتا ہے اب اسے میں سن رہا ہوں، یا اب اسے میں نہیں سُن رہا ہوں۔ یہ اُسے اسی قسم کا مشاہدہ معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ وہ ہر وقت خارجی اشیا کے متعلق کرتا رہتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ اختبار میں شاید زیادہ محنت سے کام لیتا ہے، تمثال مابعد کی صورت میں بھی ممکن ہے، کہ وہ کہے کہ مجھے دیوار پر ایک اودا دھبہ نظر آتا ہے، اور یہ میری آنکھوں کی حرکت کے ساتھ حرکت کرتا ہے، اور اب یہ دُھندلا ہوتا جا رہا ہے۔ ممکن ہے وہ خود کو یہ یقین دلائے، کہ تمثال مابعد کچھ ایسی شے ہوتی ہے جو اُس کی آنکھوں میں ہے، نہ کہ فی الحقیقت دیوار پر۔ لیکن یہ مشاہدہ اُس کو ایسا ہی معروضی اور خارجی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ کوئی اور۔ صرف ایک فرق ہے، اور وہ یہ کہ تمثال مابعد کا مشاہدہ کرتے ہوئے، وہ اس سوال کو نظر انداز کر دیتا ہے، کہ آیا درحقیقت کوئی اودا دھبہ ہے، اور محض وہ بات بیان کرتا ہے، جو اُس کی آنکھیں اُسے بتاتی ہیں۔ برخلاف اس کے معمولی زندگی میں وہ اس چیز کو معلوم کرنا چاہتا ہے، جو درحقیقت ہوتی ہے، اور تمثالات مابعد کو، جو اُس کی آنکھیں اُس کے سامنے متواتر پیش کرتی رہتی ہیں، نظر انداز کرنا سیکھ لیتا ہے۔ طریق ارتسام مشاہدہ کرنے والے سے اس بات کا طالب ہے، کہ وہ ارتسامات کی عملی اہمیت کے متعلق اپنے معمولی خیال کو ترک کر دیے تاکہ وہ خود ارتسامات کی نسبت بیان دے سکے، لیکن ایسا ہی مطالبہ ہر قسم کے محنت طلب مشاہدے میں ہوتا ہے۔ معمولی طور پر آسان مشاہدے میں ہمیں ایک مرکب ارتسام

ہوتا ہے، جو کسی خارجی واقعے کی علامت کا کام دے جاتا ہے اور ہمیں ارتسام پر ہوشیاری کے ساتھ توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیوں کہ معروضی واقعہ، بالکل صاف طور پر موجود ہوتا ہے۔ لیکن جب ارتسام مدھم یا دھندلا ہوتا ہے، اور جب معروضی واقعے کے متعلق اطمینان کر لینا اہمیت رکھتا ہے، تو ہم خود ارتسام پر توجہ کرنے پر مجبور رہوتے ہیں، تاکہ ہمیں اس چیز کا یقین ہو جائے، جو ہم عملی طور پر دیکھتے اور سنتے ہیں۔ ہم خود سے دریافت کرتے ہیں، کیا پانی پر کوئی خفیف دھبہ ہے، یا میری آنکھیں مجھے دھوکا دے رہی ہیں، کیا خفیف گنگناہٹ کی آواز سن رہا ہوں یا صرف میرا خیال ہی ہے۔ ہم اس وقت تک رائے قائم نہیں کرتے، جب تک ہمیں اپنی علامتوں کے متعلق اطمینان نہیں ہو جاتا۔

اگر طریق ارتسام اساسی طور پر صحیح نہیں ہے، تو پھر ہر قسم کا حکمی مشاہدہ بھی صحیح نہیں ہے، کیوں کہ عملی طور پر یہ مشاہدہ کرنے والے سے ایک ہی طرح کے مطالبات کرتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک ماہر کیمیا کے پاس پانی کے بہت سے نمونے ہیں جن کا اسے اس غرض سے امتحان کرنا مقصود ہے، کہ کیا ان میں سے کسی میں لوہا ہے، اور وہ ان نمونوں میں سے ہر ایک میں ایسا عامل زیادہ کرتا ہے، جس سے اس پانی میں جس میں لوہا ہو نیلا رنگ پیدا ہو جائے، اور فرض کرو وہ خود سے کہتا ہے، کہ اگر میرے پاس ایک ایسا مددگار ہوتا، جس کی نظر اچھی ہوتی، اور جس پر میں یہ بھروسا کر سکتا، کہ وہ صحیح مشاہدہ کرے گا، تو میں بہت سے معمولی کام سے بچ جاتا۔ وہ اشتہار دیتا ہے اور ایک نوجوان لڑکی اس کے لیے درخواست پیش کرتی ہے۔ اُس کے پاس کچھ امتحانی نلیاں ایسی ہوتی ہیں جن میں لوہے کا محلول ہوتا ہے، اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جن میں لوہا نہیں ہوتا، اور بغور دیکھ لیتا ہے، کہ کونسی نلیوں میں لوہا ہے اور کونسی میں نہیں ہے، اور پھر انھیں لڑکی کے سامنے رکھتا ہے اور لڑکی کو سمجھاتا ہے کہ کام یہ ہے، کہ ہر امتحانی نلی کو بغور دیکھو اور یقین کے ساتھ

اس امر کا پتا چلاؤ، کہ آیا اس سے نیلے رنگ کی جھلک ظاہر ہوتی ہے، یا نہیں۔ فرض کرو کہ وہ اس لڑکی کی نظر کو بالکل ٹھیک پاتا ہے، اور اُسے ملازم رکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے غیر معلوم نمونے اُسے دیتا ہے، اور اُس کے بیان پر بھروسا کرتا ہے، کہ کن سے نیلی جھلک پائی جاتی ہے، اور کن سے نہیں پائی جاتی۔ پہلے اُس نے لڑکی کا امتحان لیا تھا، اور اب وہ اپنے نمونوں کو جانچ رہا ہے۔ لیکن لڑکی کا کام اب بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔ وہ ہمیشہ ارتسامات کو بیان کرتی ہے، اور اُس کی روش خارجی ہی رہتی ہے۔ ماہر کیمیا نے صفحہ ۲۵
یہی طریقہ پہلے اپنے مشاہدہ کرنے والے کی نسبت نفسیاتی جانچ کرتے وقت اختیار کیا، اور پھر اپنے پانی کے نمونوں کا کیمیائی امتحان کیا۔ مشاہدات ایک ہی تھے لیکن اُنھیں پہلے نفسیاتی مقصد کے لیے استعمال کیا گیا تھا، اور بعد کو کیمیائی مقصد کے لیے۔ پہلے ماہر کیمیا نے معلوم نمونوں کو غیر معلوم شخص کی نسبت پتا چلانے کے لیے استعمال کیا تھا، اور بعد کو اُس نے اُس شخص کو جس کا حال اب معلوم ہو چکا ہے، مشاہد کے طور پر استعمال کیا، تاکہ غیر معلوم نمونوں کے متعلق کچھ دریافت کر سکے۔

انسانی مشاہد کو ایک ذکی الحس اندراجی آلے مثلاً حرارت پیما سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جب تم ایک نئے حرارت پیما کی جانچ کرتے ہو، تو تم معلوم حرارتوں سے اس کا امتحان لیتے ہو، اور یہ دیکھتے ہو کہ آیا یہ حرارتیں صحیح طور پر بتاتا ہے یا نہیں۔ جب تمھیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ صحیح بتاتا ہے، تو تم غیر معلوم حرارتوں کے متعلق اس سے کام لیتے ہو، اور خارجی واقعے کی نسبت اُس کی شہادت کو صحیح مانتے ہو۔ نفسیاتی اختبار میں محقق اس مہیج کے جاننے کا انتظام کرتا ہے، جسے وہ اپنے موضوع پر عاید کرتا ہے، اور اس طرح سے وہ موضوع کے جواب سے اس طرح سے کام لے سکتا ہے، کہ اس سے خود موضوع اور اُن اعمال کی نسبت پتا چل جائے، جو اُس کے اندر

جاری رہتے ہیں - ایک کیمیاوی یا طبیعی اختبار میں محقق اپنے مشاہدہ کو جانتا اور اُس پر بھروسا کرتا ہے، اور اُس کے جواب کو ایسے خارجی واقعے کی نسبت علامت کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو بصورت دیگر نامعلوم ہوتی ہے۔ اس طرح سے طریق ارتسام اور ٹھیٹ حکمی مشاہدے میں مشاہدات کی حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق ماقبل اور مابعد کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ مشاہدے کے لیے یہ وہی رہتے ہیں، لیکن محقق کے لیے یہ مختلف ہو جاتے ہیں، کیوں کہ وہ دوسری جگہ سے آغاز کرتا ہے اور مختلف سمت میں جاتا ہے۔

طریق ارتسام میں بھی وہی رکاوٹیں ہوتی ہیں، جو عام طور پر حکمی مشاہدے پر عاید کی جاتی ہیں۔ یہ مختلف مشاہدوں کا اتفاق اور بیان کردہ واقعات کی مطابقت ہے
اس میں شک نہیں کہ افراد میں باہم اس قدر اختلاف ہوتا ہے، کہ ہم ایک نفسیاتی اختبار میں مشاہدوں کے مابین عام مطابقت کی امید نہیں کرسکتے۔ اشخاص کی ایک خاص شرح
صفحہ ۲۶ نیلگوں سبز، سرخی مایل اودے، اور صحیح چیک کے مدھم بھورے رنگ کا مقابلہ کرکے یہ
کہہ دے گی کہ یہ بالکل یکساں ہیں۔ ایسے فرد کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ اُس کی رنگ کی حس عجیب قسم کی ہے۔ ہم اس کا مختلف طور پر امتحان کرتے ہیں اور یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ رنگ نابینا ہے، یا سرخ سبز نابینا ہے۔ کیمیائی کام میں، رنگ کے متعلق مشاہدات کرتے وقت، ہمیں ایسے آدمی کو غیر موزوں قرار دے دینا چاہیے لیکن نفسیات میں ایسے شخص کے ملنے سے ہمیں خوشی ہوتی ہے، کیوں کہ اُس کی عجیب خصوصیات سے نوعی نظر کے اعمال پر روشنی پڑتی ہے۔ اُس کی مثال ایسی ہے، جیسے کہ ایک ماہر کیمیا اپنے آلات میں سے ایک آلے کو غلط اندراج کرتا ہوا پائے اور اُسے پھینک دینے کے بجائے وہ اُس کا اس لیے مطالعہ کرے کہ اُس کے اندرونی عمل کا کچھ حال معلوم ہو جائے
نفسیاتی اپنے پیشے کے اعتبار سے خاص قسم کے آلات کا طالب علم ہے۔

گزشتہ باب میں تجربے اور عمل کی نسبت نفسیات کا موضوع بحث ہونے کی حیثیت سے کچھ کہا گیا تھا۔ طریق ارتسام پر دونوں پہلوؤں سے غور ہو سکتا ہے۔ ابتدائی حسیں مثلاً گرمی نیلا رنگ، تلخ ذائقہ وغیرہ تجربے کے واقعات ہیں، اور ذہنی کیمیا انھیں ایسے عناصر قرار دیتی ہے

جن سے تجربہ بنا ہے۔ مرکبات اور تمثالات مابعد بھی تجربے کے واقعات ہیں، لیکن ارتسامات کو لیتے اور اُن کی نسبت بیان دیتے وقت موضوع حامل بھی ہوتا ہے، اور تجربہ کرنے والا بھی، اور چوں کہ اختیار کرنے والا' اس مہیج کو جانتا ہے جسے اُس نے استعمال کیا ہے، اور اس خاص جواب کو بھی جانتا ہے یا جان سکتا ہے، جو اس مہیج پر ہونے والا ہے، اس لیے وہ موضوع کے مشاہدے پر خود اپنا مشاہدہ بھی زیادہ کر سکتا ہے، کہ موضوع کا ردِّعمل مہیج کے کس حد تک مطابق تھا۔ صحت یا غلطی کی نسبت اختیار کرنے والے کا یہ مشاہدہ معروضی مشاہدے کے ذیل میں آتا ہے۔ یہ ایک معروضی واقعہ ہے، کہ رنگ نابینا فرد بھورے نیلگوں سبز، اور سرخی مائل اودے کو یکساں بتاتا ہے۔ اگر تم اُس سے یہ پوچھو، کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے، تو وہ کہتا ہے کہ یہ مجھے یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ کرداریتی یا غالی معروضی اس بات کی پروا نہیں کرتا، کہ یہ موضوع کو کیسے معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ تو صرف یہ دیکھتا ہے، کہ موضوع ان کے متعلق کیا کہتا یا کرتا ہے۔ اگر ہمارا ماہر کیمیا جس نے لڑکی کا امتحان لیا تھا، کرداریتی ہوتا، تو وہ کہہ سکتا تھا میں اس کی پروا نہیں کرتا کہ وہ نیلا رنگ دیکھتی ہے یا نہیں اگر وہ صحیح وقت پر نیلا بتاتی ہے، اور اس کے خلاف نہیں بتاتی، تو کچھ ہرج نہیں ہے۔ میں یہ تسلیم نہیں کرتا، کہ اس زبانی یا حرکی ردِّعمل سے علیحدہ دیکھنے جیسی شے کا کوئی وجود ہے بالکل اسی طرح ہے جس طرح سے میں یہ نہیں مانتا کہ میرا حرارت پیما اس حرارت کو محسوس بھی کرتا ہے، جسے یہ بتاتا ہے یا نہیں۔ دونوں صورتوں میں میں صرف حرکی ردِّعمل کو مانتا ہوں جو مہیج کے مطابق ہوتا ہے۔ بہت اچھا! لیکن بعض اوقات ماہر کیمیا اپنی امتحانی نلیوں کی خود جانچ کرتا ہے، اور ان کے متعلق نیلے یا غیر نیلے ہونے کا فیصلہ کرتا ہے۔ وہ غالباً یہ تسلیم کرے گا، کہ اُس نے انھیں نیلا یا غیر نیلا اس لیے کہا ہے کہ اُس نے انھیں ایسا ہی دیکھا ہے۔ اس کے لیے

اس امر سے انکار کرنا کہ دوسرے مشاہدہ کرنے والوں کے بیانات اس بارے میں خود اس کے سے ہیں، یا عام طور پر کرداریت کے حامیوں کا اس امر سے انکار کرنا، کہ طریق ارتسام واقعی تجربے کے بیانات مہیا کرتا ہے، اگر اور کچھ بھی نہیں تو شدید تعصب ضرور معلوم ہوتا ہے۔ شاید وہ اس قدر آگے بڑھنا نہیں چاہتے، لیکن اس کے باوجود تم انھیں ایسے لفظوں سے جیسے کہ دیکھنا اور سننا ہیں اس طرح سے بچتے ہوئے پاؤ گے، جیسے اُنؔ کا استعمال مذہبًا ممنوع ہو۔ اس کے بجائے وہ روشنی کا ردّعمل یا آواز کا ردّعمل کہتے ہیں۔

تاؔملی طریقے کی مزید ترقی

اب ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں، کہ کس طرح سے طریق ارتسام احساسات اور جمالیاتی ترجیحات کے مطالعے کے لیے موزوں تھا۔ موضوع سے یہ دریافت کیا جاتا تھا، کہ آیا وہ شے جو اُس کے سامنے پیش کی جا رہی ہے بھلی معلوم ہو رہی ہے یا دو چیزوں میں سے کونسی زیادہ بھلی معلوم ہو رہی ہے۔ اس عام طریقے کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں، لیکن اگر ہم طریق ارتسام کے کسی نسبتہً زیادہ پیچیدہ شے میں ترقی کر جانے کا ذکر کریں، جس کو صحیح معنی میں تامل کہا جا سکتا ہو، تو یہ ہمارے مقصد کے لیے زیادہ مفید ہوگا۔ نسبتہً جب تم پر کوئی مہیج عمل کرتا ہے، تو تمھارا مجموعی تجربہ اس ارتسام سے زیادہ وسیع ہوتا ہے جو کہ تمھیں اس مہیج سے براہ راست ہو رہا ہے طریق ارتسام تم سے محض اس بات کا طالب ہے کہ محض براہ راست ارتسام کی نسبت بیان کرو۔ برخلاف اس کے وسیع تر طریق تامل تم سے یہ چاہتا ہے کہ صفحہ ۲۰
اس لمحے کے اپنے پورے تجربے کی نسبت بیان دو، یا اُس کے اسنتے

حصے کے متعلق، جتنا کہ تم دے سکتے ہو۔ معملی اختبار میں موضوع کی توجہ اپنے کام میں منہمک ہوتی ہے، اس لیے یہ ممکن ہے، کہ خارجی اور غیر متعلق خیالات ہوں ہی نہیں، جن کی نسبت بیان دیا جائے۔ لیکن وہ اس مہیج کی طرف جس کا احضار ہو رہا ہے، کتنا ہی متوجہ کیوں نہ ہو اس کا تجربہ اس مہیج کے ارتسام محض سے کچھ زیادہ ہوتا ہے، اور یہ بالکل ممکن ہے، کہ اس کے اس لمحے کے تجربے کی کامل تصویر اس عمل پر روشنی ڈالے، جس سے وہ مہیج کا مشاہدہ کرتے وقت گزرتا ہے۔

فرض کرو کہ موضوع کے سامنے دو مہیج مقابلے کے لیے لائے جاتے ہیں۔ کیا اس کے تجربے کے متعلق مکمل بیان اس طریق پر کچھ روشنی نہ ڈالے گا جس سے موضوع اپنا کام انجام دیتا ہے، یعنی مقابلے کے عمل پر۔ وزن اُٹھانے کے قدیم اختبار میں موضوع پہلے ایک وزن اُٹھاتا ہے اور پھر دوسرا وزن اُٹھاتا ہے، جو پہلے وزن سے ذرا سا کم یا زیادہ ہوتا ہے، اور پھر رائے قایم کرتا ہے، کہ ان دونوں میں کونسا زیادہ بھاری ہے۔ وہ ایسا کس طرح سے کر سکتا ہے۔ پہلے وزن سے جو حس حاصل ہوتی ہے وہ اس وزن کے نیچے رکھتے ہی زائل ہو جاتی ہے، مگر اس کے باوجود وہ کسی نہ کسی طرح سے اس کے ساتھ دوسرے وزن کا مقابلہ کرتا ہے۔ قدیم تر نفسیاتیوں کے پاس تمثالات کی صورت میں ایک جواب موجود تھا وہ کہتے تھے کہ موضوع پہلے وزن کے احساس کی تمثال اس کے نیچے رکھنے کے بعد باقی رکھتا ہے، اور اس کا دوسرے وزن کی حس سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن موضوع سے یہ کیوں نہ کہا جائے، کہ وہ اپنے تجربے کو بیان کرے، اور اس کے بیان سے یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا اس لطیف منطقی تجویز کی تائید ہوتی ہے۔ اس اختبار کو آزمایا گیا اور منطقی تجویز کی تائید نہ ہوئی۔ موضوع نے اکثر یہ بیان کیا کہ پہلے وزن کے نیچے رکھ دینے کے بعد مجھے یہ یاد نہیں آسکتا تھا کہ یہ کیسا محسوس ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عملی طور پر پہلے وزن کو بھول جاتا ہے اور محض دوسرے وزن کے محسوس کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے، اور جب وہ دوسرے وزن کو اُٹھاتا ہے تو اس سے اسے بھاری پن یا ہلکے پن کا ارتسام ہوتا ہے۔ اگر ان حالات کے تحت دوسرا وزن ہلکا محسوس ہوتا ہے، تو وہ اسے پہلے وزن کے

٢٩ مقابلے میں ہلکا کہتا ہے اور اگر بھاری محسوس ہوتا ہے، تو وہ اسے پہلے وزن سے بھاری کہتا ہے۔ اگر تم اختبار کرنے والے کی حیثیت سے اپنے موضوع کے ہاتھوں پر غور کرتے، تو تمھیں کم از کم بعض اوقات یہ دکھائی دیتا، کہ وہ وزن جو ہلکا معلوم ہوتا ہے تیزی سے اوپر آجاتا ہے، لیکن وہ وزن جو بھاری معلوم ہوتا ہے اتنی تیزی سے اوپر نہیں آتا۔ پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موضوع پہلے وزن کو اٹھاتے وقت اپنے ہاتھوں کو اس وزن کے مطابق کر لیتا ہے، اس لیے جب وہ دوسرا وزن اٹھاتا ہے، تو اس کے ہاتھ پہلے وزن کے مطابق ہوتے ہیں، اور انھیں دوسرے وزن کے اٹھانے میں تکلف ہوتا ہے۔ اگر دوسرا وزن پہلے وزن سے ہلکا ہوتا ہے، تو یہ آسانی اور تیزی کے ساتھ اٹھ جاتا ہے، اور ہلکا محسوس ہوتا ہے، لیکن اگر دوسرا وزن پہلے وزن سے بھاری ہوتا ہے، تو یہ آہستہ آہستہ اور مشکل سے اوپر اٹھتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس عمل کے اندر ذہنی تمثالوں کو نہیں، بلکہ عضلی تطابق کو دخل ہوتا ہے۔ ہال نے خارجی مشاہدے کی تنقیح کے بعد ایک اہم انکشاف کر لیا تھا۔

اس قسم کے اختبار کی ایجاد گوٹینگن یونیورسٹی کے پروفیسر جی۔ ای۔ میولر سے منسوب ہے، اور کسی دوسرے نفسیاتی سے اس کو منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ میولر ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا، اور یہ ان چند جرمن نفسیاتیوں میں سے ہے جو ونٹ کے شاگرد نہیں، بلکہ حریف تھے، اور انھوں نے ونٹ کے قریب ہی کے زمانے میں معمول) اور تجربہ خانوں کو کھولا تھا۔ مناسبت یا تطابق کا یہ تصور جس سے میولر نے تقریباً ۱۸۹۰ء میں کام لیا تھا باقی رہ گیا ہے، اور اب تک یہ نہایت ہی قیمتی معلوم ہوتا ہے۔

میولر نے اپنا نیا تاملی طریقہ حافظے کے مطالعے کے لیے استعمال کیا۔ حافظے کا مطالعہ قرار واقعی طور پر ٹھیک ٹھیک اسی زمانے میں ایبنگ ہاؤس (۱۸۵۰ء تا ۱۹۰۹ء) نے شروع کیا تھا، اور یہ بھی ان ابتدائی اختباریوں میں سے ایک ہے، جو ونٹ سے الگ تھے۔ ایبنگ ہاؤس کے اختبارات جو فراموشی کے انحنا اور حافظے کے دوسرے بہت سے مسائل پر اب مستند سمجھے جاتے ہیں، خالص معروضی تھے یعنی اس کے معطیات ایسی یادداشتوں پر مشتمل تھے، کہ ایک خاص سبق کے یاد کرنے میں کتنی دیر لگتی ہے، یا

ایک وقفے کے بعد اس کے دوبارہ یاد کرنے میں کتنی دیر صرف ہوتی ہے۔ ان میں تاملی معطیات کو دخل نہ تھا۔ ایبنگ ہاؤس نے اپنے نتائج کی ائتلافی نفسیات کے خطوط پر ترجمانی کی تھی۔ میولر کو اس تعبیر کے متعلق بظاہر کچھ شک تھا۔ اس لیے اُس نے اپنے موضوعوں سے صرف یہی نہیں کہا کہ وہ یاد کریں، اور دُہرائیں بلکہ اُس نے یاد کرنے اور دُہرانے کے تجربے کی نسبت بھی بیان مانگا۔ موضوعوں نے تجربے کی نسبت ۳۰ بہت کچھ بیان دیا۔ اُنھوں نے بیان کیا کہ حفظ کرتے وقت وہ بہت چست معلوم ہوتے تھے، اور یہ چستی اُنھیں کئی طرح سے محسوس ہوتی تھی۔ مواد انفعالی طور پر ہرگز آتا ہوا معلوم نہیں ہوتا تھا اور وہ اُسے کسی خود کار عمل کے ذریعے سے مربوط نہ کر رہے تھے۔ غیر مربوط مواد مثلاً اعداد کی فہرستیں بے معنی حروف، جن سے نفسیاتی تجربہ خانوں میں اکثر کام لیا جاتا ہے، اُنھیں دکھائے گئے۔ اُنھوں نے اُن کو موزوں صورت میں سنایا۔ جوڑوں وغیرہ کی صورت میں دیکھا۔ اُنھوں نے مواد کے مابین مشابہتوں اور اختلافات پر توجہ کی مختلف مدات کے مابین اُنھوں نے کھینچ تان کر معنی پیدا کیے اور اس طرح سے انھیں مربوط کیا مجموعے علایق اور معنی موثر یادداشت کی کنجیاں تھے۔ یہ تھی تاملی بیانات کی شہادت۔

میولر کے بعد کے اختبارات میں ایک موضوع ایک شخص ڈاکٹر ایکس نامی یونیورسٹی کے شعبۂ ریاضی کا پروفیسر تھا (کیوں کہ اُس نے اپنے حافظے کے مطالعے کو بیس یا تیس سال تک جاری رکھا تھا) ڈاکٹر ایکس حساب کا ایک حیرت انگیز عالم تھا، اور اعداد کے متعلق اُس کی یادداشت تعجب خیز تھی۔ اُس کے حافظے کا احاطہ بیحد تھا۔ اعداد کی نسبت حافظے کا احاطہ اس طویل ترین فہرست کو کہا جاتا ہے جس میں ایک درجے والے ہندسوں کو فہرست کے ایک بار سننے یا دیکھنے کے بعد صحیح طور پر دہرایا جا سکتا ہے۔ چھ عدد والی فہرست میں تو تمھیں کوئی دشواری نہ ہوگی مثلاً

۸۳۶۹۲۷

اس لیے اعداد کے متعلق تمھارے حافظے کا احاطہ کم از کم چھ ہوگا اس کے برعکس اگر تم اس فہرست کو

۴۹۸۳۶۰۲۷۵۹

کو صرف ایک بار پڑھو، اور پھر یاد سے اُس کے دُہرانے کی کوشش کرو تو تم مان جاؤ گے کہ یہ تقریباً تمھاری حد کے برابر ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے معمولی حد ۷، یا ۸ یا ۹ عدد تک ہے۔ لیکن اسی قسم کے امتحانوں میں ڈاکٹر ایکس نے چالیس سے پچاس اعداد تک کی فہرست کو ایک بار پڑھنے کے بعد سنا دیا، اور میولر نے نفسیاتی حیثیت سے

۱۳ اس بات کے دریافت کرنے کی کوشش کی کہ یہ کام کس طرح سے انجام پاتا ہے دوسرے مواد کے ساتھ جب معروضی امتحانات کیے گئے، تو یہ ثابت ہوا کہ ڈاکٹر ایکس کا حافظہ اعداد کے علاوہ اور کسی شے میں بھی غیر معمولی نہ تھا۔ تاملی بیانات سے پتا چلا، کہ وہ ہمیشہ اعداد کے مجموعے بنا لیتا ہے، اور انھیں پہلے تین درجے والے اعداد میں اور پھر چھ درجے والے اعداد میں محفوظ کر لیتا ہے۔ اب ہر تین درجے والا ہندسہ ڈاکٹر ایکس کے لیے ایک قدیم دوست کی مانند تھا۔ ان سب کا اُس نے مطالعہ کیا تھا۔ اور ان سب کی خصوصیات سے وہ واقف تھا۔ وہ ہزار تک تمام مفرد اعداد سے واقف تھا، وہ تمام مربعوں مکعبوں اور تمام دوسرے ایسے اعداد سے اچھی طرح سے بخوبی واقف تھا، جو دلچسپ حسابی خصوصیات رکھتے ہیں، ٹھیک اسی طرح سے جس طرح تم ۳۶۵ کے ہندسے کو سال کے ساتھ ائتلاف رکھنے کی بنا پر جانتے ہو۔ مثلاً ۷۳۸ کا ہندسہ چوں کہ ۹ کے مکعب سے صرف ۹ زیادہ ہے، اس لیے اُس کی طرف اس کی توجہ فوراً ہو جائے گی، اور جیسا کہ وہ کہتا ہے بلا شبہہ یہ فراموش نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر ایکس کی تاریخ بہت نتیجہ خیز تھی۔ بچپن میں اسے محلے کے مکانوں کے نمبروں پر غور کرنے کا شوق تھا۔ لڑکپن میں وہ اعداد سے کھیلتا تھا۔ اعداد ہی پر ہر وقت غور و فکر کرتا رہتا تھا، اور اُس نے بطور خود اُن کے بہت سے دلچسپ علائق کو دریافت کیا تھا۔ اس لیے بڑے ہو کر اس کے واسطے اعداد کی ایک فہرست کو یاد رکھنا اُس سے بہت مختلف عمل تھا، جیسا کہ یہ ہم میں سے اکثر کے لیے ہوگا۔ اور اس کے باوجود میولر نے دیکھا کہ اکثر اشخاص، یاد کرتے وقت، روابط مجموعوں اور معنی سے جو اُن کے پاس بنے بنائے تیار ہوتے ہیں کام لیتے ہیں۔ یاد کرنا سمجھنے کا ایک فعلی عمل ہے، اور انسانی اسفنج بھی انفعالی جاذب نہیں ہے۔ اس طرح سے میولر نے حافظے کے تاملی اور معروضی مطالعوں کو ترکیب دے کر نہایت ہی اہم نتائج حاصل کیے۔

تامل کے ذریعے کس طرح کے فکری

اعمال کا انکشاف ہوتا ہے

بجائے اس کے کہ ہم تامل کو نفسیات کا ایک قدیم اور ابتدائی طریقہ خیال کریں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں باقاعدہ تامل کے مبادی کو میولر اور اُس کے شاگردوں کے اس کام میں ماننا پڑے گا، جو اُنھوں نے تقریباً سنہ ۱۸۹۰ء میں شروع کیا تھا۔ ٹچنر نے جسے ۳۲
اس قسم کی ترقی سے ہمیشہ سے بہت دلچسپی تھی، اس طریقے کو اعمال مقابلہ کے مطالعے کے لیے تقریباً سنہ ۱۹۱۰ء میں بمقام کارنل اپنے تجربہ خانے میں داخل کیا۔ تقریباً اسی زمانے میں ایک اور بڑے نفسیاتی نے جس کے نام سے اور سلسلوں میں تم اچھی طرح سے واقف ہو، عمل فکر کا مطالعہ کرنے کی کوشش کرتے وقت خود بخود اسی عمل کو دریافت کرلیا۔ یہ نفسیاتی الیفریڈ بینے ساکن پیرس (سنہ ۱۸۵۷ء تا سنہ ۱۹۱۱ء) ہے۔ ابتدائی ایام میں بینے نے نفسیاتِ استدلال پر ایک کتاب لکھی تھی، اور یہ بالکل قدیم روش پر تھی، یعنی اس میں براہ راست مشاہدات کے حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی بلکہ اس عمل کا خاکہ مہیا کرنے کے لیے منطق اور نظریۂ ائتلاف پر بھروسا کیا گیا تھا۔ اس زمانے میں اُس کی رائے یہ تھی کہ استدلال تمثالات کا کھیل ہونا چاہیے، یا تمثالات کا ردوبدل۔ تقریباً سنہ ۱۹۰۰ء میں اُس نے اس معاملے پر پھر غور کرنا شروع کیا، لیکن اس دفعہ اُس نے اپنے نتائج کو ان حقیقی اعمالِ فکر پر مبنی کیا جو اُس کی دو لڑکیوں نے اس سے بیان کیے تھے جن میں سے ایک کی عمر تیرہ، اور دوسری کی چودہ سال تھی۔ وہ اُنھیں چھوٹے چھوٹے سوالات حل کرنے کے لیے دیا کرتا تھا، اور اُن سے پوچھا کرتا تھا، کہ حل کے دوران میں اُنھیں جو تجربے ہوتے ہیں، اُن کو بیان کریں۔ وہ اُن سے پوچھتا تھا، کہ تمھیں کیوں کر خیال آیا، کیا تم نے اُسے دیکھا تھا، یا خود سے اس کا نام کہا تھا۔ بعض اوقات اُس کے موضوعوں نے تمثالات کو بیان کیا، لیکن نہایت ہی کثرت کے ساتھ اُنھوں نے تمثالات کے وجود سے

انکار کیا، اور اس طرح سے بینے اپنے اس خیال کے ترک کرنے پر مجبور ہوا کہ فکر لازمی طور پر تمثالات کے ردّ و بدل پر مشتمل ہے۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فکر ایسی اصطلاحات میں جاری رہتا ہے، جن کے لیے اُسے خیالات یا افکار سے بہتر کوئی لفظ نہیں ملتا۔ ایک شے کے خیال کرنے میں تعیین جس شے کا تجربہ ہوتا ہے، وہ ٹھیک اُس شے کے خیال کرنے ہی کا ہوتا ہے۔ بعض اوقات تم اسے اپنے ذہن کی آنکھ سے دیکھتے ہو، کبھی تم اس کا نام لیتے ہو، لیکن اکثر اوقات تم اس کے متعلق صرف یہ کہہ سکتے ہو کہ تم اس کا خیال کر رہے ہو۔ اُسے خالص سلبی نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن کم از کم اُس نے قدیم خاکہ سازی کے عنکبوتی تاروں کو توڑ دیا۔

بینے سے علیحدہ لیکن غالباً میولر سے متاثر ہو کر جرمن نفسیاتیوں کی ایک جماعت
۲۳ نے تقریباً اسی زمانے میں اعمال فکر کا ایسا ہی مطالعہ شروع کیا۔ یہ جماعت کیولپے (۱۸۶۲ء۔ ۱۹۱۵ء) کے گرد جمع ہو گئی جو ونٹ کا شاگرد اور ڈیورس برگ اور بعد کو بون میں پروفیسر تھا۔ دس سال سے زاید اور جنگ عظیم کے زمانے تک اُس نے اور اُس کے شاگردوں نے اپنی کوششوں کو اس عام مسئلے پر صرف کیا۔

پہلے مار بے نے (پیدائش ۱۸۶۹ء۔ اور اب ڈیورس برگ میں کیولپے کا جانشین) عمل تصدیق کے بیان کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے تصدیق کی یہ تعریف کی، کہ تصدیق موضوع کا جواب ہوتا ہے جسے صحیح یا غلط کہا جا سکے۔ یعنی تصدیق ایک سوال کا صحیح یا غیر صحیح جواب ہوتا ہے عمل کی حیثیت سے تو تصدیق کی یہ نوعیت ہے۔ لیکن مار بے یہ دریافت کرنا چاہتا تھا، کہ تجربے کی حیثیت سے اس کی کیا نوعیت ہے۔ اس کے لیے اُس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلے وہ موضوع سے ایک سوال کرتا تھا، اور جب وہ جواب دے چکتا تھا، تو موضوع سے کہتا تھا، کہ اب اس تجربے کو بیان کرو جو جواب تک پہنچنے میں تمھیں ہوا ہے۔ وہ سادہ سوالات سے کام لیتا تھا، تاکہ عمل تصدیق تیز اور آسان ہو، جس کی نسبت اس کا خیال تھا کہ اس کا بیان کرنا آسان ہوگا۔ مگر اس سوال کے متعلق وہ سلبی نتیجے تک پہنچا۔ اکثر موضوع یہ بیان کرتے تھے، کہ جواب خود بخود مل جاتا ہے اور بیان کے لایق کوئی تجربہ ہوتا ہی نہیں، جب اُن کے پاس بیان کرنے کے لایق کوئی چیز ہوتی بھی تھی، تو مختلف صورتوں میں ان بیانات کے اندر اس قدر اختلاف ہوتا تھا کہ مار بے اس نتیجے پر

پہنچنے کے بعد مجبور ہو گیا کہ عمل تصدیق میں کوئی مخصوص تجربہ ہوتا ہی نہیں۔

لیکن اس اختبار سے ایک دلچسپ اور قطعی نتیجہ بھی حاصل ہوا۔ موضوعوں نے اکثر اپنے جواب کی تلاش کرتے یا اس کے قریب پہنچتے وقت تذبذب، شک، اعتماد کو بیان کیا تھا، اور جب انھوں نے ان تجربات کے رسمی مقولات یعنی حس تمثال و احساس کے ذریعے سے بیان کرنے کی کوشش کی تو انھیں ایسا کرنا محال معلوم ہوا۔ اس سے مارب نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس نے ایسا تجربہ دریافت کرلیا ہے، جو نفسیات میں نیا ہے جس کو اس نے شعوری روش کے پراثر نام سے موسوم کیا۔

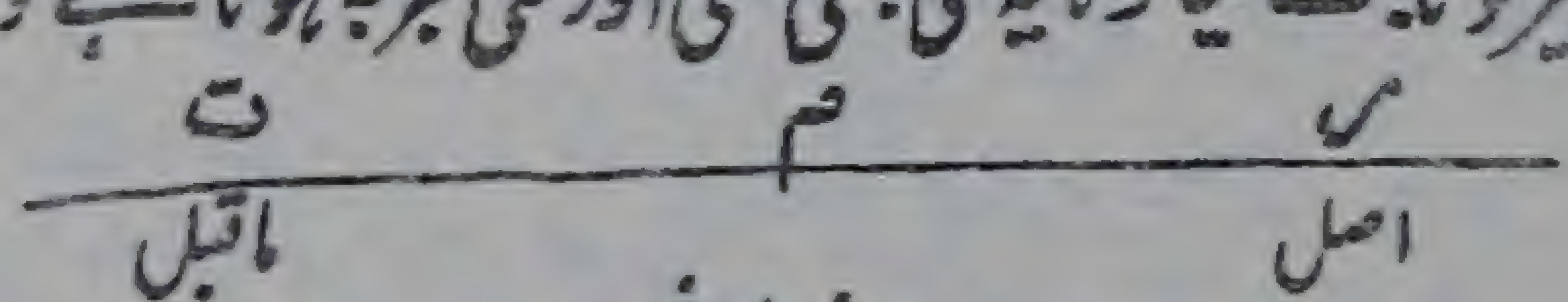
۴۴ جب مارب کے اختبار کو بیوہلر (پیدائش ۱۸۷۹ء اب وائنا میں پروفیسر) نے چند سال بعد دُہرایا، تو اس نے یہ فرق رکھا کہ سادہ سوالات کے بجائے موضوعوں سے چکرا دینے والے سوالات کیے گئے اس صورت میں بیان کے لیے بہت زیادہ تجربہ ملا۔ متعدد پیچیدہ اختبارات کے ذریعے سے بیوہلر نے مارب کی شعوری روشوں، اور بینے کے بے تمثال افکار کی کامل طور پر توثیق کی۔

کیولپے کے گروہ کے دوسرے ارکان میں سے میں دو کا اور ذکر کروں گا۔ یعنی آخ اور واٹ کا جنھوں نے زمان ردعمل کے اختبار پر نئے تمثالی طریقے کو استعمال کرکے کام کیا تھا، یعنی اپنے موضوعوں سے ہر ردعمل کے بعد یہ کہا تھا کہ اپنے تجربے کو بیان کریں۔ آخ (پیدائش ۱۸۷۱ء اور اب گوٹینگن میں میولر کا جانشین) نے سادہ ردعمل کا مطالعہ کیا، جو ایک معروف اختبار ہے، کیوں کہ ورزش جسمانی کے میدان میں پیدل دوڑ کے وقت، اس کی آزمایش ہوتی ہے۔ ایک اشارہ تیار رہنے کا ہوتا ہے، جس پر دوڑنے والے جست کے لیے تیار رہتے ہیں، اس کے بعد پستول کا فیر یا اور کوئی اشارہ ہوتا ہے جس پر وہ واقعتاً کم سے کم تاخیر کے ساتھ دوڑ پڑتے ہیں۔ تجربہ خانے میں معمولاً انگلی کی حرکت کل جسم کی جست کی جگہ لے لیتی ہے، مہیج روشنی یا آواز ہو سکتا ہے، اور جیسے ہی حقیقی آغاز ہو چکتا ہے، دوڑ ختم ہو جاتی ہے، کیوں کہ جس چیز کی پیمایش مقصود ہے، وہ صرف وہ وقفہ ہوتا ہے جو مہیج اور واقعی حرکت کے درمیان لگتا ہے۔ یہاں تک خالص معروضی اختبار ہے۔ لیکن نفسیاتیوں نے قدرتاً ان اعمال پر رائے زنی کی، جو مہیج اور ردعمل کے مابین ہوتے ہیں۔ ونٹ نے کہا تھا کہ وہ ظاہر ہے کہ پہلے ادراک مہیج ہوتا ہے اور پھر ارادہ حرکت۔ آخ نے

اپنے موضوعوں سے ردِّ عمل کے بعد ہی کہا کہ ردِّ عمل کرنے کے تجربے پر دوبارہ نظر ڈالیں اور بیان کریں۔ اس کے معطیات سے ظاہر ہوتا تھا، کہ ارادہ حرکت، کوشش یا جہاں تک ممکن ہو جلد حرکت کرنے کا عزم مہیج سے پہلے ہوتا ہے، اور مہیج کے لیے تیاری کرنے کا جزو ہے۔ اس تیاری کے ہونے پر مہیج ردِّ عمل کو خود پیدا کر دیتا ہے، یہاں تک کہ عموماً
خود وقفہ ردِّ عمل کے درمیان بیان کرنے کے لائق کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔ مہیج سے پہلے تیار ۳۵
رہنے کا تجربہ ہوتا ہے، اور ردِّ عمل کے بعد ممکن ہے مختلف قسم کے تجربے ہوں، لیکن خود زمانِ ردِّ عمل میں کوئی ایسا تجربہ نہیں ہوتا، جس کو شناخت اور متعین کیا جا سکے۔ یہی بات ہم اشارے پر دوڑنے والے کے متعلق بھی صحیح سمجھ سکتے ہیں۔ تیاری کے اشارے پر وہ بالکل آمادہ ہو جاتا ہے، اُس کا ارادہ پستول کے چلنے سے پہلے پوری طرح سے بیدار ہوتا ہے، اور اسے پستول کے چلنے کے بعد بیدار ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر کسی دوڑنے والے کا ارادہ پستول کے چلنے کے بعد بیدار ہو تو وہ روانہ ہونے کے وقت پیچھے رہ جائے گا۔

واٹ (۱۸۷۹ء تا ۱۹۲۵ء) کیولپے کے معمل میں ایک اسکاٹی طالب علم اور بعد کو گلاسگو میں پروفیسر) نے زیادہ پیچیدہ قسم کے ردِّ عمل کا مطالعہ کیا جسے ہم ائتلافی ردِّ عمل کہتے ہیں مہیج ایک لفظ ہوتا ہے، جو موضوع کو دکھایا جاتا ہے۔ اور ردِّ عمل ایک ایسا لفظ ہوتا ہے، جسے وہ کہتا ہے۔ مقررہ ائتلاف میں جس سے واٹ کام لیا کرتا تھا، ردِّ عمل کے لفظ کو مہیجی لفظ سے ایک متعین علاقہ رکھنے کی ضرورت تھی۔ یا تو یہ مہیجی لفظ کا مرادف ہوتا تھا، یا اس کی ضد ہوتا تھا۔ یا کُل شے کے نام کا جزو، یا جزو کا کُل یا اُس سے بلند یا ادنیٰ یا برابر کے طبقے کا نام۔ سادہ تیاری کے اشارے کے بجائے اختیار کرنے والا، موضوع کے سامنے اپنا کام یہ کہہ کر پیش کرتا تھا، ضد بیان کرو، جزو کا نام بتاؤ، اور تھوڑے سے وقفے کے بعد اختیار کرنے والا اصل مہیجی لفظ کو کہتا مثلاً شال یا مکان۔ موضوع کا ردِّ عمل مہیجی لفظ اور مقررہ کام دونوں کے تابع ہوتا ہے۔ اگر میں لفظ بلند کو بطور مہیج کے کہوں، تو تم اپنے ائتلاف کی اضافی کثرت قربت اور وضاحت کے اعتبار سے ہر جہت میں کود پڑنے کے لیے تیار ہو گے تم میں سے بعض ممکن ہے کہ بلند گیند کا خیال کریں، اگرچہ میرے خیال میں ایسا نہ ہوگا، بلند گرجا اس سے بہتر ہوگا، یا بلند روشنی یا بلند آسمان یا بلند پہاڑ یا بلند طیارہ۔ لیکن اگر میں نے ضد کو مخصوص کر کے تمھیں تیار کر دیا، تو تم سب بالاتامل پست جواب دوگے تیاری ایسی صورتوں میں نہایت موثر طریق پر

کام دیتی ہے۔
واٹ نے ایسے تجربے کی تلاش کی جو اس قسم کے ائتلافی ردوات عمل کے درمیان ٣٦
واقع ہوتا ہے، اور اُس نے ایک بار پھر یہ پایا کہ تیاری کے وقفے میں اصل ردِ عمل کے
زمانے میں زیادہ تجربہ بیان کیا جاتا ہے۔ جب موضوع اس قسم کے اختبار کے لیے نیا
ہوتا ہے، تو ایک لفظ کی ضد یا اس سے بلند تر طبقے کے نام کا بیان ایک خاص تجربہ
ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ مطلوبہ قسم کی امثلہ پر جلدی سے نظر ڈال جائے یا خود اس کا پتا
چلائے۔ اگر وہ لفظ مہیج کے آنے سے پہلے خود کو قرار واقعی طور پر تیار کرنے میں کامیاب
ہو جاتا ہے، اور اگر لفظ مہیج بہت مشکل نہ ہو، تو اُس کا ردّ عمل تقریباً از خود ہو گا۔ جیسے جیسے وہ
اس کام کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کی تیاری بھی زیادہ خودکار اور کمتر تجربہ رہ جاتی ہے۔
آخ اور واٹ ردّ عمل کے لیے تیاری کی اہمیت یعنی اہتمام تطابق ارتکاز وغیرہ پر
متفق ہیں۔ اگر ہم وقت کے گزرنے کو ایسے افقی خط سے ظاہر کریں جو بائیں سے داہنے رخ
کی طرف پھیلا ہوا ہے، اور اگر ہم اس خط پر ایک نقطہ ت لگائیں جو تیاری کے اشارے کی
علامت ہو، اور ایک لفظ م لگائیں جو مہیج کی علامت ہو اور ایک لفظ ر ردّ عمل کی علامت
ہو، تو ت۔م کا وقفہ ردّ عمل کا زمان ماقبل کہلائے گا، اور م۔ر کا وقفہ اصل زمانہ
کہلائے گا۔ زمان ماقبل تیاری کی مدت ہے، اور اصل زمانہ زمان تعمیل ہے۔ آخ اور
واٹ نے جس چیز کو ثابت کیا وہ یہ تھی جتنی سعی اور عملی تجربہ ہوتا ہے وہ زمان ماقبل ہی میں



ہوتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جتنا حقیقی کام ہوتا ہے وہ زمان ماقبل ہی میں
ہوتا ہے۔ ہم جسم کو بجائے غیر جانبدار انفعالی حالت میں ہونے کے ایسی حالت میں خیال
کر سکتے ہیں، جو خاص طور پر کسی شے کے لیے تیار ہو۔ اگرچہ مہیج جسم کو بعض اوقات ضرور
حیرت میں ڈال دیتے ہیں، اور اس کو غیر تیار حالت میں آ لیتے ہیں، لیکن اکثر ردوات عمل
تیاری کے بعد ہوتی ہیں، اور جسم صورت حال کے پہلے سے مطابق اور ایک معنی میں اس مہیج کا ٣٧
منتظر ہوتا ہے جس پر یہ ردعمل کرتا ہے۔ اہتمام مطابقت یا تیاری کا یہ واقعہ کردار کے سمجھنے میں
نہایت ہی اہم ہے۔ اس میں شک نہیں، کہ واقعات کی یہ قسم کیولپے کے گروہ کے محققین کا

ٹھوس اضافہ ہے۔

ان کے دوسرے انکشافات میں شعوری روشوں کو عام طور پر تجربے کا حقیقی واقعہ تسلیم کیا گیا ہے، اگرچہ عنصری واقعہ نہیں مانا جاتا مثلاً یہ بالکل ممکن ہے کہ احساس باروش تذبذب جسمانی احساس ہو، اور اسے اندازِ نشست عضلی دباؤ اور حرکت کی حسوں میں تحویل کیا جاسکتا ہو۔ بعد کے تاملی کام سے پتا چلا ہے کہ یہ صورت ہو سکتی ہے۔

کیولپے کے گروہ کا تیسرا بڑا انکشاف بے تمثال فکر ہے، اور اس پر سب سے زیادہ شک اور نکتہ چینی کی گئی ہے تجربے کے ایک سیدھے سادے واقعے کی حیثیت سے اس کی اکثر تصدیق ہوتی ہے محض ایک سلبی واقعے کی حیثیت سے اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ فکر تمثالات کے کھیل یا ردّ و بدل پر مشتمل نہیں ہے۔ جن چیزوں کا خیال ہوتا ہے وہ لازمی طور پر مصوّر یا موسوم نہیں ہوتیں، اور فکر صرف مبہم ترین تمثالوں سے کامل طور پر واضح اور متعین ہو سکتا ہے۔ لیکن جو لوگ فکر کے بے تمثال ہونے کے قایل تھے وہ اپنے نتایج کو محض سلبی یا ذہنی کیمیا کے اس نظام کی جو پہلے مسلّم تھا خفیف اصلاح ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان میں سے بعض کو اصرار تھا کہ ہم نے ایک نیا عنصر دریافت کر لیا ہے، یا اس سے بڑھ کر عناصر کی پوری ایک قسم یعنی عناصرِ فکر یا عناصرِ اضافت۔ اس قسم کے دعوے کا قدیم نظام کے حامیوں کا چونکا دینا یقینی تھا، اور اُنھوں نے نہایت شدت کے ساتھ یہ سوال اُٹھایا کہ آیا نیا تاملی طریقہ درست ہے، اور آیا یہ اس قدر اچھا ہے کہ اس کی تحقیقات کی بنا پر ایسے انتہا پسندانہ نتایج جایز قرار دیے جاسکیں۔ یہ بحث سنہ ۱۹۱۰ء کے قریب بہت زوروں پر تھی، اور اُس کو ہمعصر مذاہب میں سے چند کی ابتدا سے خاص تعلق ہے۔ بے تمثال فکر کے خلاف ردِعمل کر کے موجودیت نے متعین شکل اختیار کی، ۳۸
بہت سے وسطِ راہ میں چلنے والے شک میں مبتلا تھے، اور وہ تامل کو محض ایک بے قاعدہ قسم کا مشاہدہ ماننے کے لیے تیار تھے، جو صرف خاص حدود کے اندر اچھا ہے، مگر جس پر دقیق تحلیل کے لیے نہ تو اصرار کیا جاسکتا ہے اور نہ بھروسا۔ کرداریت والوں نے اس طرح سے ردِعمل کیا کہ اُنھوں نے تامل کو بالکل ہی مسترد کر دیا تشکیلی نفسیاتیوں کا یہ خیال تھا کہ دشواری اس کوشش میں ہے، جو تامل کے آلۂ تحلیل کے طور پر استعمال کرنے میں پیش آتی ہے۔ اس لیے اُن کی رائے میں ذہنی کیمیا

یعنی حسی اور فکری عناصر دونوں کو قطعاً ترک کر دینا چاہیے۔ بے تمثال فکر کی بحث نفسیاتی نظریے[1] میں راستوں کے جدا ہونے کا نقطہ تھا۔

تاملی نفسیات کا موجودیتی مذہب

میں نے ابھی کہا تھا کہ موجودیت کی ابتدا تقریباً ۱۹۱۰ء میں ہوئی، مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک معنی میں اس کو ونٹ ماخ اور ادینا ریس سے انیسویں صدی میں منسوب کیا جا سکتا ہے۔ نفسیات اور طبیعیات میں امتیاز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے، جو اس اعتبار سے مشابہ ہیں کہ دونوں ان حسی معطیات پر مبنی ہیں جو انسانی مشاہدوں کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں، یہ علما اس ضابطے تک پہنچ گئے کہ طبیعیات حسی تجربے کے خارجی حوالے سے بحث کرتی ہے۔ برخلاف اس کے نفسیات تجربے سے اس حیثیت سے بحث کرتی ہے، کہ یہ تجربہ کرنے والے فرد کا تجربہ ہے۔ ایک خاص ضابطہ یہ تھا، کہ طبیعیات تجربوں کو ایسے واقعات کی علامتیں سمجھتی ہے، جو خود ان سے ماورا ہوتے ہیں، اور نفسیات تجربات پر محض ان کی خاطر سے غور کرتی ہے۔ ایک ضابطہ یہ تھا کہ طبیعات تجربے میں آئے ہوئے واقعات کو ایک دوسرے سے مربوط کرتی ہے، برخلاف اس کے نفسیات ان کا تجربہ کرنے والے فرد سے تعلق قایم کرتی ہے۔ بہرحال نفسیات فرد کے تجربے کی حکمت تھی، اور چوں کہ حکمت کا اساسی مقصد بیان ہے۔ اس لیے نفسیات کا مقصد فرد کے

۱۔ خود میں نے اس قسم کے مطالعے کیولپے کے گروہ سے علیحدہ مگر تقریباً اسی زمانے میں کیے ہیں اور میں اسی نتیجے تک پہنچا ہوں۔ مجھے بے تمثال فکر کی شہادت ملی ہے، اور ہمیشہ اس بات کا یقین رہا ہے، کہ یہ واقعہ ہے، اگرچہ اب میں تشکیل نفسیاتیوں کی اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ فکری عنصر کا ذکر کرنے سے کوئی مفید مقصد حاصل نہیں ہوا۔ میرے نزدیک بے تمثال فکر کا تصور فنا نہیں ہوا، بلکہ فی الحال دب گیا ہے۔ مجھے یہ فکر کی حرکیات کے لیے بھی اسی قدر ضروری معلوم ہوتا ہے جتنا کہ تجربہ فکر کے بیان کے لیے۔

تجربے کو بیان کرنا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ تجربے کی تحلیل کرے، تجربات کا باہم مقابلہ اور اصطفاف کرے اور ان کو ایک منظم صورت میں ترتیب دے۔ تجربات کا مطالعہ موجود اشیا یعنی ایسے واقعات کے طور پر قرار پایا جو بطور خود بیان تحلیل اور اصطفاف کے مستحق ہیں۔ بالفاظ دیگر موجودیتی نفسیات کو فرد سے تجربہ کرنے والے کی حیثیت سے دلچسپی تھی، نہ کہ عامل کی حیثیت سے۔ اس کے تجربات سے نفسیاتی کو اس لیے دلچسپی نہ تھی کہ ان سے اس کے اعمال پر روشنی پڑتی ہے (جس طرح سے میولر نے تاملی معطیات کو حفظ کرنے کے عمل پر روشنی ڈالنے کے لیے استعمال کیا تھا) بلکہ مطالعے کے ضروری موضوع کی حیثیت سے دلچسپی تھی۔ نفسیات کا اصل طریقہ طریق ارتسام تھا، جس سے فرد کے ابتدائی اور عنصری تجربات ظاہر ہوتے معلوم ہوتے تھے۔ بلکہ تاملی طریقے پر اس امید میں نظر ڈالی گئی، کہ اس سے زیادہ پیچیدہ تجربوں کے بیانات ملیں گے سوال صرف یہ تھا کہ آیا تجربات کی حقیقی تصویر پیش کرنے کے لیے تامل پر بھروسا کیا جاسکتا ہے۔

رسمی اعتبار سے تو اس موجودیتی نفسیات کی اُنیسویں صدی میں تعریف کردی گئی تھی، لیکن عمل میں ایک باقاعدہ نظام عمل کی حیثیت سے اس کی ابتدا کیولپے کے گروہ کے کام، اور اس کام پر ٹچنر اور دوسرے محققین کی ردعمل سے ہوئی ہے۔ ونٹ اگرچہ مسلمہ طور پر تاملی نفسیاتی تھا، لیکن وہ تامل کی اس صورت کو پسند نہ کرتا تھا، جو اُس نے کیولپے کے عمل میں اختیار کرلی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ یہ حکمی نہیں یا کم از کم حکمی مشاہدے کے معیاری نمونوں کے برابر رکھنے کے قابل نہیں ہے۔ معیاری حکمی مشاہد اس خاص واقعے کے لیے جس کا اُسے مشاہدہ کرنا ہوتا ہے، بالکل تیار ہوتا ہے۔ اس کی
۴۰ آنکھ ٹھیک وہ لمحہ دیکھنے کے لیے جب سیارہ خط شعری کو عبور کرتا ہے دوربین پر جمی ہوئی ہوتی ہے۔ حکمت اتفاقی مشاہدات پر بھروسا نہیں کرتی جیسے نفسیات نے ناقابل اعتبار ثابت کردیا ہے۔ طریق ارتسام حکمی مشاہدے کے ہم پلہ ہے، کیوں کہ موضوع کی توجہ پہلے سے ٹھیک اس امر کی طرف مبذول رہتی ہے، جس کا مشاہدہ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن فکری اختیارات میں تم پہلے سے یہ نہیں بتا سکتے کہ تمھیں کس چیز کو دیکھنا ہے، کیوں کہ یہ عمل بہت ہی متغیر اور ناقابلِ پیشین گوئی ہوتا ہے۔ تم یہ نہیں بتا سکتے کہ فکر کس طرف جست کرے گا۔ تم اپنے موضوع کے سامنے یہ یاد کرنے کا مسئلہ کہ کلکتہ کہاں ہے، بہت

اچھی طرح سے نہیں لا سکتے، اور اس سے پہلے سے یہ نہیں پوچھ سکتے کہ مہربانی کر کے اس امر پر غور کرو کہ آیا تمھیں اپنے جواب کی تلاش کرتے ہوئے، ہندوستان کے نقشے کی تمثال دکھائی دے رہی ہے یا نہیں۔ اسی بنا پر تم مشاہدے کا اعادہ نہیں کر سکتے کیوں کہ عملِ فکر کا اعادہ نہیں ہو سکتا۔ مفکر ایسے جواب کو تلاش نہیں کر سکتا، جو پہلے سے اس کے ذہن میں موجود ہو۔ ونٹ نے یہ نتیجہ نکالا کہ تجربہ خانے میں فکر کے تاملی مطالعے سے حکمی نتائج کی بہت کم امید ہے۔ دشواری دراصل یہ ہوتی ہے کہ طریق ارتسام میں اکثر حکمی مشاہدوں کی طرح سے مشاہدہ کرنے والے کو مشاہدے کا صرف ایک کام ہوتا ہے لیکن تامل میں اس کا کام دگنا ہوتا ہے کیوں کہ اس کو سوچنا، حکم لگانا، یاد کرنا پڑتا ہے اور پھر اس عمل کے دوران میں مڑ کر اپنے تجربے کا مشاہدہ کرنا ہوتا ہے۔ کسی شے پر تامل کرنے کے لیے اُسے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اس تنقید پر بیوہلر نے یہ جواب دیا، کہ عملاً موضوع کو کوئی دشواری معلوم نہیں ہوتی، اور مختلف موضوعوں کے مشاہدات میں اس حد تک اتفاق ہے کہ ایک حد تک بھروسا کیا جا سکتا ہے۔

ٹچنر (۱۸۶۷ء تا ۱۹۲۷ء) ونٹ کا شاگرد اور اس کا امریکا میں سب سے بڑا شارح تھا۔ یہ بہت سرگرم تاملی تھا، اور اس لیے اُسے نفسیات میں تامل کے استعمال کو وسعت دینے کی ہر کوشش سے بہت امید ہوتی تھی۔ لیکن وہ بے تمثال فکر کو تسلیم نہ کر سکا اور اس طریقے کی جسے تجربے کے بیان کرنے کا طریقہ کہتے ہیں، کسی اہم دشواری کی طرف اشارہ نہ کر سکا۔ جب ایک شخص یہ بیان کر رہا ہو کہ ایک مسئلے کے حل کرنے کے دوران میں، اس کے ذہن میں کیا گزرا ہے، تو وہ اس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے "اس وقت ۱۴ مجھے فلاں شے کا خیال تھا"، "اس وقت مجھے فلاں شے یاد آئی"، "صورت یہ تھی"۔ ٹچنر نے اس بات پر زور دیا کہ ایک شخص جو کچھ خیال کر رہا ہو اُس کا بتانا خیال کرتے وقت اپنے تجربے کے بیان کرنے کے مرادف نہیں ہے۔ معمولی زندگی میں ہم معروضات اور معروضی حالتوں کے متعلق زبان سے کام لیتے ہیں، نہ کہ اپنے احساسات، خیالات اور تجربات کو بیان کرتے ہیں۔ ہم اوپر کی طرف دیکھتے ہیں، اور کہتے ہیں "مجھے اب یہ صداقت ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے" اور یہ نہیں کہتے کہ "میرا بصری ساحت زیادہ تر خاکستری رنگ کا ہے، صرف اس میں کہیں کہیں نیلے دھبے ہیں"۔ معروضات کی طرف اشارہ کرنے کی

ہماری عادت اس قدر راسخ ہوتی ہے کہ ہم کو یک تاملی اختبار میں اپنے تجربات کو بیان کرتے وقت اس کو آسانی کے ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ ہماری لسانی عادتیں ہمیں بیان کی اس غلطی میں مبتلا کر دیتی ہیں، جسے معروضی حوالے کی غلطی کہا جا سکتا ہے۔ ہم وہ چیز بیان کرتے ہیں جس سے ہمارے خیالات متعلق ہوتے ہیں، نہ کہ خیالات کے مافیہ کو۔ خارجی حوالے کی یہ غلطی تقریباً ویسی ہی ہے جس کو ٹچنر نے مہیج کی غلطی کہا تھا، اور جو طریق ارتسام کے سادہ اختبارات میں ہوتی ہے۔ فرض کرو کہ تم وزن اٹھا رہے ہو، اور ایک وزن کے متعلق تم کہو "یہ بھاری محسوس ہو رہا ہے"۔ یا فرض کرو کہ تم بوئیں سونگھ رہے ہو، اور ایک کے متعلق تم کہو کہ "یہ پیپرمنٹ کی بو ہونی چاہیے"۔ ایسی حالت میں تم ایسے معروضات کا ذکر کر رہے ہو، جن کے موجود ہونے کا گمان ہے لیکن تم اس خاص تجربے کو بیان نہیں کر رہے ہو، جو تمھیں ان سے ہو رہا ہے۔ خارجی حوالے کی اس غلطی سے بچنے کا صرف ایک طریقہ ہے، اور وہ ایک پکے تاملی کے ماتحت مدت تک تربیت پانا ہے۔ تاملی اختبار میں مناسب موضوع صرف نہایت ہی اعلیٰ درجے کی تربیت پایا ہوا مشاہد ہوتا ہے اور درحقیقت بہت کم مشاہدے ایسے ہیں، جن کے بیانات (جو تاملیوں کی تحریرات میں شایع ہوتے ہیں) ٹچنر کے تجربے کے حقیقی بیان کے معیار تک پہنچتے ہیں۔

یہاں ہمیں اس بات پر غور کر لینا چاہیے، کہ معمولی تاملات جو ہم میں سے ہر شخص کر سکتا ہے، مثلاً "اس بات نے مجھے وہ بات یاد دلا دی، جو مطلوبہ جواب کی طرف رہبر ہوئی" اگر تجربے کی دقیق تحلیل میں مفید نہ بھی ہوں تو بھی عمل فکر کے طریق کا کچھ نہ کچھ ضرور پتا دیتے ہیں۔ یہ اگر خیال کرنے کے تجربے کی تحلیل میں معاون نہیں ہوتے تو خیال کرنے کے عمل کا مطالعہ کرنے میں ضرور مفید ہوتے ہیں۔ یہ بات عجیب ہے، کہ تامل نفسیات عمل کے لیے بہ نسبت نفسیاتِ تجربہ کے زیادہ مفید ثابت ہوا ہے۔ موجودیتی نفسیات جس کا ٹچنر حامی ہے، عمل کی پروا نہیں کرتی، بلکہ صرف تجربے کو اہم سمجھتی ہے۔ عمل کے مطالعے کی اہمیت سے انکار کیے بغیر یہ اس مطالعے کو اس خیال سے، دوسروں کے لیے چھوڑ دیتی ہے، کہ خالص نفسیات کی ترقی اس امر پر ۴۷

مبنی ہے، کہ اس کی توجہ کو تجربے کے بیان تک محدود رکھا جائے۔ موجودیتی نفسیات معانی اور قیمتوں اور اس تجربے کے علاوہ جسے بیان کرتا ہے تمام باتوں کے بھول جانے کی کوشش کرتی ہے۔ تچنر کے خیال میں موجودیتی نفسیات ہی ایسی نفسیات ہے جو خالص حکمت کی حیثیت سے طبیعیات اور حیاتیات کے ہم پلہ ہو سکتی ہے، جو اپنے اپنے میدانوں میں سب سے پہلے یہ دیکھنے سے بحث رکھتی ہیں کہ اُن میں ہے کیا۔

موجودیتی نفسیات فی الحال ایک نصب العین یا تحقیق کا نظام العمل ہے اور علم کا مرتب مجموعہ نہیں ہے۔ اس میں طریق ارتسام کے نتایج ہیں، مگر اس لحاظ سے نہیں کہ یہ حواس یا حس کے آلات پر روشنی ڈالتے ہیں، بلکہ محض تجربے کی ابتدائی قسموں کی حیثیت سے ہیں۔ یہ حس سے ابتدا کرتی ہے، اور اُن حسی عناصر کا پتا چلانے کی کوشش کرتی ہے، جو مرکب مجموعی تجربوں کے اندر ہوتے ہیں۔ اگر اس کے بعض مباحث کسی حد تک مخفی معلوم ہوں، تو موجودیتی اس کا یہ جواب دیتے ہیں، کہ یہی بات طبیعیات یا اور کسی علم کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے جو فطرت کے حقیقی واقعات کے قریب پہنچنے کے لیے روزمرہ کے معانی اور عملی قیمتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ لیکن لیکن سب سے زیادہ حق پرست موجودیتی کے لیے بھی فرد سے بحیثیت عامل کے علیحدہ رہنے کا دعویٰ کرنا، کسی حد تک کھینچ تان معلوم ہوتی ہے۔ اُسے یہ اعتراف کر کے، کہ نفسیات کُل اُس کی قریب ترین ہمسایہ یا کم از کم نہایت ہی قریبی تعلق رکھنے والا علم ہے، ایک گونہ اطمینان ۴۴
ہوتا ہے۔ اس لیے اگرچہ کرداریتی موجودیتی نفسیات کو بالکل نہیں مانتا، اور نہ ایک لمحے کے لیے اُس کے حقیقی حکمت ہونے کے دعوے کو تسلیم کرتا ہے، موجودیتی نظریۂ کردار کے متعلق اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتا، کہ یہ نفسیات نہیں بلکہ عضویات کا ایک ٹکڑا ہے۔

باب ۳

کرداریت

اگر ہم اپنے کرداریت کے مطالعے کو جان بی واٹسن تک مرکوز رکھیں، اور اس کے مقدمات کو اس وقت تک نظر انداز کریں، جب تک ہمارے یہ بات اچھی طرح سے سمجھ میں نہ آجائے، کہ اس نئی اصطلاح سے، جس کو اُس نے رواج دیا تھا، اُس کی کیا مراد تھی تو مناسب ہوگا۔ ازروئے تعریف کرداریت وہ نظریہ ہونا چاہیے، جس کی وہ تعلیم دیتا ہے (یا جو کچھ وہ تعلیم دیتا ہے۔ اُس کے ضروری امور) اور دوسرے نفسیاتی صرف اس حد تک کرداریت کے حامی کہلائیں گے، جس حد تک وہ اُس کے ساتھ متفق ہیں، چوں کہ ہر نفسیاتی کسی نہ کسی حد تک آزادئ فکر کا مدعی ہوتا ہے اس لیے خالص اور غیر مشروط حامیان کرداریت کی تعداد محدود ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے بھی بہت سے ہیں، جو واٹسن کی بڑی حد تک پیروی کرتے ہیں، اور ایسے بھی بہت سے ہیں، جن کے خیالات بڑی حد تک اس سے متاثر ہوئے ہیں۔ علاوہ بریں کرداریت نفسیات کی حدود سے باہر عمرانیات اور دوسرے علوم میں بھی پھیل گئی ہے، اور یہ بعض اوقات تقریباً مذہب یا تحریک عوام کے مشابہ معلوم ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے، کہ محض نفسیاتی کو اس امر کے جاننے کا کوئی خاص دعویٰ نہیں ہے کہ کرداریت اپنی تمام تفصیلات

کے ساتھ کیا ہے۔

واٹسن کی کرداریت

واٹسن ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوا، اور اُس نے اپنی نفسیاتی زندگی جامعہ شکاگو میں شروع
کی، اور اس سلسلے کو جان ہاپکنس کے یہاں جاری رکھا، اور نہایت تندہی کے ساتھ پہلے حیوانی
اور بعد کو طفلی نفسیات پر محنت کی۔ نفسیات کے موجودہ نظام کے خلاف بغاوت کی
آگ اُس کے اندر ایک عرصے سے سلگ رہی تھی اور وہ کہتا ہے کہ ۱۹۱۲ء میں کرداریت
کے حامی اس نتیجے تک پہنچے کہ آیندہ وہ ایسی چیزوں کی بحث سے مطمئن نہیں ہو سکتے، جن کو چھونا ۴۵
اور جن تک پہنچنا ممکن نہ ہو۔ اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ یا نفسیات کو چھوڑ دیں، اور یا اُسے ایک
علم طبیعی بنا دیں۔ وُنٹ اور دوسرے اختیاریوں نے نفسیات کو حکمت بنانے کے لیے
جو کچھ کیا تھا، وہ واٹسن کی نظر میں قرون وسطیٰ کے لفظ روح کے بجائے لفظ شعور کے استعمال
کرنے سے زیادہ نہ تھا۔ یعنی یہ ایک ناقابل مس شے کے بجائے دوسری کا استعمال کرنا۔ اپنی
کتاب میں جس کا نام کردار اور عنوان تقابلی نفسیات کا مقدمہ ہے اور جو ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی ہے
واٹسن اپنے مقصد کی مندرجۂ ذیل تعریف کرتا ہے۔

"نفسیات کرداریتی کی نظر میں علم طبیعی کی خالص معروضی اختیاری شاخ ہے۔ اس کا
نظری منتہیٰ کردار کی پیشین گوئی اور اس کا ضبط ہے۔ تامل اس کے طریقے کا کوئی لازمی جزو نہیں
ہے اور نہ اُس کے معطیات کی حکمی قدر و قیمت کا انحصار اس امر پر ہے کہ اُن کی ترجمانی شعوری
اصطلاحات میں ہو سکتی ہے...... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت آگیا ہے جب نفسیات کو شعور کے
ہر قسم کے حوالے سے دست کش ہو جانا چاہیے اب اسے یہ خیال کر کے خود کو گمراہ نہ کرنا چاہیے کہ یہ
ذہنی حالتوں کو معروض مشاہدہ بنا رہی ہے.... ایسی نفسیات لکھنی ممکن ہے جس کی تعریف
بالفاظ پلسبری حکمت کردار کے الفاظ سے کی جا سکتی ہو، اور جس میں قدیم تعریف کی طرف کبھی لوٹنے
کی ضرورت نہ ہو جس میں کبھی شعور ذہنی حالتوں ذہنی مافیہ ارادے مخیلہ اور اس قسم کی اصطلاحوں کا
استعمال نہ کرنا پڑے۔..... یہ کام مہیج اور رد عمل، قیام عادت، عادت ائتلاف کی اصطلاحات میں کیا جا سکتا ہے۔
زیادہ تر ایسے تمام کاموں میں خواہش یہ ہوتی ہے کہ جسمانی تطابقات اور ان مہیجوں کا علم ہو جائے
جو ان کا باعث ہوں۔ اس کا باعث ان عام اور خاص طریقوں کے علم کا حصول ہے جن سے کردار کو

قابو میں رکھا جائے..... اگر نفسیات اس تجویز پر عمل کرے جس کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے تو معلم
طبیب، مقنن اور تاجر معطیات سے ان کے اختیاری طور حاصل ہونے کے بعد ہی عملی کام لے
سکتے ہیں۔ جن لوگوں کو نفسیاتی اصول کے عملی طور پر استعمال کرنے کا موقع ملتا ہے انھیں اس طرح
سے شکایت کرنے کی ضرورت نہ ہوگی جس طرح سے وہ اب کرتے ہیں۔

جو چیز ہم کو اس امر کی امید دلاتی ہے کہ نظریۂ کردار کے حامی اپنی مدافعت کر سکتے ہیں
وہ یہ واقعہ ہے کہ نفسیات کے وہ شعبے جو ایک حد تک ماں یعنی اختیاری نفسیات سے جدا
۴۶ ہو چکے ہیں، جو اس اعتبار سے تامل کے اتنے تابع نہیں ہیں، آج سب سے زیادہ اچھی حالت
میں ہیں۔ اختیاری تدریسیات نفسیات، منشیات، نفسیات اشتہار، نفسیات قانون، نفسیات امتحانات،
نفسیات امراض یہ سب کے سب نہایت ہی قوی شعبے ہیں..... ان مطالعوں میں اگر کوئی نقص
ہے تو یہ ہے کہ ان کے مواد کا بہت کچھ حصہ ابھی تامل کی اصطلاحات میں بیان کیا جاتا ہے،
حالانکہ معروضی نتائج کی صورت میں بیان کہیں زیادہ قابل قدر ہوتا..... اگر یہ ہو جائے تو
انسان پر جو کام کیا جاتا ہے اس کا براہ راست اس کام سے مقابلہ ہو سکے گا جو حیوانات پر کیا جا رہا ہے۔"

تم مذکورۂ بالا اقتباس سے اس بات کو سمجھ گئے ہو گے کہ کرداریت اس طرح سے
بنی بنائی تیار ظہور میں نہیں آئی ہے جس طرح منروا جو کے سر سے پیدا ہوا تھا، بلکہ اس کا نفسیات کے
بطن میں نشو و نما ہوا ہے۔ یا اگر دوسرے استعارے سے کام لیں، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سنہ ۱۲ء سے
سنہ ۱۴ء تک نظریۂ کردار کے ظہور کے اسباب پیشین اور اسباب محرک رہے ہیں، ایسے ہی اسباب
جیسے کہ جنونیات کا ماہر جنون کے حملے کی بنا کا پتا چلاتے وقت معلوم کرتا ہے۔ اسباب پیشین
مطالعۂ کردار کے متعلق معروضی طریقوں کی وہ تحقیقات ہے، جو عرصے سے ہو رہی تھی اور جس کی
تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اسباب محرک اس معروضی نفسیات کی مسلمہ تعریف کے تحت مبہم
حیثیت تھی۔ نیز وہ اعتراضات اور اسی قسم کے دوسرے برہم کرنے والے امور تھے جو تاملی ان پر
کرتے تھے، اور جن سے حیوانی نفسیاتی، امتحانی نفسیاتی، عملی نفسیاتی کو سابقہ رہتا تھا، کیوں کہ ان کا تعلق
تجربے سے نہیں بلکہ عمل سے تھا۔ ہم نظریۂ کردار کے مظہر کو اس صورت میں زیادہ اچھی طرح سے سمجھ سکیں گے،
اگر خود کو سنہ ۱۲ء سے ذرا اور پیچھے لے جائیں اور اس تیاری کو دیکھیں جو اس کے ظہور کے لیے کی جا رہی تھی۔

نفسیات کی تعریف میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ صحیح معنی میں حکمت شعور ہے۔ امریکی نفسیاتیوں
نے "صحیح معنی میں" اس تعریف کو کبھی قبول نہیں کیا، اگرچہ رسمی طور پر انھوں نے اس تعریف کو مان لیا تھا،

مگر عملی طور پر انھیں قدیم تر تعریف سے لگاؤ باقی تھا، اور اب تک اعمال ذہن یعنی فرد کے اعمال و وظائف سے دلچسپی تھی نہ کہ محض اس کے تجربات سے۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے قریب امریکی نفسیات کے تین صدر تھے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کا پروفیسر ولیم جیمس ییل یونیورسٹی کا پروفیسر جارج ٹرمبل لاڈ، کلارک یونیورسٹی کا پروفیسر جی اسٹینلی ہال۔ لاڈ ذہنی زندگی کی عضویاتی میکانیت پر لکھتا تھا، ہال بچے اور نسل کے اندر تدریجی ترقی پر، اور جیمس اس وقت کی جدید وظایفی نفسیات کا باوا آدم خیال کیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں وظایفی اور ساختی نفسیات میں بحث کا میدان گرم تھا۔ ان میں آخر الذکر تو شعور کے بیان و تحلیل کو مقصد اصلی قرار دیتی تھی اور اول الذکر یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ فرد کی زندگی میں شعور کیا کام انجام دیتا ہے۔ وظایفی نفسیات اس امر کے دریافت کرنے کی کوشش کرتی تھی کہ ادراک حسی تمثالات ذہنی جذبے اور فکر سے جسم کی کون کونسی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ ارتقائی نقطۂ نظر کو اختیار کر کے یہ اس امر کا پتا چلانے کی کوشش کرتی تھی کہ نسل کی ترقی کی کس نوبت پر ہر ذہنی عمل کی ضرورت اس قدر شدید ہو جاتی ہے کہ اس خاص عمل کا ظہور ہو جاتا ہے۔ عام طور پر بلند تر ذہنی اعمال کی نسبت یہ خیال تھا کہ یہ ماحول کے اوپر وسیع تر اور نسبتہً زیادہ لچکدار قابو رکھنے کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ اس طرح سے وظایفی نفسیات کا مقصد یہ تھا، کہ نفسیات کو حیاتی حکمت کے عام میدان میں ایک جگہ مل جائے۔ ٤٧

وظایفی نفسیات جامعہ شکاگو میں جان ڈیوی (پیدائش ۱۸۵۹ء) اور جے آر اینجل پیدائش ۱۸۶۹ء) جو جیمس[1] کا شاگرد تھا خاص طور پر قوی اور جدت پسند تھی۔ اور واٹسن کو شکاگو میں اسی قسم کی نفسیات کی تربیت ملی تھی لیکن واٹسن کو یہ صرف ادھوری اور نفسیات ساخت اور صحیح حیاتیاتی حکمت کے مابین ایک بے معنی مصالحت معلوم ہوتی تھی۔ وہ کہتا ہے[2]

"گزشتہ پندرہ سال میں اس نفسیات کا نشوونما ہوا ہے، جسے وظایفی کہتے ہیں.... ایسے ایسے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے، جو بظاہر شعوری اعمال کی حیاتیاتی اہمیت پر زور دیتے ہیں نہ کہ شعوری حالتوں کی ایسی تحلیل پر جس سے ایسے عناصر کا پتا چلتا ہو جو از روئے تامل علٰحدہ علٰحدہ ہو سکتے ہوں۔ وظایفی نفسیات ٤٨ اور نفسیات ساخت میں جو فرق ہے، اور جس حد تک وظایفیوں نے بیان کیا ہے وہ ناقابل فہم ہے۔ حس، ادراک، تاثر، جذبے، ارادے وغیرہ کی اصطلاحیں وظایفی بھی اسی طرح سے استعمال کرتے ہیں جس طرح نفسیات ساخت والے۔"

---

[1] وظایفی نقطۂ نظر کی اینجل کی نفسیات An Introductory Study of the Structure and Function of Human consciousness. مطبوعہ ہنری ہولٹ کمپنی سنہ ۱۹۰۹ء خوب نمایندگی کرتی ہے۔ [2] فلیت (ہنری ہولٹ اینڈ کو، سنہ ۱۹۱۴ء) صفحہ ۸۔

نفسیات کی تعریف پر نظر ثانی کرتے اور اسے حیاتیات کی صف میں لا کھڑا کر دینے کی وظایفیہ کی اس کوشش کے علاوہ معروضی اختیاری کام کی ایک بڑی مقدار ان لوگوں نے انجام دی تھی جنھیں اس چیز سے دلچسپی تھی جسے میں نے نفسیات عمل کے نام سے موسوم کیا ہے۔ واٹسن پہلے اقتباس میں اس کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتا ہے، جب وہ اختیاری تدریسیات اور نفسیات امتحانات وغیرہ کا ذکر کرتا ہے۔ وہ اپنے بیان سے یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ یہ تمام کام بہت ہی قریبی زمانے کا ہے، اور ایک حد تک تامل سے خراب ہو رہا ہے۔ کامل طور پر معروضی اور تامل سے بری امتحانات ابتداً کالٹن نے تقریباً ۱۸۸۰ء میں شروع کیے تھے۔ سیکھنے کے عمل کا معروضی مطالعہ انیسویں صدی کے آخری دہے میں زوروں پر تھا اور اس کی ابتدا ۱۸۸۵ء میں ایبنگ ہاؤس کے حافظے کے مشہور مطالعے سے ہوتی ہے، جو خالص معروضی مطالعہ ہے لیکن گالٹن اور ایبنگ ہاؤس تک بھی معروضی نفسیات کے بانی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں کیوں کہ ان سے بھی پہلے ہم زمان ردعمل کے متعلق خالص معروضی کام کی ابتدا میں پاتے ہیں۔ طریق ارتسام کے مطابق ادراک حسی پر جو کام ہوا ہے، اس کا بہت سا حصہ فرد کے مشاہدے کی صحت کا معروضی مطالعہ کہا جا سکتا ہے۔ اس طرح سے معروضی مطالعہ اختیاری نفسیات کے شروع سے رائج تھا اور اس طریق سے جو تحقیق ہوئی ہے اس کی مقدار ۱۹۰۰ء یا ۱۹۱۲ء تک درحقیقت بہت زیادہ ہو چکی تھی۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ عملاً نفسیات تجربے کے مطالعے تک محدود نہ تھی عمل کا مطالعہ پورے زور پر تھا اور وہ نفسیاتی بھی جو میولر اور کیولپے کی طرح سے تامل سے بہت زیادہ کام لیتے تھے، اسے زیادہ تر اس لیے استعمال کرتے تھے، کہ اس سے عمل پر روشنی پڑتی تھی

نفسیات کی معروضی تعریف کی جانب قبل کرداریتی رجحان

۴۹

نفسیات عمل اگرچہ تجربہ خانوں میں تو بہت زوروں پر تھی مگر تعریف کی صورت میں اس کا اظہار جہاں تک میں جانتا ہوں کیٹل کی سینٹ لوئی والی تقریر سے پہلے نہ ہوا تھا جو ۱۹۰۴ء میں ہوئی تھی۔ کیٹل (پیدائش ۱۸۶۰ء) اسٹینلی ہال کا شاگرد تھا، مگر ونٹ سے بھی اس کو شاگردی کی نسبت ہے جس کے معمل میں اس نے کئی سال کام کیا، اور بعد کو گالٹن کے ساتھ کام کرتا رہا اور اسے فرد کے عمل کی پیمائش کے امتحانات کا بہت شوق ہو گیا، جن کو وہ تا بہ امکان تمام جہتوں میں کرنا چاہتا تھا۔ کیٹل نے پنسلوینیا اور کولمبیا میں نفسیاتی تجربہ خانے قائم کیے۔ ۱۹۰۴ء میں سینٹ لوئی میں عالمی میلہ ہوا تھا، اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ تمام علوم و فنون کی ایک مجلس ہوئی تھی اور علم کے ہر شعبے کی ایک مسلم الثبوت استاد

نمایندگی کر رہا تھا، اور اُس نے اپنے موضوع کی تعریف کا بیڑا اٹھایا تھا۔ کیٹل کے سپرد نفسیات کی تعریف تھی۔ میں اس کی تقریر سے کچھ اقتباس درج کرتا ہوں۔

"ہمیں اپنی ابتدائی درسی کتابوں میں بتایا جاتا ہے کہ نفسیات ذہن کا علم ہے اور ذہن و مادہ دنیا میں سب سے مختلف چیزیں ہیں۔ ذہن و مادے کا امتیاز ایسے فلسفے کے آخری الفاظ ہیں جس کا ہنوز وجود ہی نہیں ہے چہ جائے کہ یہ روزمرہ کے تجربے کا ایسا اصول موضوعہ ہو جس پر ابتدائی تعریفیں مبنی ہو سکیں......

علاوہ بریں مجھے اس بات پر یقین نہیں ہے، کہ نفسیات کو جس حد تک عالم طبیعی سے ممیز کیا جا سکتا ہے محض شعور کے مطالعے تک محدود رہنا چاہیے............ میں ہر بارٹی مذہب کی پیداوار اور لاک سے لے کر وارڈ تک تاملی تحلیل کی روز افزوں باریکی کی داد دیتا ہوں، جدید نفسیات میں یہ سب باتیں ایک اہم باب ہیں، لیکن جب اس معروضی اختیاری کام سے مقابلہ کیا جاتا ہے، جو گزشتہ پچاس سال میں انجام پایا ہے، تو قطعی حکمی نتائج مقدار میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ تاملی تحلیل اور معروضی اختبار میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کے برعکس ان میں ہمیشہ اتحاد عمل ہونا چاہیے اور ہے۔ لیکن اس عام خیال کی کہ تامل سے جدا کوئی نفسیات ہے ہی نہیں ثابت شدہ واقعے کی ٹھوس دلیل سے تردید ہوتی ہے۔ ۵۰

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس تحقیقی کام کا بیشتر حصہ جو میں نے انجام دیا ہے، یا جو میرے تجربہ خانے میں انجام پایا ہے، تقریباً تامل سے اسی طرح سے بری ہے جیسے کہ طبیعیات یا حیاتیات کا کام ہوتا ہے۔ اعمال ذہنی کا زمانہ، ادراک و حرکت کی صحت، فکر کے حرکی لوازم، حافظہ، ائتلاف تصورات، ادراک امکان، رنگ بینی، ترجیحات، فیصلے اور رائیں، انفرادی فرق، حیوانوں اور بچوں کا طرز عمل پر اور ان کے علاوہ دوسرے موضوعوں پر میں نے تحقیق کی ہے، بغیر اس کے کہ دوران اختبار میں موضوع کو یا مجھے خفیف ترین تامل سے کام لینے کی ضرورت پڑی ہو......

تمثیل کے ذریعے سے ادنیٰ حیوانات، بچوں یا وحشیوں کے ذہن تک رسائی حاصل کرنا یقیناً دشوار ہے، لیکن ان کے طرز عمل کے مطالعے سے بہت کچھ انکشاف ہو چکا ہے اور آیندہ بہت کچھ انکشاف کی توقع ہے۔

اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ نفسیات کردار کو متاثر کرتی ہے، اور اسے مفید طور پر استعمال

کیا جا سکتا ہے، تو اپنے مشغلے کو ایک انجینیر یا باقاعدہ طبیب کے نہیں بلکہ ایک پیشہ ور شطرنج باز یا مداری کے مشابہ کہتا۔ .... مجھے اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، کہ فطرت انسانی پر قابو حاصل کرنے کے لیے باضابطہ علم کا استعمال اس صدی کے دوران میں ایسے ہی نتائج پیدا نہ کرے جیسے کہ عالم مادی پر حکمت طبیعی کے اطلاقات نے انیسویں صدی میں پیدا کیے تھے۔"

اگر واٹسن نے اس بیان کو دیکھا ہوگا، تو غالباً اس نے اس کو بھی ایک درمیانی راہ ہی خیال کیا ہوگا، کیوں کہ اُسے صرف معروضی نفسیات کو ترقی دینے ہی سے دلچسپی نہ تھی بلکہ وہ اس کے علاوہ ہر شے کو مٹا دینا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ان تجاویز کو خاطر میں نہ لایا جو
۱۵ میکڈوگل اور پلسبری نے آئندہ چند سال میں پیش کیں۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ نفسیات کی تعریف یوں کرنی چاہیے، کہ یہ حکمت کردار ہے۔ اس نفسیاتی پس منظر کو قرار واقعی طور پر پیش کرنے کے لیے جس سے کرداریت ۱۹۱۲ء میں ظہور میں آئی ہیں ان مصنفوں کی تصانیف سے ذرا تفصیلی اقتباسات درج کرتا ہوں۔

ولیم میکڈوگل بعد کو ہمارے سامنے مقصدیتی مذہب کے سرگروہ کی حیثیت سے آئے گا۔ عضویاتی نفسیات پر اُس نے جو چھوٹی سی کتاب لکھی ہے، جو ۱۹۰۵ء میں طبع ہوئی ہے اس میں وہ نفسیات کی تعریف پر حسب ذیل بحث کرتا ہے:۔

"نفسیات کی بہترین اور نہایت ہی جامع تعریف ان الفاظ میں ہو سکتی ہے کہ یہ زندہ مخلوق کے کردار کا ایجابی علم ہے۔ نفسیات کی عام طور پر یہ تعریفیں کی جاتی ہیں۔ یہ ذہن کا علم ہے، یا یہ ذہنی و نفسی اعمال کا علم ہے یا یہ شعور یا انفرادی تجربے کا علم ہے۔ یہ تعریفیں مبہم ہیں، اور مزید تفصیل کے بغیر جامع بھی نہیں ہیں۔ یہ ایسے نفسیاتی کے مقاصد کو ظاہر کرتی ہیں جو محض تامل یعنی اپنے تجربے کے مشاہدے اور تحلیل پر بھروسا کرتا ہے اور جو غیر واجبی طور پر اپنی زندگی کے ان مظاہر سے بے پروائی برتتا ہے جو اس کے ہمجنسوں کے کردار میں ہیں ...... نفسیات کے تجربے یا شعور کے علم ہونے کی صورت میں تعریف کرنا، ان غیر شعوری اجزا کے مطالعے سے پہلو تہی کرنے کے مرادف ہے۔ برخلاف اس کے جو تعریف اوپر کی گئی ہے، وہ ان سب کو نفسیات کے حلقے میں لاتی ہے، اور تجربے یا شعور کے کسی عنصر کے مطالعے کو نظر انداز نہیں کرتی، کیوں کہ ہر قسم کا تجربہ کردار کو متاثر کرتا ہے۔

۱۹۰۸ء میں میکڈوگل کی کتاب مقدمۂ نفسیات معاشری شایع ہوئی۔ یہ کتاب فوراً ہی مقبول ہو گئی اور کئی سال تک اس سے خوب استفادہ کیا گیا۔ اس میں میکڈوگل اپنی بحث

کو جاری رکھتے ہوئے لکھتا ہے۔

"نفسیاتیوں کو اپنے علم کے اس بنجر اور تنگ تصور کو چھوڑ دینا چاہیے کہ یہ شعور کا علم ہے، بلکہ جرأت کے ساتھ یہ دعویٰ کرنا چاہیے کہ یہ ذہن کا ایجابی علم ہے جس میں اُس کے تمام پہلو اور عمل کی تمام صورتیں داخل ہیں، یا یہ کردار یا عمل کا ایجابی علم ہے، اور میں تو اسی تعریف کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ نفسیات کو جو ئے شعور کے تاملی بیان ہی پر اپنے تمام ۵۲
کام کو منحصر نہ خیال کر لینا چاہیے، بلکہ یہ تو اُس کا صرف ابتدائی کام ہے۔ اس قسم کا تاملی بیان یا ایسی خالص نفسیات کبھی علم یا حکمت نہیں بن سکتی، یا کم از کم کبھی تشریحی علم کی سطح تک بلند نہیں ہو سکتی، اور بجائے خود یہ کبھی معاشری علوم سے کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتی۔ ان سب کے لیے تقابلی اور عضویاتی نفسیات کی بنیاد کی ضرورت ہے، جو زیادہ تر معروضی طریقوں، انسانوں اور ہر قسم کے حیوانوں کے عمل پر صحت و بیماری کی تمام ممکنہ حالتوں کے تحت مشاہدے پر بھروسا کرے۔ .... خوش قسمتی سے نفسیات کا یہ نسبتہً فیاضانہ تصور اب پھیلتا جا رہا ہے۔"

ڈبلیو بی پلسبری (پیدائش ۱۸۷۲ء) ٹچنر کا شاگرد ہے۔ اُس نے ۱۹۱۱ء میں ایک کتاب "لوازم نفسیات" شایع کی تھی، جو فوراً ہی بڑی حد تک امریکا کے کالجوں میں نفسیات کی معیاری درسی کتاب بن گئی۔ غالباً اس کی تعریف اُس زمانے کے اکثر نفسیاتیوں کے لیے قابل قبول تھی۔

"نفسیات کی تعریف میں کہا گیا ہے، کہ یہ علم شعور یا موضوعی لحاظ سے تجربے کا علم ہے۔ ان تعریفوں میں سے ہر ایک میں خوبیاں بھی ہیں، مگر ان میں سے کوئی بھی اعتراض سے بری نہیں ہے .... ذہن کا علم انسانی کے اعمال و افعال سے ہوتا ہے۔ اس لیے نفسیات کی نہایت ہی تشفی بخش تعریف اس طرح سے کی جا سکتی ہے، کہ یہ کردار انسانی کا علم ہے۔

انسان پر اسی طرح سے معروضی حیثیت سے بحث کی جا سکتی ہے جس طرح سے کہ اور کسی طبیعی مظہر پر ہو سکتی ہے۔ اس پر صرف اس لحاظ سے غور کیا جا سکتا ہے، کہ وہ کیا کرتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ہمارے علم کی غایت انسانی عمل کا سمجھنا ہے۔ عملی غایت یہ ہے کہ اس امر کا تعین کیا جائے کہ کس شے پر انسانی استعداد مبنی ہے، اور اس علم کی روشنی میں انسان کی کارکردگی کے بڑھانے کے ذریعے دریافت کیے جائیں ..."

اگر ہم کردار انسانی کے فہم کو نفسیات کی اصلی غایت بھی قرار دیں تو بھی شعور ہمارے علم میں ایک نہایت اہم حیثیت رکھے گا۔ شعور سے ہماری مراد انسان کا اپنے افعال اور اُن کے مقدمات سے باخبر ہونا ہے .... شعور کردار کے سمجھنے کا اہم ذریعہ بھی ہے اور بجائے خود تحقیق کا ایک دلچسپ معروض بھی۔....... نفسیات کی ترقی کی موجودہ نوبت پر
۵۳ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے، کہ شعور کو کردار کے تابع رکھا جائے۔ نفسیات علم کردار ہے۔ کردار کا مطالعہ فرد کے شعور کے واسطے اور خارجی مشاہدے سے ہونا چاہیے۔"

یہ خیال کہ نفسیات کو کردار انسانی کا علم خیال کرنا چاہیے، اس وقت جب کہ کرداریت منظر عام پر آئی ہے، بظاہر بہت ترقی کر رہا تھا۔ لفظ کردار اس قدر وسیع معلوم ہوتا تھا کہ یہ تامّلی نفسیاتیوں اور معروضی کام کرنے والوں دونوں کے کام پر حاوی معلوم ہوتا تھا۔ کیوں کہ کیا دیکھنا، سننا، خیال کرنا یا خواہش کرنا ایک طرح سے عمل کرنے کی صورت نہیں ہے؟ مصروف کردار ہونے کے معنی کسی نہ کسی طرح سے مصروف عمل ہونے کے ہیں اور یقیناً دیکھنا، سننا وغیرہ جسم کے افعال ہیں۔ کردار اور شعور میں کوئی مخالفت نہیں ہے، اور نہ ایک حیوان کا کردار کے لیے غیر شعوری ہونا لازمی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کردار تجربۂ محض کی نسبت عمل سے زیادہ قریب ہے، لیکن موجودیتی بھی یہ کہتا ہے کہ وہ تجربے کا اس حیثیت سے مطالعہ کرتا ہے، کہ یہ فرد پر مبنی ہوتا ہے، جو یہ کہنے کے بہت ہی مشابہ ہے کہ وہ تجربے کا فرد کے کردار کا ایک جزو ہونے کی حیثیت سے مطالعہ کرتا ہے۔

لیکن واٹسن کے نزدیک کردار اور شعور میں باہم تناقض ہے، اور نفسیات کی یہ تعریف کرنا کہ یہ علم کردار ہے، ایک اہم اختلاف کے مرادف ہے اور یہ تامّل اور شعور کے تمام حوالے، اور جیسا کہ اس کا خیال تھا عملی طور پر تمام اس نفسیات کو خارج کر دیتا ہے جو ۱۹۱۲ء تک پیدا ہوئی تھی۔ یہ بتانے کے لیے کہ وہ معاملات کو اس روشنی میں کیوں دیکھتا تھا ہمیں یہ یاد کرنے کی ضرورت ہے کہ اس نے حیوانی نفسیات میں امتیاز حاصل کیا تھا اور ایک بار پھر ہمیں چند سال پیچھے لوٹنے اور اس علم کی تدریجی ترقی کا پتا چلانے کی ضرورت ہے۔

تھارن ڈائک اور حیوانی نفسیات کی نمایاں ترقی

اگرچہ حیوانی کردار سے حیاتیاتی کو ڈارون کے زمانے سے دلچسپی تھی لیکن

نفسیاتی عمل میں اس کے داخل کرنے کا سہرا بلاشبہ تھارن ڈائک کے سر ہے
تھارن ڈائک (پیدائش سنہ ۱۸۷۴ء) اگرچہ جیمس اور کیٹل دونوں کا شاگرد تھا، لیکن
حیوانی جبلت اور سیکھنے کی قوت پر اختبار کرنے کا خیال خود اسی کو آیا۔ مثلاً اس نے یہ بتایا کہ
ایسا مرغی کا بچہ جو ابھی انڈے سے نکلا ہو، اگر اسے ایک کم اونچے بکس پر رکھ دیا جائے، تو وہ زمین
پر بغیر جھجکے ہوئے کود جائے گا۔ لیکن اگر اسے ایسے بکس پر رکھا جائے، جو چند انچ اونچا ہو تو
جھجکنے کے بعد کودے گا لیکن اگر اسے ایسے بکس پر رکھ دیا جائے جو ایک فٹ اونچا ہو تو وہ بالکل
نہ کودے گا۔ اس طرح سے مرغی کا بچہ فاصلے اور بُعد ثالث پر ردعمل کرتا ہے، بغیر اس کے کہ
اسے اس ردعمل کے سیکھنے کا پہلے کبھی موقع ملا ہو۔ حیوانوں کی سیکھنے کی قوت کا مطالعہ
کرنے کے لیے تھارن ڈائک بھول بھلیوں، فریبی پنجروں اور چیستانی بکسوں کو بطور آلات
کے استعمال کرتا تھا، اگر وہ ایک مرغی کے بچے کو باقی بچوں سے الگ کر کے ایک چھوٹے
سے حصار میں رکھ دیتا تھا، جس سے نکلنے کا صرف ایک پیچیدہ راستہ ہوتا تھا، تو
مرغی کا بچہ اندر دوڑتا تھا ادھر ادھر گھومتا دیکھتا اور آخر کار باہر آکر سب بچوں کے ساتھ
مل جاتا تھا۔ جب اس کو حصار میں بار بار لایا گیا تو مرغی کا بچہ بتدریج جلد باہر آنے لگا یہاں تک کہ
چند آزمائشوں کے بعد وہ فوراً کھلے ہوئے راستے کی طرف جھپٹ پڑتا تھا۔ ایک بھوکے
بلی کے بچے کو ایک پنجرے میں رکھا گیا اور پنجرے کے باہر قریب ہی غذا رکھ دی گئی، وہ ہر
اس چیز کو کھینچتا کاٹتا اور پنجے سے ہٹاتا تھا، جہاں تک وہ پہنچ سکتا تھا جن میں وہ کھٹکا
بھی شامل تھا، جس سے پنجرے کا دروازہ کھل جاتا تھا، اور جلد یا دیر وہ اس کے کھولنے
میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ جب اسے بار بار پنجرے میں رکھا گیا، تو رفتہ رفتہ یہ تمام غیر ضروری
حرکات کو چھوڑنے لگا اور کھٹکے کو جلد اور یقین کے ساتھ ہٹانے لگا۔ اس نے ابتدا
سنہ ۱۸۹۶ء میں کی تھی، اور اس کے بعد چند سال تک ان تجربات کو جاری رکھا، اور اس کے بعد
وہ تعلیمی نفسیات میں مصروف ہو گیا۔ اس زمانے میں اُس نے اپنے طریقوں کو مرغی کے
بچوں، مچھلیوں، کتوں، بلیوں اور آخر کار بندروں پر آزمایا۔ نفسیاتی کام کے اس جدید
راستے کو چند اور سربرآوردہ امریکی معلموں نے اختیار کر لیا، اور یرکیز، واٹسن، اور دوسرے
لوگوں میں اس نے امتیاز حاصل کیا۔ حیوان سیکھنے کی قوت پر اختبارات کرنے کے لیے بہت
عمدہ موضوع ثابت ہوا، اور نتائج سے انسانی حیوانی دونوں کے سیکھنے کی قوت پر روشنی پڑی۔

اپنے نتائج کی تعبیر کرتے ہوئے، تھارن ڈائک نے مندرجہ ذیل امکانات بیان کیے۔ حیوانات ممکن ہے کہ تصورات سے استدلال یا محض ائتلاف میں کام لیتے ہوں یا یہ اندھا دھند آزمائش اور غلطی کے طریق سے سیکھتے ہوں۔ اس کے خیال میں استدلال تو اس لیے خارج از بحث ہے کہ حیوان بتدریج سیکھتا ہے عملی الجھاؤں سے تدریجی گر بے قاعدہ ترقی کا پتا چلتا ہے اور ردعمل کے نہ جاننے سے اس کے جاننے تک اچانک تغیر کی کوئی علامت نہیں ملتی۔ لیکن اگر حیوان نے مسئلے کو استدلال کر کے حل کیا ہوتا، تو وہ حل پر کسی خاص وقت پر پہنچ جاتا اور اس کے بعد وہ جواب کو جان جاتا، اور ہمیشہ صحیح بات کو بلا تکلف انجام دیتا۔ اس سے تھارن ڈائک نے یہ نظریہ نکالا، کہ اُس کے حیوان استدلال کے ذریعے سے نہیں سیکھتے۔ آیا وہ تصورات سے کوئی کام لیتے ہیں یا؟ اس مرکا وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا، لیکن وہ اسی طرف مائل ہے کہ یہ تصورات سے کوئی کام نہیں لیتے۔ نقل و تقلید کے ذریعے سے سیکھنے کو وہ قطعی اختیاری شہادت سے خارج از بحث سمجھتا ہے۔ ایسے جانور کو دیکھ کر جسے کوئی کام کرنا آگیا، ہو نہ تو بلیوں اور نہ بندروں میں کوئی نمایاں فایدہ ہوا ہے۔ اب تھارن ڈائک کے پاس صرف آزمائش و خطا کا امکان رہ جاتا ہے۔ حیوانات دیکھنے اور غور کرنے سے نہیں سیکھتے، بلکہ عمل کرنے سے سیکھتے ہیں۔ وہ صورت حال پر متعدد حرکی ردعمل کرتے ہیں، اور کسی اندھا دھند تدریجی عمل سے ناکامیاب ردات عمل حذف ہو جاتی ہیں اور کامیاب ردعمل کو تقویت پہنچ جاتی ہے، اور یہ صورت حال کے ساتھ مضبوطی سے راسخ ہو جاتی ہے۔ حیوان کے سیکھنے کا طریقہ آزمائش و خطا کا طریقہ ہے۔ انسان بلاشبہ تصورات سے کام لیتے ہیں، لیکن تھارن ڈائک بتاتا ہے کہ آزمائش و خطا سے سیکھنا، صرف حیوانوں تک محدود نہیں ہے۔ حرکی ہنرمندی جیسی کہ ٹینس میں ہوتی ہے اُس کے خیال میں عقلی لحاظ یا بصیرت سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ مختلف قسم کے حرکی عمل سے حاصل ہوتی ہے، جس میں ناکامیاب ردات عمل خارج ہو جاتے ہیں اور کامیاب راسخ۔ علاوہ بریں اس کے نزدیک حیوانی علم تصورات اور استدلال کی بنیاد ہے۔ انسان حیوان سے اساسی طور پر فوقیت رکھتا ہے، کیوں کہ اس میں حیوانی علم کی زیادہ قوت ہے۔ وہ جلد سیکھتا ہے، اور بہت سے ردات عمل سیکھ لیتا ہے، اور اس طرح سے اسے سوچنے یا خیال کرنے کی ایک بنیاد حاصل ہو جاتی ہے۔

تھارن ڈائک سیکھنے یا علم حاصل کرنے کو، ایسا عمل خیال کرتا تھا جس سے

نظامِ عصبی میں درآیندہ اعصاب جو مہیج سے ہیجان پذیر ہوتے ہیں، اور حرکی اعصاب جو عضلات کو برانگیختہ کرتے ہیں، اور اس طرح سے حرکی ردعمل کا باعث ہوتے ہیں اُن ۵۶
کے مابین روابط یا تعلقات قایم ہو جاتے ہیں۔ اُس کے خیال کے بموجب اکتسابِ علم حاصل کرنے کی میکانیت کے دو قانون ہیں۔ قانونِ مشق یعنی استعمال سے روابط قوی ہو جاتے ہیں، اور طویل بیکاری سے کمزور ہو جاتے ہیں، اور قانونِ اثر یعنی ان روابط کو تقویت حاصل ہوتی ہے، یا وہ روابط دوسروں سے بازی لے جاتے ہیں، جو تشفی بخش نتیجے یا صورتِ حال کی طرف لے جاتے ہیں۔ جب ایک دماغی میکانیت کی فعلیت حیوان کے لیے لذت یا تشفی کا باعث ہوتی ہے، تو اس سے اُس میکانیت کو تقویت پہنچ جاتی ہے جب ایک دوسری دماغی میکانیت سے حیوان کو تکلیف پہنچتی ہے، تو اس سے یہ کمزور پڑ جاتی ہے۔ اگر ہم تشفی اور بے آرامی کی داخلی عضویات کو سمجھ لیں، تو یہ بات ہماری سمجھ میں آجائے کہ کس طرح سے یہ ان دماغی میکانیتوں کو قوی یا کمزور کرتی ہیں، جو ابھی عامل اور سرگرمِ کار تھیں اور جن پر اسی لحاظ سے ان عضویاتی حالات کا خاص طور پر اثر پڑتا ہے۔ ہم تشفی اور بے آرامی کی عضویات سے بہت کم واقف ہیں، لیکن ہمیں قانونِ اثر کی قطعی طور پر ضرورت ہے، کیوں کہ یہ وہ پہلا مفروضہ ہے، جس سے وہ قانون حاصل ہوگا، جو اس بات کی تشریح کرے گا کہ ناکام ردّاتِ عمل کیوں مٹ جاتی ہیں، اور کامیاب ردّاتِ عمل آزمایش اور غلطی کے طریق پر سیکھنے میں کیوں صورتِ حال کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہیں۔

میں نے یہ بتانے کی کوشش نہیں کی ہے، کہ تھارن ڈائک کا نظریہ کس حد تک صحیح معنی میں اس کا طبعزاد تھا۔ اپنی اصل حدود کے اعتبار سے یہ نظریۂ ائتلاف کے مطابق تھا، لیکن تھارن ڈائک ان روابط کا ذکر کر رہا تھا، جو مہیج اور حرکی ردعمل کے مابین قایم ہوتے ہیں، نہ کہ ان روابط کا جو کہ ایک تصور اور دوسرے تصور کے مابین قایم ہوتے ہیں۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اپنے خیالات کی تائید میں اُس کے پاس اختباری شہادت تھی۔ سن ۱۹۰۰ء میں وہ اکثر لوگوں کو اپنے کردارِ حیوانی، اور انسانی ذہنیت، دونوں تصوروں کے اعتبار سے ایک خطرناک انتہاپسند معلوم ہوتا تھا۔ جیسے جیسے زمانہ گزرا حیوانی نفسیاتی جو اس کے بعد آئے، اُنھوں نے انتہاپسندی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کی خصوصاً سیکھنے کے نظریے کو اس طرح سے سادہ بنانا چاہا کہ قانونِ اثر کو ترک ہی کر دیا جائے۔ ۵۷

تعلیمی نفسیات میں خود تھارن ڈائک کی تحقیقات طریقے کے اعتبار سے اسی قدر معروضی تھی جس قدر حیوانی نفسیات میں تھی' اور اس کے فکر نے اسے کردار پر زیادہ سے زیادہ زور دینے پر مایل کیا' اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ کردار نفسیاتی مطالعے کے لیے کم از کم ایک بڑا موضوع ہے۔ ۱۹۰۵ء میں تو وہ یقیناً اپنی نفسیات کی ایسی اصطلاحات میں تعریف کرتا ہے' جو بنیادی طور پر شعور سے متعلق ہیں۔

"عالم جسمانی اور ذہنی واقعات سے بنا ہوا ہے...... نفسیات...... ذہنی واقعات سے بحث کرتی ہے...... چوں کہ انسانی افعال کی اکثریت براہ راست افکار و محسوسات سے تعلق رکھتی ہے' اس لیے نفسیات صرف ذہنی حالتوں ہی سے بحث نہیں کرتی' بلکہ افعال یا انسانوں کے کردار سے بھی بحث کرتی ہے۔"

لیکن ۱۹۱۱ء میں وہ ایک باب مطالعۂ شعور اور مطالعۂ کردار کی اضافی خوبیوں پر لکھتا ہے' اور شدت کے ساتھ کرداری نفسیات کی تائید کرتا ہے۔

"نفسیاتی فطرت انسانی کے متعلق جو بیان پیش کرتے ہیں' وہ دو قسم کے ہیں' شعور کے متعلق اور کردار کے متعلق......

بحیثیت مجموعی انیسویں صدی کے آخری ربع کا نفسیاتی کام مطالعۂ شعور پر زور دیتا تھا...... اگر متعصبانہ نہیں تو غیر دانشمندانہ رجحان تو اس امر کا ضرور تھا' کہ فطرت انسانی کے علم کو ان واقعات کے مرادف بنانے کی کوشش کی جائے' جن کا انکشاف تامل کے ذریعے سے ہوتا ہے......

جن مطالعوں کو اس جلد میں دوبارہ شایع کیا گیا ہے' (یعنی اس کے حیوانی قوت علم اور جبلت کے اصل مطالعے) ان سے اُن کے مصنف میں اس امر کا احترام اور بھی زیادہ ہو گیا ہے' کہ نفسیات کردار کا علم ہے... نفسیات کم از کم جزوی طور پر تامل سے ایسی ہی آزاد ہو سکتی ہے' جیسی کہ طبیعیات ہے۔ کردار میں شعور اور رد عمل یعنی ذہنی حالتیں اور اُن کے روابط دونوں داخل ہیں۔"

کرداریت بغاوت کی حیثیت سے کیوں ظاہر ہوئی اور پر امن ترقی کی حیثیت سے کیوں نہ ہوئی

۱۱۴

اوپر جو کچھ کہا جا چکا ہے' اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ کرداریت کے لیے زمین

پوری طرح سے تیار تھی، اور موجودہ صدی کے پہلے دہے میں تجربہ خانوں کے عمل، اور چند سربرآوردہ نفسیاتیوں کی نئی تعریف پیش کرنے کی کوششیں، دونوں اس طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ خصوصاً حیوانی نفسیات کی دلچسپ اور واضح ترقی نے کرداریت کے ظہور میں ایک اہم علت کا کام کیا ہے۔

لیکن علت محرک اس زمانے کے بعض اہم نفسیاتیوں کی حیوانی نفسیات کو دبا دینے کی روش تھی جو اس بات کو صاف طور پر سمجھتے تھے، کہ نفسیات شعوری تجربے کا مطالعہ ہے، اور منطقی طور پر اُسے اس کے علاوہ اور کچھ نہ ہونا چاہیے۔ اس کبریٰ سے وہ منطقی طور پر یہ استدلال کرتے تھے کہ معطیات کردار کی جب تک حیوان کے شعور میں ترجمانی نہ کی جائے، اس وقت تک یہ نفسیات ہے ہی نہیں۔ ڈی کارٹ کے زمانے سے یہ بات چلی آرہی تھی کہ حیوانات میں شعور ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ تو کیا ہم یہ فرض کریں، کہ تمام حیوانات ادنیٰ ترین جانداروں تک اپنے کردار کا شعور رکھتے ہیں، یا ہم شعور کو ان حیوانات تک محدود رکھیں جو سیکھتے ہیں، یا اُن حیوانات تک جو نظام عصبی رکھتے ہیں۔ کس معیار سے ہم ان کے درمیان حد فاصل قایم کریں گے؟ کردار سے حیوانات میں شعور کا استنباط کرنا کم سے کم بھی اندھیرے میں جست لگانے کے مساوی تھا۔ ٹچنر اور بعض دوسرے اہل علم اس امر کو تسلیم کرتے تھے، کہ اس قسم کے بعض استناجات جائز طور پر اخذ کیے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ احتیاط سے کام لیا جائے، اور اس طرح سے حیوانی اختیارات سے نفسیات پر کچھ روشنی پڑسکتی ہے۔ لیکن چوں کہ یہ اندھیرے میں جست لگانا معطیات کردار سے نفسیاتی کام لینے کے لیے ضروری ہے، اس لیے حیوانی نفسیات ہمارے علم کا ایک ذیلی اور نسبتۃً غیر اہم حصہ ہے۔

اس اثنا میں حیوانی نفسیاتی جبلت اور سیکھنے کی قوت جیسے مسایل پر معروضی نتایج حاصل کر رہے تھے، اور انھیں یہ سننا پسند نہ تھا کہ اپنی تحقیقات سے نفسیات تیار کرنے کے لیے انھیں مشکوک تمثیلات سے کام لینا ضروری ہے۔ غالباً ان میں سے اکثر کٹر نفسیاتی کے استبداد سے جلتے تھے، اور واٹسن ان میں سے چوں کہ بہت ہی جنگجو قسم کا تھا، اس لیے وہ خاموشی کے ساتھ نہیں جلا۔ اس نے عملی طور پر جواب دیا کہ مجھے اپنے اس تامل کے جس کی تم اتنی ڈینگیں مارتے ہوا یسے نتایج

دکھاؤ، جن کا حیوانی اختبار کے معروضی نتائج سے مقابلہ کیا جا سکے اور جواب کا انتظار کیے بغیر، اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ موجودہ صورت میں حیوانی نفسیاتی ہی ایسی جماعت ہیں، جو نفسیات میں حقیقی حکمی کام کر رہے ہیں اور انسانی نفسیات کو ان کی تقلید کرنی چاہئے اور اپنے مطالعے کو محض خارجی کردار کی حد تک محدود رکھنا چاہیے۔ اس نے بے تمثال فکر کی بحث کی طرف اور تاملیوں کے دوسرے ایسے مسایل پر جو ابھی معرض بحث میں تھے، الزام لگاتے ہوئے اشارہ کیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ نفسیات جب تک تامل کو نہ چھوڑے گی اس وقت تک مجلس مباحثہ ہی رہے گی، اور علم و حکمت نہ بنے گی۔

واٹسن کا تامل پر اعتراض اس قسم کے مشاہدے کی دشواریوں پر زیادہ تر مبنی نہ تھا، جن کی طرف ونٹ اور ٹچنر اشارہ کر چکے تھے۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تاملی فطری مظاہر کے علم کے باہر کسی غیر مادی شے کے مشاہدہ کرنے کا ادعا کرتے ہیں۔ ونٹ اور ٹچنر نے بلا شبہ ایسے دعووں سے صاف طور پر ہاتھ اٹھا لیا تھا، کیوں کہ انھوں نے کہا تھا کہ مشاہدے کے خام معطیات طبیعیات اور نفسیات کے لیے ایک ہی ہیں۔ لیکن واٹسن کے نزدیک تامل شعور کے ساتھ بالکل الجھا ہوا ہے جو اس کے نزدیک روح کا دوسرا نام ہے۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے یہ مان لیا کہ ایک شخص اپنے کردار کا مشاہدہ کر کے بیان دے سکتا ہے، مثلاً یہ کہ میں لکھ رہا ہوں میرا چہرہ تمتمایا ہوا ہے وغیرہ اور وہ اس زبانی بیان کے طریقے کی حواس کے اختبارات میں ممانعت
نہ کرتا تھا۔ اس کا دعویٰ صرف یہ تھا کہ زبانی بیان سے یہ معنیٰ نہ لیے جائیں کہ اس سے شعور کا ۶۰
پتا چلتا ہے۔ خود شعور پر بھی وہ نفسیاتی معنیٰ کے علاوہ سنجیدگی کے ساتھ اعتراض نہیں کرتا۔ صرف وہ شعور جس کا نفسیاتی تامل کے ذریعے مشاہدہ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اُس کے نزدیک قابل اعتراض ہے۔

واٹسن شعور کے وجود سے نفسیاتی معنیٰ میں انکار کرتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ حس احساس اور تمثال بھی غائب ہو جاتے ہیں، جن کو ایک عرصے سے شعوری تجربے کے عنصر خیال کیا جاتا تھا۔ لفظ حواس پر بحث کرتے ہوئے وہ لفظ حس سے احتیاط کے ساتھ بچتا ہے، بجائے اس کے کہ وہ اس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے، روشنی کا رد عمل، سمعی رد عمل، شامہ کا رد عمل وہ تمثال مابعد کو بھی اپنی بحث میں شامل کر لیتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:۔

کل حسی عضویات میں جو مظاہر ملتے ہیں، ان میں سے ایک نہایت ہی دلچسپ قسم یک رنگ نوری ہیجان کے اثرات مابعد میں ظاہر ہوتی ہے۔ آنکھ کو کچھ عرصے تک یک رنگ روشنی سے تہیج

کرنے اور اس کے ہٹا لینے کے بعد موضوع دو چیزوں میں سے ایک بیان کرتا ہے یا تو موضوع اس طرح سے ردعمل کرتا ہے، کہ گویا اصل روشنی از سرِ نو اس کو متہیج کر رہی ہو، یہ نام نہاد مثبت تمثال مابعد ہے، یا اس طرح سے ردعمل کرتا ہے، کہ گویا اصل روشنی کی متمم روشنی اس کو متہیج کر رہی ہو، یہ منفی تمثال مابعد ہے۔ اس کی تشریح ہم ان معطیات سے کر سکتے ہیں جو زبانی بیان کے طریق سے حاصل ہوتے ہیں۔ اگر ہم موضوع کی آنکھ کو نیلے رنگ کی روشنی سے متہیج کریں اور موضوع اس کے بعد سبز پردے کی طرف دیکھے، تو وہ کہے گا، کہ مجھے زرد نظر آرہا ہے"

اس طرح سے کرداریتی ان تمام نتائج کو اپنے نفسیات میں شامل کرسکا جو طریق ارتسام کے حواس پر استعمال کرنے سے حاصل ہوئے تھے۔

واٹسن کو اس دعوے کی تردید کا کہ حافظے کی تمثالات اور احساسات واقعات ہیں، بہت زیادہ خیال تھا، اُس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نام نہاد تمثالات حافظہ جن کی نسبت اکثر لوگوں کا خیال ہے، کہ اُن کو یہ ہوتی ہیں کچھ تو حرکی تسویلقات (حسوں) کی وجہ ٦١
سے ہوتی ہیں، اور کچھ موضوع کی زبانی ردات عمل کی بنا پر ہوتی ہیں، اور خوشگواری اور ناگواری کے احساسات کچھ تو آلات جنسی اور دوسرے شہوانی علاقوں کی حسی تسویقات ہوتی ہیں اور کچھ قریب آنے اور بچ نکلنے کی خفی حرکات ہوتی ہیں۔ مرکزی طور پر یعنی دماغ میں نہ تو تمثال پیدا ہوتی ہے، اور نہ احساس، اور اس اعتبار سے یہ ہیج اور ردعمل والے کردار سے جدا نہیں ہے۔ ہر قسم کا کردار حسی حرکی ہوتا ہے، یعنی یہ ہیج و ردعمل کی اکائیوں پر مشتمل ہوتا ہے، جن میں سے ایک کی ابتدا کسی آلۂ حس پر مہیج کے واقع ہونے سے ہوتی ہے اور انتہا کسی عضلی یا غدی ردعمل پر۔ نظام عصبی مکمل قوسوں کے اندر اپنا کام انجام دیتا ہے۔ دماغ پر ضرورت سے زیادہ زور دینا یا اُسے دیوتا بنا لینا مناسب نہیں ہے۔ نفسیاتیوں کو یہ عادت ہوگئی ہے، کہ وہ دماغ پر بہت زیادہ توجہ کرتے ہیں، لیکن کرداریتی یہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنے سے وہ اسے باقی جسم سے علٰحدہ کر لیتے ہیں، اور اس طرح انھوں نے روح کی جگہ پر اس کا ایک بدل تیار کر لیا ہے۔ انھوں نے دماغ کو حافظے اور فکر کا عضو فرض کیا ہے اور اس طرح سے ان مرکزی اعمال کو حسی حرکی کردار سے الگ کر لیا ہے، جن تک صرف تامل کے ذریعے سے رسائی ہوسکتی ہے، اور کرداری مطالعے کے خارجی طریقوں سے نہیں ہوسکتی۔

اب کردار کا بقول واٹسن خارج سے ہمیشہ اچھی طرح سے مشاہدہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ہمیشہ کھلا ہوا یا واضح نہیں ہوتا، بلکہ یہ داخلی اور مخفی ہوسکتا ہے، احشائی کردار مخفی ہوتا ہے کیوں کہ

یہ جسم کے اندر بہت زیادہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ داخلی گویائی جو اُس کے خیال کے بموجب تکلم کی خفیف حرکات پر مشتمل ہوتی ہے، خفی ہوتی ہے، کیوں کہ حرکات اس قدر خفیف ہوتی ہیں کہ اُن کا بلا امداد کے آنکھ یا کان، مشاہدہ نہیں کر سکتے نہایت ہی اہم خفی کردار کے مطالعے کے لیے ترقی کی صورت یہ ہے کہ درج کرنے والے آلات کو مکمل کیا جائے۔ کردار جبلی یا بغیر سیکھے ہوئے ردات عمل اور عادات یعنی سیکھے ہوئے ردات عمل پر مشتمل ہوتا ہے، اور سیکھے ہوئے اور بغیر سیکھے ہوئے دونوں قسم کے ردات عمل جلی و خفی دونوں ہو سکتے ہیں۔ کرداریتی نفسیات کے کام کا بڑا حصہ یہ ہوگا، کہ فرد کی جلی و خفی عادتوں کی ترقی کا پتا لگائے، اور اس طرح سے جو علم حاصل ہوگا، اُس سے
کردار انسانی کے ضبط و اصلاح میں کام لیا جا سکتا ہے۔ ۶۲

۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۴ء تک کرداریت نوجوانوں کی تحریک تھی۔ واٹسن نوجوان تھا، اور اُس کے متبعین بھی زیادہ تر نوجوان تھے۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ واٹسن قدیم رازوں، شکوں، پیچیدگیوں اور دشواریوں کو صاف کر کے، جو فلسفے کا ورثہ تھیں، اور جن سے قدیم تر نفسیاتی اپنا پیچھا نہ چھڑا سکتے تھے، نفسیات کی فضا بدل رہا ہے۔ اپنے جوش و خروش میں انھوں نے اس انقلاب میں مبالغہ کیا۔ مجھے ایک طالب علم یاد ہے، جو کولمبیا میں ایک کرداریتی کے پاس سے کیٹل کے تجربہ خانے میں آیا تھا، اور اُس نے کہا تھا کہ آپ کا تجربہ خانہ بالکل تاملی کے لیے وقف ہے اور اس لیے میرے لیے بالکل بیکار ہے لیکن میری تجویز یہ ہے کہ حیاتیاتی معمل میں کام کروں، اور آلات کے تیار کرنے کے لیے آپ کے تجربہ خانوں سے کام لوں تو نفسیاتی تحقیق میں حقیقی انقلاب بہت تھوڑا ہوا معروضی کام جاری رہا، اور تاملی کام بھی جاری رہا لیکن امریکی کرداریت کی مزید ترقی کے بیان کرنے اور اُن ممتاز لوگوں کا ذکر کرنے سے پہلے، جنھوں نے اس کی ترقی میں حصہ لیا ہے، ہمیں ایک بار پھر پیچھے لوٹنا چاہیے اور روس کے بعض اہم واقعات پر غور کرنا چاہیے، جن سے امریکا والے ۱۹۱۲ء سے پہلے مشکل ہی سے واقف تھے لیکن جو بعد کو کرداریت کے لیے نہایت ہی اہم ثابت ہوئے۔

روسی معروضیت اور مشروط اضطراری عمل

امریکا میں کرداریت کا آغاز انکشاف کی حیثیت سے نہیں بلکہ احتجاج کی صورت میں

ہوا تھا، لیکن روسی کام جس پر ہم اب غور کرنے والے ہیں اس کا آغاز مشروط اضطراری عمل کے انکشاف سے ہوا تھا اور یہ انکشاف ہمارے کرداریتوں کے لیے خود اُن کے کسی نتیجے سے زیادہ امداد و اطمینان کا باعث ہوا ہے۔ ٦٣

۱۹۰۵ء کے قریب مشروط اضطراری عمل کا انکشاف ایک ہی وقت میں اس شہر کے دو تجربہ خانوں میں ہوا تھا، جو اس وقت سینٹ پیٹرس برگ کہلاتا تھا۔ دونوں محققوں پاؤلاف اور بیخ ٹریف کے مابین ہمیں تقدیم کے مسئلے پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان میں پہلا محقق ماہر عضویات تھا، اور دوسرا ماہر عصبیات۔ یہ دونوں اس کام کے اعتبار سے ایک دوسرے کے رقیب تھے اور ایک دوسرے کو محنت کا جوش دلاتے رہتے تھے۔ چوں کہ ہمیں پاؤلاف پر بہت کچھ بحث کرنی ہے اس لیے ہم ابتدا بیخ ٹریف سے کرتے ہیں۔

بیخ ٹریف (پیدائش ۱۸۵۷ء۔ انتقال ۱۹۲۷ء) بڑے جوش و خروش سے تقریباً ۱۸۸۰ء سے نظام عصبی کی تشریح اور مرضیات، اضطراری حرکات اور عصبی اور ذہنی بیماریوں پر تحقیق کر رہا تھا۔ اپنے مطالعوں کی بنا پر اُس نے ائتلافی اضطراری اعمال کا تصور قایم کیا، اور یہ وہی چیز تھی، جس کا پاؤلاف نے مشروط اضطراری اعمال نام رکھا۔ لیکن بیخ ٹریف حرکی اضطراری اعمال پر کام کر رہا تھا، اور پاؤلاف غدی اور افرازی اضطراری اعمال پر۔ بیخ ٹریف کی جس طرف توجہ منعطف ہوئی وہ یہ تھی، کہ اگر جلد پر کوئی ٹھنڈی چیز لگائی جائے تو سانس رک جاتا ہے یعنی فطری طور پر ایک اضطراری عمل واقع ہوتا ہے۔ اگر ایک اور ایسا ہیج، جو بجائے خود سانس پر کوئی نمایاں اثر نہیں رکھتا، بار بار سرد چیز کے ساتھ جلد پر لگایا جائے، تو اس دوسرے ہیج میں رفتہ رفتہ وہی اثر پیدا ہو جائے گا۔ پس یہ اکتسابی یا ائتلافی اضطرار ہوا۔ بیخ ٹریف اور اس کے طالب علموں نے بہت محنت کے ساتھ اس مسئلے پر غور کرنا شروع کیا اور انھوں نے حیوانی اور انسانی دونوں موضوعوں پر اختبارات کیے، اور اس امید میں پاگلوں پر بھی تجربہ کیا کہ شاید اس طرح سے عصبی اور ذہنی عملوں پر روشنی پڑے اور جنونیات کی تحقیق کے لیے معروضی راستہ کھل جائے۔ بیخ ٹریف نے اپنی تحقیقات اور نظریوں پر معروضی نفسیات اور اضطراریات کے ناموں سے کتابیں لکھیں۔ تاملی نفسیات کی صحت سے انکار کیے بغیر، اُس نے یہ دیکھنا چاہا، کہ کس حد تک خالص معروضی بنیاد پر اضطراری عمل کو اساسی تصور کے طور پر استعمال کر کے آگے بڑھ سکتے ہیں، اور اُس کے خیال میں وہ کل نفسیاتی موضوع بحث پر ٦٤

ایسی اصطلاحوں کے داخل کیے بغیر جیسے کہ حس احساس یا فکر ہیں، حاوی ہو گیا۔ معروضی نفسیات پر اس کی کتاب پہلے سنہ ۱۹۰۷ء میں روسی زبان میں شایع ہوئی، اور سنہ ۱۹۱۳ء میں اس کا جرمن زبان میں ترجمہ ہوا۔

پاؤلاف (پیدائش سنہ ۱۸۴۹ء) نے ابتداءً مذہبی تعلیم حاصل کرنی شروع کی تھی لیکن بعد کو وہ طب اور پھر عضویات کی طرف مائل ہو گیا۔ اُس نے کئی برس تک عضویات ہضم پر کام کیا ہے، اور بعض نہایت ہی لطیف اور مفید اختبارات کیے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد ہی جب وہ اس موضوع پر کام کر رہا تھا، تو اُس نے اُن کتے کے طرز عمل میں جسے وہ موضوع کی حیثیت سے استعمال کر رہا تھا، ایک عجیب بات دیکھی۔ اُس نے کتے کے لعاب دہن کو براہ راست غدۂ لعابی سے جمع کرنے کے لیے آلات کا انتظام کیا تھا، اور وہ لعاب کی روانی بڑھانے کے لیے کتے کو غذا دے رہا تھا۔ اُس نے یہ بات دیکھی کہ ایک تجربے کار کتے میں لعاب غذا کے منھ میں آنے سے پہلے جاری ہو گیا۔ یہ غذا کی رکابی کو دیکھتے ہی، یا اس ملازم کے آتے ہی جو معمولاً غذا لایا کرتا تھا، یا دوسرے کمرے میں اس کے قدموں کی آہٹ سنتے ہی جاری ہو گیا۔ اب غذا کا منھ میں ہونا تو بلاشبہہ لعاب کے اضطراری طور پر بہنے کے لیے ایک قدرتی تہیج ہے، لیکن ایک شخص کا دیکھنا یا اس کے قدموں کی آہٹ سننا مشکل ہی سے اس ردعمل کے لیے فطری محرک ہو سکتا ہے بلکہ یہ ردعمل کے ساتھ طویل اختبار کے دوران میں وابستہ ہو گیا ہوگا، جس کی وجہ سے یہ ابتدائی اشارے کا کام دے جاتا ہوگا۔ اس پر پاؤلاف نے یہ رائے قایم کی کہ ایسے اشاروں کے اکتساب کرنے کی قابلیت، ایک حیوان کے اپنے خاص ماحول کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے میں بہت اہم ہوگی۔ اُس نے یہ بھی خیال کیا کہ اسے بلند تر دماغی اعمال و افعال کے اختباری مطالعے کے لیے ایک مفید راہ مل گئی ہے اور اُس نے اپنے تجربہ خانوں کی قوتوں کو اس جہت میں صرف کرنا شروع کیا۔ پچیس برس کے عرصے میں اس مسئلے اور اس کی مختلف شاخوں پر سیکڑوں
صفحہ ۶۵ مضامین اس کے معمل سے شایع ہو گئے۔ اس نے مشروط یا احوالی اضطراری عمل کی اصطلاح ایسے اضطراری عمل کیلیے وضع کی جس میں ردعمل فطری مہیج کے کسی بدل سے وابستہ ہو جاتا ہے۔

پہلا قدم اس امر کی تحقیق تھی، کہ اضطراری امر شرط کس طرح سے ہو جاتا ہے۔ اُس نے یہ دیکھنے کے لیے اختبارات کیے، کہ آیا وہ لعابی ردعمل کو کسی بھونپو یا تال پیا کی آواز سے وابستہ کر سکتا ہے۔ اس نے تال پیا کو ایک منٹ کے لیے بجایا، اور پھر کتے کے منھ میں غذا دے دی

پھر پندرہ منٹ انتظار کیا، اور پھر تال پیما کو بجایا، اور اس کے ایک منٹ بعد کتے کو کھلایا۔ اس تدبیر کے کئی بار کرنے کے بعد لعاب پندرہ منٹ کے گزرنے سے پہلے غذائی ہیج کی توقع میں جاری ہونے لگا۔ اگر غذائی ہیج کو اس وقت حذف بھی کر دیا جاتا، تو بھی لعاب کی ایک اچھی مقدار حاصل ہو جاتی۔ لیکن اگر اسی طرح سے اختبار جاری رہتا، اور اس وقت سے ختم پر غذا نہ دی جاتی، تو لعاب کا سیلان ہر آزمایش پر گھٹتا جاتا، اور ایسی چند آزمایشوں کے بعد مشروط اضطراری عمل جو کہ قایم ہو گیا تھا مٹ جاتا۔

اب فرض کرو کہ مشروط اضطراری عمل قایم ہو گیا، اور پھر اختبار آیندہ روز کے لیے ملتوی کر دیا جاتا ہے۔ پہلی آزمایش پر تال پیما سے کوئی ردعمل نہیں ہوتا لیکن آزمایشوں کی تعداد (یعنی تال پیما کے بعد ہمیشہ غذا کا ملنا) اضطراری عمل کے قایم کرنے کے لیے دوسرے دن پہلے دن کی نسبت کم رہی اور اگر اسی اختبار کو مسلسل جاری رکھا گیا یعنی تال پیما کے بعد ہر بار غذا دی گئی تو ایسا زمانہ بہت جلد آ گیا، جب مشروط اضطراری عمل مسلسل ہر روز باقی رہا۔ اگر مٹا دینے والا عمل یعنی تال پیما کا بجنا اور اس کے بعد غذا کا نہ ملنا ایسے کتے کے ساتھ استعمال کیا گیا جس میں یہ اضطراری عمل کامل طور پر راسخ ہو چکا تھا، تو یہ اتنی تیزی سے نہیں مٹا، اور مٹا بھی تو صرف عارضی طور پر کیوں کہ اگلے دن مشروط ردعمل پھر ظاہر ہو جاتا۔ لیکن اگر مٹا دینے والا عمل مسلسل چند روز استعمال کیا جاتا ہے، تو یہ آخر کار مشروط اضطراری عمل کو مٹا دیتا ہے۔

مشروط اضطراری عمل کے قایم ہونے اور مٹنے کے اعمال اس قدر مشابہ تھے کہ پاولاف نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کی دماغی کلیں ایک ہی ہیں سوائے اس کے کہ ایک صورت میں مثبت ردعمل مشروط بن رہا ہے اور دوسری صورت میں منفی یا دبا دینے والا عمل۔

پاولاف کے معمل میں اس اختبار کو مختلف رد و بدل کے ساتھ آزمایا گیا۔ ان سب سے ایک کسی قدر پیچیدہ اور محنت طلب اختبار کو جو امتیاز پر کیا گیا ہے، بیان کرتا ہوں۔ یہاں امتیاز کے معنی ایک مثبت مشروط اضطرار کا ایک ہیج کے لیے قایم ہونا، اور اس کے ساتھ اسی قسم کے دوسرے ہیج کے لیے ردعمل کا نہ ہونا ہے۔ اسے یہ شوق تھا کہ دیکھے حیوان کو وہ کہاں تک لطیف امتیاز کی جہت میں لے جا سکتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ امتیاز وہ ایسے دو شاخوں کی آوازوں میں بھی کیا جا سکتا ہے جو موسیقی سپتک کی آدھی سرتی سے بھی کم میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ اس کا عمل حسب ذیل طریق پر ہوا پہلے اس نے ایک سرتی فرض کرو کہ میانی ج کو استعمال کیا، اور اس کے بعد

ہمیشہ غذائی ہیج ہوا جب درمیانی ج کے ساتھ ثبت ردعمل اچھی طرح سے راسخ ہوگیا تو اس نے ایک اور مگر بہت بلند سرتی بجانی شروع کی۔ اس نئی سرتی کے پہلے پہل بجنے پر لعاب پہلے کی طرح سے جاری ہوا یعنی اضطراری عمل اسی قسم کے ہیج کی طرف لے جاتا ہے لیکن بلند سرتی کے بعد غذا نہ ملی لیکن جب بھی مدھم سرتی بجائی گئی تو غذا دی گئی، اور جب بلند سرتی بجائی گئی، تو غذا نہ دی گئی۔ اس تدبیر کے بار بار دُہرانے سے وہ لعابی ردعمل بلند سرتی سے مٹا سکا اور مدھم سرتی سے باقی رکھ سکا، اب اس اختبار کی تیسری منزل شروع ہوتی ہے اور یہ بلند سرتی کو روزانہ تھوڑا تھوڑا کر کے پست کرنے پر مشتمل ہے، اور اس میں صرف اس امر کی احتیاط کی جاتی ہے کہ جو امتیاز قائم ہو چکا ہے، اس میں خلل نہ پڑے۔ ممکن ہے کہ امتیاز میں خلل ڈالے بغیر دونوں سرتیوں میں صرف ایک سر کا فرق رکھنے کے لیے کئی ہفتے لگ جائیں لیکن یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ بعض حیوانوں میں امتیاز پیدا ہوگیا ہے، لیکن اگر جانور کو اس کی حد سے باہر لے جانے کی کوشش کی جائے، تو ممکن ہے کہ وہ تمام مشروط ردوات عمل کو جو کہ راسخ ہو چکے تھے بالکل کھو بیٹھے اور عملی طور پر مریض اعصاب کتا بن جائے۔ یہ ہے اختبار کرنے والوں کا قول۔

یہ بتا دینا چاہیے کہ اس قسم کے نتائج کی اس معمل کے علاوہ جس میں یہ پہلے حاصل ہوئے ہیں، کسی اور معمل میں تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے کام کے اندر جا بجا ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہے خصوصیت کے ساتھ اس امر کا اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں جانور اختبار کرنے والے، اس کی حرکات، اور غیر شعوری اظہارات کے جواب میں عمل نہ کر رہا ہو، اور اس ہیج پر بالکل ردعمل نہ کرتا ہو جو وہ ارادی طور پر استعمال کر رہا ہے اس اندیشے کے خیال سے پاولاف نے خاص قسم کے مشروط اضطراری اعمال کے تجربے خانے کی تجاویز تیار کیں اور ان میں اس امر کا اہتمام رکھا ہے کہ اختبار کرنے والا کتے کی نظر اور سماعت سے علٰحدہ رہے، اور باہر کے خلل ڈالنے والے منظر اور آوازیں رفع ہو جائیں۔ روسی حکومت نے حال ہی میں اس کے لیے اس معمل کو تیار کر دیا ہے، اور اب وہ ان احتیاطوں کے ساتھ ابتدائی اختباروں کے دہرانے میں مصروف ہے، لیکن مشروط اضطراری اعمال کے قائم ہونے اور مٹ جانے کی دوسرے اختبار کرنے والے کافی طور پر تصدیق کر چکے ہیں۔

اپنے تمام نتائج سے جن کو ایک تیز تمثیل نے واضح کر دیا ہے پاولاف افعال دماغ کے ایک نظریے تک پہنچا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق اس کے دو فعل ہیں جسی رخ پر تو یہ محللوں پر مشتمل ہے، جو خاص خاص ہیجوں کو ان طبیعی حرکات کے انبار میں سے چھنتے رہتے ہیں، جو ہر وقت جسم سے متصادم

ہوتے رہتے ہیں۔ اس کام میں یہ ریڈیو کے وصول کرنے والے آلے کے مشابہ ہے۔ حرکی رخ پر دماغ کا کام مشروط اضطراری اعمال پر مشتمل ہے۔ تمام سیکھا ہوا کردار حتی کہ انسان کا پیچیدہ کردار بھی مشروط اضطراری اعمال پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ امر کہ پیدا کرنا بڑے دماغ کا فعل ہے۔ ان ضربات کے نتیجے سے ظاہر ہوتا ہے، جو دماغ کے اس حصے کو پہنچ جاتی ہیں اور جن کی وجہ سے حیوانوں میں مشروط اضطراری اعمال کا پیدا کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ ۶۸
نیند بھی ان افعال کے پیدا کرنے میں مانع ہوتی ہے اس لیے یہ عمل بڑے دماغ کی فعلیت پر مبنی ہے۔

اس کے بعد پاؤلاف اپنے کام کو عضویات دماغ کہتا ہے۔ وہ نفسیاتی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا، بلکہ یہ تو آخری چیز ہوگی، جس کا وہ دعویٰ کرے گا۔ اپنے نتایج پر اکثر بار تقریر کرتے ہوئے، اُس نے آخر میں اس قسم کے الفاظ کہے ہیں:۔

آخر میں ہمیں اسے ایک مسلمہ حقیقت تسلیم کرنا چاہیے کہ اعلیٰ قسم کے حیوانات کے نظام عصبی کے بلند ترین حصے کی عضویات کا اس وقت تک کامیابی سے مطالعہ نہیں کیا جا سکتا، جب تک ہم نفسیات کے ناقابل قبول دعاوی کو بالکل ترک نہ کردیں۔"

جب اُس نے اپنے نفسیاتی رفقا سے یہ دریافت کیا کہ مشروط اضطراری اعمال کی توجیہ میں وہ کس قسم کے تصورات استعمال کریں گے تو اُنھوں نے خواہش، امید، ناکامی وغیرہ کا ذکر کیا۔ لیکن اُس نے دیکھا کہ اس امر کی پیشین گوئی کرنے کے لیے کہ کیا ہوگا یا اختیار کی نئی صورتیں تجویز کرنے کے لیے وہ اُنھیں استعمال نہیں کرسکتا جب اُس نے اپنے عضویاتی تصورات، تقویت، بندش وغیرہ کو استعمال کیا تو وہ کامیابی کے ساتھ آگے بڑھا۔ پس اُس نے یہ نتیجہ نکالا کہ کردار کے کلیتہً سمجھنے کی کنجی عضویات کے پاس ہے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ جب وہ حیوانی قوت علم کے متعلق تھارن ڈائک کے اختبارات سے واقف ہوا، تو اُس نے ان کا اپنے مطالعے سے بالکل متعلق ہونے کی حیثیت سے خیر مقدم کیا۔

اس بات کے پیش نظر کہ وہ عام طور پر نفسیات کا مخالف تھا، یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، کہ پاؤلاف کے کام سے نفسیاتیوں میں عضویاتیوں کی نسبت زیادہ دلچسپی پیدا ہوئی ہے، عضویاتیوں میں اُس کے ایک گہرے دوست نے اُسے لکھا تھا کہ "مجھے امید ہے آپ مشروط اضطراری عمل کے کام کو چھوڑ دیں گے اور حقیقی عضویات

کی طرف لوٹیں گے"۔ اس کے برعکس نفسیاتیوں نے مشروط اضطراری عمل کو جوش وخروش سے لبیک کہا ہے اور خاص طور پر کرداریت کے حامیوں نے، اس کے اندر ایک بہت بڑا اضافہ پایا ہے۔

واٹسن کی بعد کی ترقی

مشروط اضطراری عمل نے رفتہ رفتہ امریکی کرداریت پر اثر کیا۔ واٹسن ۱۹۱۴ء ٦٩
میں پاؤلاف کے طریقوں کا ذکر کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اس کے ذریعے سے حیوانوں پر اختبار کیا جا سکتا ہے"اگرچہ اس کے نزدیک یہ دوسرے طریقوں کے مقابلے میں کم درجے کا ہے۔ لیکن بہت ہی جلد وہ مشروط اضطراری قسم کے اختبار کی کامل معروضیت سے جس سے بیخ ٹریف اور پاؤلاف دونوں کام لیتے تھے، بہت متاثر ہوا، اور اس نے تجویز پیش کی کہ زبانی بیان کے طریقے کے بجائے اس سے کام لینا چاہیے کیوں کہ زبانی بیان کا طریقہ تو پھر بھی کسی نہ کسی حد تک تامل کے مشابہ ہے۔ ۱۹۱۹ء میں وہ اسے ان نفسیاتی طریقوں کی فہرست میں جنہیں انسانی اور حیوانی دونوں موضوعوں پر استعمال کیا جا سکتا ہے، ایک باعزت جگہ دیتا ہے، اور مشروط اضطراری عمل کے تصور سے اپنے جذبات کی بحث میں کام لیتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ خوف کے ردات عمل جو ہم اندھیرے میں شب کے وقت قبرستانوں، بجلی کی چمک اور دوسری بہت سی متعین صورتوں میں پاتے ہیں، غالباً ان کا مشروط جذبی ردعمل کی قسم سے تعلق ہے۔ ۱۹۱۴ء تک اس نے یہ مفروضہ قائم کر لیا کہ مشروط اضطراری عمل ہر قسم کی عادت کے قیام کی کنجی ہے، جس میں سادہ حرکات کا پیچیدہ سیکھے ہوئے افعال کے اندر متحد ہونا بھی شامل ہے۔ لیکن اس آخری بات کے متعلق ابھی اسے کامل یقین نہیں ہے۔ اس اثنا میں اسمتھ اور گوتھری نے ایک کتاب میں جس سے قطعی طور پر کرداریت کا رجحان ظاہر ہوتا ہے، یہ تجویز پیش کی ہے کہ ہر قسم کے علم کو مشروط اضطراری عمل پر مبنی سمجھنا چاہیے۔

یہ بات تو یاد ہوگی کہ تھارن ڈائک کے نزدیک آزمائش وخطا کے طریقے سے سیکھنے کی توجیہ کرنے کے لیے ایک قانون اثر کا تسلیم کرنا ضروری تھا۔ ایک صورت حال پر

جو کامیاب ردات عمل ہوتے ہیں، وہ حیوان کے لیے باعث تشفی ہونے کی وجہ سے رفتہ رفتہ راسخ ہو جاتے ہیں، اور ناکام ردات عمل ناکامی کی تکلیف کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں۔ ۷۰

اگرچہ تشفی اور تکلیف کو عضویاتی حالتیں خیال کیا جا سکتا ہے، اور خود واٹسن نے بتایا ہے کہ ان کا کرداری اصطلاحات میں کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود قانون اثر کے الفاظ کچھ ایسے تھے کہ ان سے حیوان میں احساس کی شعوری حالتوں کا فرض ہونا مترشح ہوتا تھا، بلکہ یہ بھی پتا چلتا تھا کہ یہ کردار میں علی عاملوں کی حیثیت سے عمل کرتے ہیں، لہذا ماہرین کرداریت نے قانون اثر کو قانون مشق میں تحویل کر کے یا دوسرے ذرائع سے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ شروع میں واٹسن، تعدد اور قربت زمانی کے قوانین پر اعتقاد تھا، جو ایک عرصے سے مسلم چلے آتے تھے، اور جنہیں قانون مشق کے تحت ذیلی قوانین خیال کیا جا سکتا ہے۔ اس نے اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا، کہ ایک جانور جو ایک چکر میں سے نکلنا سیکھ رہا ہو وہ ہر آزمائش پر اس سے پہلے کہ وہ نکل سکے ایک دفعہ ضرور صحیح راستہ اختیار کرے گا۔ بخلاف اس کے کسی خاص غلط راستے پر وہ کسی کسی آزمائش میں پہنچتا ہو گا۔ اس طرح سے کامیاب ردعمل کو رفتہ رفتہ ناکام ردعمل کے مقابلے میں زیادہ تعدد حاصل ہو جائے گا۔ جواب میں تھارن ڈائک نے یہ بتایا، کہ ناکام ردعمل کا بھی اکثر ایک ہی آزمائش میں بار بار اعادہ ہوتا ہے، اور یہ ممکن ہے کہ تعداد کے اعتبار سے اس وقت تک بھی یہ بڑھا ہوا ہو، جب تک کہ صحیح ردعمل راسخ ہو جائے۔ اس طرح سے یہ بحث برابری پر ختم ہو گئی۔ بعد کو جب مشروط اضطراری عمل سامنے آیا، تو اُسے قانون اثر کے خلاف موثر ہتھیار کی حیثیت سے اختیار کر لیا گیا۔ لیکن یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ آزمائش و خطا کے طریق سے سیکھنا ایک دشوار مسئلے کو پیش کرتا ہے، جس کے لیے لفظی حل سے زیادہ کی ضرورت ہے، اور نفسیاتی عام طور پر قطع نظر اس کے کہ کرداریت کے محاسن سے اس کا کیا تعلق ہے اس پر بہت ہی مختلف قسم کا کام کر رہے ہیں۔

کرداریت کو ابتداءً جب پیش کیا گیا، تو اس کا خوب مذاق اڑا اور اسے عضلے کے مڑتے کی نفسیات کہا گیا، جو عضویات کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے سے نہ تو کچھ زیادہ ہے اور نہ کم۔ واٹسن نے اس نکتہ چینی کا جوش و خروش اور میرے خیال میں ۷۱

کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اُس نے کہا کہ کرداریتی کو اگرچہ حرکی عمل سے دلچسپی ہوتی ہے مگر وہ اُسے پورے فرد کی فعلیت خیال کرتا ہے برخلاف اس کے عضویات کو خاص طور پر اُن مختلف اعضا سے بحث ہے، جن کا فرد بنا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات یقیناً معلوم ہوتی تھی، کہ کرداریت کا حلقہ لازمی طور پر نفسیات کے مقابلے میں محدود ہے۔ کیوں کہ حس، ادراک، حافظہ، فکر، جذبہ، خواہش کو خارج کر دیا گیا تھا۔ زبانی بیان کے طریقے کے تسلیم کر لینے سے مع اس احتیاط کے جس کے ساتھ لفظوں کو استعمال کیا جاتا ہے، حس اور غالباً ادراک تو بچ گئے ہیں اگرچہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ حامیان کرداریت نے ادراک کے نہایت ہی اہم مسئلے سے غفلت برتی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ حافظے نے حامیان کرداریت کو ضرورت سے زیادہ ستایا ہے۔ ۱۹۱۴ء تک ہم واٹسن کو حافظے کی بحث کو اس دعوے کے ساتھ شروع کرتا ہوا دیکھتے ہیں، کہ کرداریتی لفظ "حافظہ" کو کبھی استعمال نہیں کرتے۔ اس کے خیال کے بموجب یہ معروضی نفسیات میں کوئی جگہ نہیں رکھتا، اور پھر اس لفظ کو مہر مندی اور واقعات مسک پر بحث کرتے ہوئے آزادی کے ساتھ واوین میں استعمال کرتا ہے، اور اخیر میں یہ دعویٰ کرتا ہے، کہ کرداریتی کے معنیٰ میں حافظہ جسمانی لفظی یا احشائی تنظیم کا کوئی مظاہرہ ہے، جو آزمائش کے وقت سے پہلے ہوتا ہے۔ واقفیت یا حرارت و یگانگی کا وہ احساس جو جیمس کے بیان میں حقیقی یاد سے وابستہ ہوتا ہے اس کے معنیٰ محض قدیم احشائی (جذبی) ردات عمل کے احیا کے ہیں[1]

خفی کردار نے فکر اور جذبے کو بچالیا۔ سوچنے اور فکر کرنے کو کردار کے تحت یہ فرض کر کے شامل کیا جاسکتا ہے، کہ یہ خفی تکلمی ردات عمل یا تحت صوتی گفتگو پر مشتمل ہے۔ اور جذبے کو یہ فرض کر کے، کہ یہ خفی احشائی ردات عمل پر مشتمل ہے۔ اس طرح سے حس اور حافظے کو تو محض کرداری اصطلاحات میں بیان کر کے کردار کے اندر شامل کر لیا گیا ہے، مگر فکر اور جذبے کے لیے ایسے متعین مفروضوں کی ضرورت ہے جن میں اختیاری اعتبار سے

---

[1] کرداریت طبع ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۷۷، صفحہ ۱۹۰، صفحہ ۲۱۲ ۔ ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں حافظہ یا اور ان امور کے متعلق جن کی نسبت ہم نے ۱۹۲۴ء والی اشاعت سے استفادہ کیا تھا کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

رکاوٹ کا احتمال ہے۔ ۷۲

فکر کے متعلق واٹسن کا مفروضہ اجمالاً یہ ہے کہ یہ کسی نہ کسی قسم کا حسی حرکی عمل ہونا چاہیئے اور یہ خفی ہوتا ہے، کیوں کہ یہ مسلم ہے کہ ایک شخص کے افکار و خیالات کی مرئی حرکات یا قابل سماعت بول چال سے اکثر پتا نہیں چلتا فکر خفی کردار ہے جو ظاہری تدبیر و انتظام کی جگہ ہوتا ہے۔ ہم میں اشیا اور اعمال کے نام لینے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے بچہ اکثر جو کچھ وہ کرتا ہے اُسے کرتے کرتے کہتا بھی جاتا ہے۔ اس منزل سے، دو قدم بچے کو اس منزل تک لاتے ہیں جس میں اس کا خود سے باتیں کرنا (۱) غیر سمعی ہوتا ہے (۲) اور یہ اُس وقت واقع ہوتا ہے، جب وہ عملاً کام میں مشغول نہیں ہوتا، بلکہ صرف کام کرنے کا خیال کرتا ہے تحت صوتی گفتگو اکثر ایک عملی مسئلے کے حل کرتے ہوئے حقیقی کام کی جگہ لے لیتی ہے، جس کی وجہ سے وقت اور کوشش کی بچت ہوتی ہے۔ بجائے اس کے کہ میں پیانو کو کمرے میں کسی نئی جگہ اُٹھا کر رکھوں، اور دیکھوں کہ یہ کیسا معلوم ہوتا ہے، میں خود سے کہتا ہوں کہ فرض کرو کہ میں پیانو کو وہاں رکھتا ہوں، لیکن وہاں پر یہ کھڑکی میں حایل ہوگا۔ یہ تو ٹھیک نہیں۔ لہذا واٹسن کو زیادہ قرینہ اس امر کا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خفی کردار جو واقعی کام کی جگہ لے لیتا ہے، زیادہ تر حرکات تکلم پر مشتمل ہوتا ہے۔

اگر ہم اس مفروضے کا ہولنگ ورتھ کے نسبتہً وسیع مفروضے سے مقابلہ کریں تو یہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔ وہ فکر کی اس طرح سے تعریف کرتا ہے کہ یہ مسئلے کے حل میں ان حقیقی اشیا اور اعمال کے بجائے، جو مسئلے میں داخل ہوتے ہیں بدلوں اور علامتوں کے استعمال پر مشتمل ہے۔ علامت اکثر اوقات ایک لفظ ہوتا ہے بعض اوقات یہ ریاضیاتی علامت ہوتی ہے، اور کبھی یہ ایسی شکل ہوتی ہے، جس سے صورت حال کا اظہار ہوتا ہے اور کبھی ذہنی تمثال ہوتی ہے اور کبھی یہ حقیقی شے ہوتی ہے جسے اس شے کے بجائے خیال کیا جاتا ہے جس پر فکر ہو رہا ہے۔ ایک جنرل ایک فوجی کارروائی کا خاکا تیار کرتے ہوئے، یا لڑائی کی ترقی پر غور کرتے ہوئے اس قسم کی سوچ بچار ایک نقشے پر ۷۳
کر سکتا ہے، جس میں مختلف دستوں کے مقام کو نقشے پر پن لگی ہوئی جھنڈیوں سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ نقشے پر اپنی علامتوں کے ذریعے سے دستوں کو

ادھر سے ادھر حرکت دے، اور اس طرح سے ممکنہ نتیجے کا اندازہ کرے۔ بلاشبہ نقشے پر
اس مطالعے کے دوران میں وہ خود سے باتیں کر سکتا ہے، لیکن نقشہ اور دوسری
جسمی علامات، اس کے عمل فکر میں اپنا کام انجام دیتی ہیں۔

پس ہم اس مفروضے پر غور کر سکتے ہیں کہ فکر علامتی اشیا اور افعال کا حقیقی
اور اہم اشیا اور افعال کی جگہ پر استعمال کرتا ہے بغیر اس کے کہ ہم خود کو علامات
کی حیثیت سے خفی حرکات تک محدود رکھیں۔ یا ہم یہ مفروضہ قائم کر سکتے ہیں کہ فکر
خفی حرکات پر مشتمل ہے، اگر یہ حرکات صرف تکلم تک محدود نہیں ہیں۔ واٹسن کی
مراد یہ ہے کہ اپنے مفروضے میں اشاری زبان، اور بول چال کی زبان دونوں کو
شامل کرے اور بہروں کی صورت میں ہاتھوں کے ذریعے سے بات کرنے کے
طریقے کو بھی اور اُسے دوسری خفی حرکات کے بھی شامل کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔
اگرچہ ممکن معلوم ہوں لیکن اسے زیادہ تر اعتقاد آلات تکلم کی خفی حرکات پر ہے۔

یہ مفروضہ بظاہر معقول معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ہم میں سے اکثر اس امر کی
تصدیق کریں گے کہ سوچتے ہوئے کم و بیش ہم خود سے باتیں کرتے ہیں۔ اکثر ہمیں اپنی
داخلی بات چیت کا احساس ہوتا ہے۔ مفروضے کی معقولیت اُس عام مشاہدے پر
مبنی ہے، جو صریحاً تاملی ہے۔ مارگریٹ فلائے واشبرن جو خود فکر کے عام حرکی
نظریے کی شدید حامی ہے، اگرچہ کرداریتی نہیں ہے کہتی ہے کہ یہ کس قدر مہمل
بات ہے کہ جو مفروضہ کرداریت کے سہارا دینے کے لیے تراشا گیا ہو، وہ تامل پر مبنی ہو۔
ہم اکثر دوسرے شخص کی جو سوچنے میں مصروف ہو، ہونٹوں کی حرکتیں دیکھتے ہیں،
اور وہ لفظ سنتے ہیں جو وہ منہ ہی منہ میں کہتا ہے مگر جس وجہ سے اس مفروضے
۷۴ کا قبول کر لینا آسان معلوم ہوتا ہے وہ داخلی گفتگو کے متعلق خود ہمارا تجربہ ہے۔

چوں کہ یہ مفروضہ کہ فکر خاموش گفتگو ہے ہم میں سے اکثر کے تجربے کے مطابق
ہے اس لیے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ کرداریت کے سلسلے سے پہلے بھی بارہا پیش
کیا جا چکا ہے۔ کرداریت اس بات کی طالب ہے کہ یہ داخلی گفتگو آلات گویائی کی حقیقی
چھوٹی چھوٹی حرکتوں پر مشتمل ہونی چاہیے۔ یہاں پر بلاشبہ یہ تامل سے آگے بڑھ جاتی
ہے بعض اشخاص کو داخلی گویائی منہ، حلق اور آلات تنفس میں محسوس ہوتی ہے گویا

وہاں پر حقیقی حرکتیں ہو رہی ہوں۔ لیکن بعض اشخاص کو یہ حرکی نہیں بلکہ سمعی معلوم ہوتی ہے۔ بلا شبہ تامل پر یہ معلوم کرنے کے لیے بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کہ آیا داخلی گویائی میں گویائی کی حرکات ہمیشہ ہوتی ہیں یا نہیں۔ واٹسن نے اگرچہ تامل کے ذریعے سے اپنے مفروضے کی جانب ذہن کے منتقل ہونے کو جائز رکھا ہے مگر وہ اس کا تامل کے ذریعے سے امتحان کرنا نہیں چاہتا۔ اُس نے آلاتِ گویائی سے نہایت ہی باریک قسم کے درج کرنے والے آلات لگانے کی تجویز کی، اس سے اُسے امید یہ تھی کہ فکر کے دوران میں حرکاتِ گویائی کی معروضی شہادت حاصل ہو جائے گی۔ اس کے نزدیک حلق سے اندراج کا سب سے زیادہ قرینہ تھا اور اس کے بعد غالباً زبان سے۔

کئی محققوں نے حلق اور زبان کی حرکات کو فکر کے دوران میں درج کرا کے اس مفروضے کے موافق یا مخالف شہادت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ وقت کے کچھ حصے میں حرکات پاتے ہیں، لیکن کل وقت میں نہیں۔ خود داخلی گفتگو کے اندر بھی جب موضوع اپنے آپ سے ایک جملہ کہتا ہے، گویائی کے ان آلات کی حرکتیں خفیف اور بے قاعدہ ہوتی ہیں، اور ان سے اس نمونے کی کوئی مشابہت ظاہر نہیں ہوتی جو اسی جملے کو آواز کے ساتھ بولنے سے بنتا ہے۔ اس وقت تک نتایج سلبی ہیں لیکن ابھی تک جو آلات دستیاب ہوئے ہیں، وہ بھی کافی بے ڈھنگے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ بہت ہی خفیف عضلی انقباضات کے درج کرنے سے قاصر رہتے ہوں۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مفروضہ غلط ثابت ہو چکا ہے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ حلق خفی حرکاتِ گویائی کی ٧٥
جستجو کے لیے بہترین جگہ نہ ہو۔ حلق جس سے آواز پیدا ہوتی ہے، بے آواز بول چال مثلاً کانا پھوسی کرنے میں ساکن رہتا ہے۔ اب چوں کہ کانا پھوسی زور سے بولنے اور خاموش گفتگو میں ایک درمیانی منزل ہے، اس لیے ہمیں اس بات کی توقع نہ ہونی چاہیے، کہ حلق جو کانا پھوسی کے درمیان ساکن رہتا ہے، خاموش گفتگو میں عمل کرنے لگے۔ خاموش گویائی میں حرکات کی جستجو کرنے کے لیے سب سے مناسب موقع تنفس کا ہے، اور فی الحقیقت پر جوش داخلی گفتگو میں سانس کے طویل اور بے قاعدہ ہونے کی عمدہ شہادت موجود ہے۔ لیکن اس سمت میں ابھی کافی طور پر کام نہیں ہوا ہے۔

اس ایک مفروضے کے قایم رہنے یا مسترد ہو جانے سے کرداریت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اگر گویائی کی حرکات ہمیشہ پائی بھی جائیں تو بھی یہ سوال باقی رہے گا کہ کس شے نے ان کو جاری رکھا۔ اور آیا وہ دماغی عمل جس نے انھیں جاری رکھا ہے تحت حرکتوں کی نسبت قلب عمل سے زیادہ قریب نہیں ہے۔ دوسری طرف اگر کلمی حرکات کی نسبت یہ ثابت ہو جائے، کہ فکر کے دوران میں یہ یقیناً نہیں ہوتی ہیں تو دوسری عضلی حرکات اور تناؤ باقی رہ جائیں گے، جن سے وہ حسی حرکی عمل مہیا ہو جائے گا جس کی کرداریت ہر خفی فعلیت کے لیے طالب ہے۔

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے، میں تمھیں مختصراً یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ شخصی طور پر میں فکر = گویائی کی مساوات کو کیوں تسلیم نہیں کرتا۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ مجھے اکثر ایسے معنیٰ کے ظاہر کرنے کے لیے جو یقیناً میرے ذہن میں ہوتے ہیں لفظ کے تلاش کرنے میں یقیناً دشواری ہوتی ہے۔ میں اکثر ایک معمولی لفظ کے لیے بھی پریشان ہو جاتا ہوں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تم اس مساوات کو الٹ کر گویائی = فکر نہیں کہہ سکتے۔ تم ایک معروف عبارت کو اس کے معنیٰ کو سمجھے بغیر اور کسی بالکل ہی دوسری شے کا خیال کرتے ہوئے پڑھ سکتے ہو۔ ایک وجہ یہ بھی ہے، کہ فکر بات سمجھنے
۷۶ کے بھی اسی قدر مشابہ معلوم ہوتا ہے جس قدر کام کرنے کے۔ یہ بات سمجھنے اور علایق و اضافات کا مشاہدہ کرنے پر مشتمل معلوم ہوتا ہے۔ واٹسن کی گویائی کی عادتیں جن کو واقعی کام کے بجائے رکھا گیا ہے، یہ ظاہر کرنے سے قاصر ہیں کہ کس طرح سے تمھیں فکر تمھاری سابقہ عادات سے آگے لے جاتا ہے۔ الفاظ کا یہ مجموعہ "[illegible] کر دیں پیانو کو ادھر لے جاؤں" اس سلسلے کی طرف زبانی عادت کے طور پر کیوں کر لے جاتا ہے "لیکن یہ کھڑکی میں حایل ہو گا"۔ لفظوں کے علاوہ بھی کسی اور شے کو اس میں دخل ہے اور یہ شے کسی نہ کسی طرح بات کے سمجھنے پر مشتمل ہے۔

میرا اصل اعتراض کرداریت پر یہ ہے کہ یہ دیکھنے پر قرار واقعی زور نہیں دیتی۔ اگر مصالحت کی خاطر سے یہ مان بھی لیا جائے کہ دیکھنے سے خفی ردات عمل ہوتے ہیں، تو کیا دیکھنا ظاہر اور عملی اقدام کی تیاری کی حیثیت سے حسی حرکی رد عمل کا اہم حصہ نہیں ہے۔ حسی اختبار میں جب موضوع یہ کہتا ہے، کہ مجھے زرد دکھائی دے رہا ہے، تو کیا یہ واقعہ

اُس کے کل ردِ عمل کا سب سے اہم جزو نہیں ہوتا، کہ اسے زرد دکھائی دے رہا ہے ممکن ہے اس کی زبان بہک جائے اور اس سے زرد کا لفظ نکل جائے حالاں کہ وہ سبز دیکھتا ہو اور پھر آگے چل کر وہ اپنے مشاہدے سے اس اعتبار سے کام لے جیسا کہ اس نے دیکھا تھا، نہ کہ جو اس نے کہا تھا۔ سیکڑوں صورتیں ہیں جن میں یہ دشواری بار بار پیدا ہوتی ہے۔

واٹسن کے خیالات جذبے اور جبلت پر

اب ہم جذبے کے نظریے کی طرف اپنی توجہ کو مبذول کرتے ہیں۔ واٹسن کا مفروضہ جذبے کے متعلق اجمالاً یہ ہے کہ یہ بحیثیت مجموعی کل اعضائے جسمانی کی گہری تبدیلیوں پر مشتمل ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ احشائی اور غدی نظامات اس سے متاثر ہوتے ہیں اور ہر علیحدہ جذبہ اس قسم کی تبدیلیوں کا ایک خاص نمونہ ہوتا ہے۔ باوجود اس امر کے کہ تمام جذبی ردات عمل میں ظاہر عامل ہوتے ہیں، مثلاً آنکھوں، بازوؤں، ٹانگوں اور دھڑ کی حرکت، لیکن احشائی اور غدی عاملوں کا غلبہ رہتا ہے۔ بظاہر یہ مفروضہ جیمس لانگے کے نظریے کے مطابق ہے، اور اس میں شک نہیں کہ واٹسن، لانگے کی عبارتوں کا پسندیدگی کے ساتھ اقتباس کرتا ہے، اور جیمس کو اس بنا پر ناپسند کرتا ہے کہ اُس نے حسوں کے اس مرکب کو جو جسمانی تغیرات سے پیدا ہوتا ہے، نفسیاتی اعتبار سے اہم کہا ہے، اور اپنے نظریے کے لیے جزو آتا ملی شہادت پر بھروسا کیا ہے جیمس کو واٹسن میں بدلنے کے لیے محض حسوں اور احساس کے لفظوں کو جذبے سے نکال لینے کی ضرورت ہے جس سے جسمانی تغیرات باقی رہ جائیں گے، جن کے نمایاں کرنے کی جیمس نے بہت زیادہ کوشش کی تھی۔

اگرچہ اس مفروضے کی بلا واسطہ جانچ کے لیے احشا تک پہنچنا دشوار ہے، لیکن بعض خارجی علامات مثلاً نبض، خون کا دباؤ وغیرہ ایسی ہیں، جن کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

لے کرداریت طبع سنہ ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۳۰۔

گزشتہ دس سال میں ہر قسم کے جذبی اظہار یعنی دورانِ خون، تنفس، چہرے اور آواز کے آثار پر بہت زیادہ غور کیا گیا ہے، لیکن ایک مایوس کن نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جن خوفناک یا خوش گوار صورتوں میں موضوع کو رکھا جاتا ہے ان کے مطابق، یا جذبے کے تجربے کی نسبت اس کے زبانی بیان کے مطابق جذبی ردعمل یا اظہار کے واضح نمونے دستیاب نہیں ہوئے[1]۔ پس شاید دو جذبوں میں محض دو احشائی نمونوں کی حیثیت سے غیر احشائی کردار اور ان صورتوں کا بھی لحاظ رکھے بغیر جن میں یہ پیدا ہوتے ہیں، فرق کرنا ناممکن ہے۔ شاید ہمیں یاد ہو کہ کینن[2] نے ایک نمایاں احشائی نمونہ دریافت کیا تھا جس میں قلب کی رفتار تیز ہو گئی تھی، شریانیں سکڑ گئی تھیں، خون کا دباؤ بڑھ گیا تھا، معدے کی حرکت رک گئی تھی، اور یہ سب باتیں خودکار نظامِ عصبی کے ہمدردانہ تقسیم کے عمل اور گردوں کی رطوبتوں پر مبنی تھیں۔ لیکن داخلی عمل کا یہ نمونہ خوف، غصے اور ایسی ہیجانی حالتوں میں
۷۸ ملتا ہے، جو خوف اور غصہ دونوں نہیں ہوتیں۔ بظاہر خوف اور غصے کے درمیان جو فرق ہے، وہ احشائی حلقے سے باہر ہے۔ ممکن ہے یہ ان صورتوں کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہو، جو ان دو جذبوں کے ہیجان کا باعث ہوتی ہیں۔ یا ظاہری ردات عمل پر مبنی ہو، یا مختلف ظاہری ردات عمل کے لیے آمادگی اور تیاری میں ہوتا ہو۔

اس خاص مفروضے کے علاوہ جو واٹسن نے جذبے کو کرداریتی نظام میں بٹھانے کے لیے پیش کیا ہے، اس نے بچوں میں مطالعۂ جذبات کے لیے اہم کام انجام دیے ہیں۔ اس نے جذبی کردار کے تین نمایاں نمونے بہت ہی چھوٹے بچوں میں دریافت کیے ہیں ان کو وہ خوف، غصے اور محبت کے نمونے کہتا ہے، اور ان کو قدرتی طور پر صورتِ حال اور واضح ردعمل کی اصطلاحات میں بیان کرتا ہے، نہ کہ خفی احشائی کردار کی اصطلاحات میں۔ چوں کہ نومولود میں ان کے علاوہ اسے اور کوئی نمونہ نہیں ملتا، اس لیے وہ ان تین ہی کو خلقی جذبی نمونے قرار دیتا ہے، اور باقی سب کو عادتیں کہتا ہے، جو دستکاری کی عادتوں

[1] جلد ۴ صفحہ ۴۴۷ تا صفحہ ۵۰۱۔ C. Landis, Journal of comparative psychology. 1924

[2] W.B. Cannon. Bodily changes in pain, hunger, fear and Rage. (Appleten, 1929 2nd edition)

کی طرح سے سیکھنے کے عمل سے حاصل ہوتی ہیں۔ خوف کے لیے فطری یا اصلی ہیج بلند آوازیں! اور سہارے کا نہ رہنا (یعنی پھسلنا یا گرنا) ہے غصے کا فطری ہیج بچے کی آزادی حرکت میں رکاوٹ ہے' اور محبت کے لیے تھپکنا یا سہلانا ہے۔ اختباری طور پر ایک گیارہ مہینے کے بچے میں مشروط اضطراری عمل قائم کرنا ممکن پایا گیا ہے، اور وہ اس طرح سے کہ جب بچہ ایک سفید چوہے پر ہاتھ مارنا چاہتا تھا، ٹھیک اس وقت ایک لوہے کی سلاخ سے اس کے بہت ہی قریب آواز پیدا کی گئی، جس سے وہ اب تک ہمیشہ اڑجایا کرتا تھا بلند شور سے وہ اضطراری طور پر چونک پڑا اور بعض اوقات سسکیاں اور خوف یا بے آرامی کی دوسری علامتیں ظاہر ہوئیں۔ اور ہر بار جب بچہ چوہے پر ہاتھ مارنے کے قریب ہوتا تھا اختبار کرنے والے نے اس بلند شور کو پیدا کر کے جلد ہی حیوان کی طرف سے ایک مشروط اضطراری خوف کو راسخ کر دیا۔ اور یہ مشروط خوف باقی رہا۔ عام طور پر مشروط خوفوں کے ایک بار راسخ ہونے کے بعد ان کا مٹانا دشوار پایا گیا ہے۔ اسی طرح سے مشروط غصے اور محبت کے ردات عمل کو اسی طرح سے راسخ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح سے اس اختبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح سے بچوں کے اندر لاتعداد غیر معقول خوف، نفرتیں اور محبتیں پیدا ہو سکتی ہیں[1]۔

اگر تم کرداریت سے صرف واٹسن کی بعد کی تحریرات کے ذریعے سے واقف ہو تو ۷۹
تم مجھے یہ الزام دو گے، کہ جو چیز سب سے نمایاں طور پر کرداریتی تھی، یعنی اس کا جبلت اور موروثی ذہنی خصوصیات کو رد کرنا، اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہر اوسط درجے کا بچہ صحیح ماحول اور تربیت سے بلا لحاظ خلقی ذہانتوں، میلانوں، قابلیتوں اور آبا و اجداد کے پیشوں اور نسل کے، ہر قسم کا ماہر یعنی ڈاکٹر، وکیل، مصور، تاجروں کا سردار حتیٰ کہ بھیک منگا اور چور تک بن سکتا ہے[2]، اس کے بیان کرنے میں میں نے بیحد تاخیر کر دی ہے۔ یہ انتہائی ماحولیت از روئے منطق کرداریت سے وابستہ نہیں ہے۔ اسے معروضی نفسیات کی ترجیح یا تامل شعور کے ساتھ نفرت سے کوئی تعلق نہیں۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں واٹسن نے زیادہ تر حیوانی کردار پر

[1] کرداریت طبع سنہ ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۲۔
[2] " " " " صفحہ ۸۲۔

لکھتے ہوئے جبلت پر بھی بہت کچھ لکھا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں اگرچہ اس نے انسانی جبلتوں کی اس فہرست پر نکتہ چینی کی تھی، جو جیمس اور تھارن ڈائک نے پیش کی تھی، مگر پھر بھی وہ چند انسانی جبلتوں کو تسلیم کرتا ہے، اور علم حاصل کرنے کی بنیاد کی حیثیت سے جبلی فعلیت کی اساسی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ کیا واٹسن کرداریت کے معنیٰ کو صرف تدریج سمجھتا ہے؟ یا یہاں پر ہم ایک خاص موضوع پر اس کے فکر کی تدریجی ترقی دیکھتے ہیں۔ کرداریتی کا زندگی بھر صرف یہی کام نہیں ہو سکتا، کہ وہ کرداریت کے منطقی نتائج کی تشریح کرتا رہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ تم کرداریتی ہونے کے باوجود واٹسن کے اس خاص خیال کو رد کر سکتے ہو، یا ممکن ہے کہ تم کرداریتی نہ ہو، اور اس کے اس خیال کو تسلیم کر لو۔ یہ مسئلہ ایک مذہب اور دوسرے مذہب کے اختلاف کا نہیں ہے۔ یہ مسئلہ واقعے اور شہادت سے تعلق رکھتا ہے، اور شہادت محققین کی طرف سے جو کرداریتی یا غیر کرداریتی کی حیثیت سے کام نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ان اہم اور دشوار مسئلوں کے طالب علموں کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں، ابھی فراہم ہو رہی ہے۔ جب ہم مقصدیتی مذہب سے بحث کریں گے اس وقت جبلت کے سوال پر پھر بحث ہوگی۔ انسانوں میں فرق پیدا کرنے کے لحاظ سے توارث اور ماحول کی تقابلی اہمیت کا مسئلہ ایسا ہے، جو مذاہب نفسیات پر بحث کرنے سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا۔ ۸۰

ایک اعتبار سے واٹسن کی انتہائی ماحولیت کرداریتی کو بالکل معقول معلوم ہوتی ہے۔ واٹسن یہ مانتا ہے کہ اس کا نتیجہ شہادت سے متجاوز ہو جاتا ہے لیکن اس کے خیال کے موجب مسئلے کے اس رخ پر شہادت سے متجاوز ہونا درست ہے کیوں کہ جو لوگ مخالف یا توارثی خیال رکھتے ہیں، وہ ہزاروں برس سے یہی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ لوگوں سے روایتی خیالات کو چپ چپاتے قبول کر لینے کی عادت کو چھڑانے کی یہ خواہش شاید واٹسن کی کرداریت کی سب سے بڑی خصوصیت ہے، ایسی خصوصیت جس کا علم جذبے اور جبلت کے متعلق اس کے خاص خیالات بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

بعض دوسرے ممتاز کرداریتی

امریکی کرداریت پر بحث کرتے ہوئے اب تک واٹسن کے علاوہ ہم نے خاص طور پر

کسی دوسرے کا ذکر نہیں کیا۔ اس غلط خیال کی اصلاح کرنے کے لیے کہ کرداریت صرف ایک شخص کا مسلک ہے، ہم چند اور اشخاص کا ذکر کرتے ہیں۔

میکس میر جامعۂ مسوری کا استاد ہے۔ وہ ۱۹۱۱ء میں کردارِ انسانی کے اساسی قوانین لکھتے ہوئے کرداریت کے بہت قریب پہنچ گیا تھا، اور اسے اب کرداریتی خیال کیا جاتا ہے۔ میر ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوا، اور ایک ممتاز جرمن نفسیاتی کارل اسٹومف ساکن برلن کا شاگرد ہے جو جی۔ ای میولر کی طرح سے جس کا پہلے ذکر آچکا ہے، ونٹ کے ان کم عمر ہم عصروں میں سے تھا، جنھوں نے ابتدائی زمانے میں اپنے علیحدہ نفسیاتی معمل کھول لیے تھے۔ اسٹومف نے سماعت اور موسیقی کی نفسیات میں امتیاز حاصل کیا تھا اور میر نے اس سمت میں جسے کسی طرح سے کرداریتی نہیں کہا جا سکتا، بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ لیکن میر کو کان اور دماغ کی میکانیت سے بہت دلچسپی ہوگئی اور آخر میں اس کا یہ خیال ہوگیا کہ نفسیات کا حقیقی علم صرف عصبی عمل کے قوانین کے علم پر مشتمل ہونا چاہیے۔ اپنی ۱۹۱۱ء والی کتاب میں وہ عصبی عمل کے ایسے قوانین اور تجاویز کو ترقی دیتا ہے، جن سے شعوری زندگی اور کردار کے واقعات کی توجیہ ہو سکے۔ 81

"گزشتہ چند روز میں یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ داخلی یا تاملی علم اپنے تعمیم کے محدود امکان کی وجہ سے مشکل ہی سے علم کہلانے کا مستحق ہے۔ جو نقص دریافت ہوا ہے، اس کے دور کرنے کے لیے ایسے معروضی طریقے جیسے کہ علوم طبیعی میں استعمال ہوتے ہیں، علوم ذہنی میں تامل کے داخلی طریقے کی تکمیل کے لیے رایج کیے گئے۔......

انسانی عمل کی فرد اور معاشرے میں انسانی زندگی کے لیے جو اہمیت ہے، اس کے سمجھنے میں ذہنی ساخت کے متعلق فرد کے شعور کے مطالعے سے نہیں، بلکہ کردار کے عصبی قوانین سے مدد ملے گی۔ تاملی نفسیات کی حکمی قدر و قیمت محض اس واقعے پر مبنی ہے، کہ یہ عصبی عمل کے قوانین دریافت کرنے میں ہماری مدد کرتی ہے۔

لہٰذا میر کو یقین تھا کہ تامل نفسیات کے لیے مفید ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسے

لہ M. Meyer The Fundamental Laws of Human Behaviour (R. G Badger, 1911)

صفحہ ۴ و صفحہ ۲۳۹

عمل پر روشنی ڈالنے کے لیے استعمال کیا جائے، نہ کہ محض تجربے کے بیان کے لیے۔
میں تمھاری توجہ خاص طور پر میری ایک اور کتاب کے نام پر مبذول کراتا ہوں۔
اس کتاب کا نام ہے 'دوسرے شخص کی نفسیات'[1] یہ ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی ہے، اور ابتدائی
درسی کتاب کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ نفسیات کی ایک عام کتاب کی حیثیت سے ابتداءً
یہ نام عجیب معلوم ہوتا ہے۔ تمھیں خیال ہوگا کہ یہ کتاب کسی خاص موضوع سے بحث
کرتی ہے، لیکن نام مصنف کے نقطۂ نظر کا آئینہ دار ہے۔ یعنی اس کے نزدیک
نفسیات میں مطالعے کا صحیح معروض دوسرا شخص ہوتا ہے۔ یہ وہ شخص ہوتا ہے جس کا
مشاہدہ کرتا ہے۔ اس طرح سے مصنف طالب علم کو نفسیات کے اس قدیم تصور کو ہٹاتا ہے کہ
یہ دراصل ایک شخص کی اپنی ذات کا مطالعہ ہے۔ یہ دراصل دوسروں کا مطالعہ ۸۲
ہونا چاہیے اس کے ایک عمدہ نقطۂ نظر ہونے کی دو وجہیں ہیں۔ اپنے اعمال و افعال سے
تمھیں شخصی تعلق ہوتا ہے، اس لیے مشاہدے میں تم سے طرفداری کا امکان ہے۔
اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کا مطالعہ تمھیں معروضی طریقوں کے استعمال پر مجبور
کرتا ہے۔

دوسرے شخص کے مطالعے سے تامل خارج نہیں ہو جاتا، کیوں کہ تم اس سے
اپنے اختبار میں موضوع کی حیثیت سے کام لے سکتے ہو، اور اس سے اپنے لیے تامل کرا سکتے
ہو۔ بیوہلر نے جس کا کیولپے کی جماعت میں سے ایک ہونے کی حیثیت سے پہلے ذکر آ چکا ہے
اور جو فکری اعمال کا تاملی طریقوں سے مطالعہ کیا کرتا تھا، ایک بات کہی تھی جو یہاں پر
صادق آتی ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ فکری اختبار میں محقق کو یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ اُسے
دوسرے اشخاص کے فکری اعمال کا مطالعہ کرنا ہے نہ کہ اپنے۔ اختبار کرنے والا صورتِ حال
کو مرتب کرتا ہے، مہیج فراہم کرتا ہے، اور موضوع کے اس کا کام سپرد کرتا ہے لیکن اس کے بعد
بقول بیوہلر اختبار کرنے والا اپنی آنکھوں سے دیکھنا چھوڑ دیتا ہے اور اپنے موضوع کی آنکھوں
سے دیکھنے لگتا ہے۔ موضوع مشاہدے کر کے اس سے بیان کرتا ہے لیکن اس سے آگے
اسے تعلق نہیں ہوتا۔ اسے اس مفروضے سے کوئی بحث نہیں ہوتی جس کا اختبار کرنے والا امتحان

[1] ناشر لیوکس برادرس۔

کر رہا ہے، اور نہ اس کام سے کوئی تعلق ہوتا ہے، جو وہ مشاہدے سے لے گا۔ وہ محض علم مواد فراہم کر دیتا ہے، جس پر اختبار کرنے والا عمل کرتا ہے۔ اگر اختبار کرنے والا اپنے مفروضے کی خود پر مشاہدات کر کے جانچ کرے، تو ممکن ہے کہ مشاہدہ جانب داری سے متاثر ہو جائے۔ وہ اپنے موضوع کو تا بہ امکان اختبار کے مقصد سے ناواقف رکھتا ہے تاکہ ایسے معطیات فراہم ہوں، جن میں جانب داری اور تعصب کو دخل نہ ہو۔ عملاً تاملی طریقۂ ارتسام اور نیز معروضی طریقے کا معملی کام میں یہی معیارِ عمل تھا۔ اور جگہ کی طرح یہاں بھی محققین کا عمل نظری تعریف سے آگے رہتا تھا۔

نظریے اور تعریف کے لحاظ سے نفسیات کا اس طرح سے تصور کرنا کہ یہ دوسرے شخص کا مطالعہ ہے، کسی حد تک انقلاب انگیز تھا۔ فرض کرو ایک نفسیاتی ج ہے جو یہ کہتا ہے کہ اس کا کام تجربے کا مطالعہ ہے، قدرتی بات ہے کہ وہ تجربے کا اسی حیثیت سے
۸۳ خیال کرتا ہے جس حیثیت سے یہ اس کو ہوتا ہے، یعنی اپنی ذات کے اندر مرکوز۔ لیکن فرض کرو کہ ایک حیاتیاتی جسے عضویوں کے مطالعے کی عادت ہے، نفسیاتی بن جاتا ہے اور اپنا حیاتیاتی نقطۂ نظر نفسیات میں لے جاتا ہے۔ وہ ایک اور عضویے د کا مطالعہ کرنا شروع کرتا ہے جو خود اس سے علیحدہ ہے۔ وہ د کے اعمال کا مطالعہ کرتا ہے، اور ممکن ہے کہ وہ د کے تجربات کا بھی مطالعہ کرنا چاہے۔ اگر وہ د سے بات چیت کر سکے، تو ممکن ہے کہ د اس سے اپنے تجربات بیان کرے، اور وہ انھیں د کے تجربات کا صحیح بیان مان لے۔ اس طرح سے نفسیاتی صورت حال یہ نہیں ہوتی کہ ج کے مقابل میں کائنات ہے، بلکہ یہ بن جاتی ہے کہ ج د کا مطالعہ کر رہا ہے، جس کے مقابل میں کائنات ہے۔ کرداریت کے حامیوں نے مجبوراً اس نقطۂ نظر کو اختیار کیا ہے، لیکن تاملی بھی اسے اختیار کرتے ہیں۔

میر کے شاگردوں میں سے ایک ریاست اوہیو کی جامعہ کا اے۔ پی۔ وائس ہے۔ یہ ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوا اور ایک سرگرم اختباری اور طفلی نفسیات کا ماہر ہے۔ اسے بھی کرداریت کے سربرآوردہ حامیوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس کی کتاب کردارِ انسانی کی نظری بنیاد[1] ۱۹۲۵ء میں شایع ہوئی۔ اس میں وہ یہ بتاتا ہے، کہ کس طرح سے نفسیات

[1] ناشر آر جی ایڈمس اینڈ کو۔

علوم طبیعی میں اپنی جگہ لے سکتی ہے۔ وہ نفسیاتیوں پر زور دیتا ہے، کہ اپنے بعض دعووں کو چھوڑ دیں، جن کی وجہ سے وہ حکمت کے دائرے میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس کے ذہن میں یہ دعویٰ ہے کہ نفسیات تأمل کے ذریعے سے ایسے حقایق یا اشیا تک رسائی حاصل کر سکتی ہے، جو مادی نہیں ہیں، اور اسی وجہ سے جن تک ماہر طبیعیات کیمیا اور حیاتیات کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس کی تجویز یہ ہے، کہ نفسیات کو یہ مان لینا چاہیے کہ ان اساسی اشیا کے علاوہ جنھیں طبیعیات مانتی ہے، اور اساسی اشیا ہیں ہی نہیں ممکن ہے کہ ابھی طبیعیات اپنی انتہائی تحلیل تک نہ پہنچی ہو، لیکن فی الحال برقیہ اور بدیٔیہ اساسی اشیا معلوم ہوتی ہیں۔ پس وائس کہتا ہے کہ نفسیات کو برقیے اور بدیئے کو اپنی اساسی اشیا کے طور پر مان لینا چاہیے، اور اپنے لیے علٰحدہ اشیا کی قسم کا دعویٰ نہ کرنا چاہیے۔ بلاشبہ نفسیاتی معمل یا طریق علاج میں تم طبیعیاتی اصطلاحات سے کام نہیں لیتے، اور برقیوں اور بدیئیوں کے بہت قریب نہیں آتے، لیکن حیاتیاتی اور ماہر کیمیا بھی (جو زیادہ تر جوہروں کو ۴۸
اپنی اساسی اشیا مانتا ہے۔ ان کے قریب نہیں آتا۔ لیکن ہم سب برقیوں اور بدیئیوں کا احترام کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ دراصل تمام کیمیائی اور حیاتیاتی اعمال میں جن میں وہ اعمال بھی شامل ہیں جنھیں ذہنی کہتے ہیں (وائس یقیناً لفظ ذہنی استعمال نہ کرے گا، لیکن ہم اس کے پیٹھ پیچھے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں تاکہ ان اعمال میں امتیاز پیدا ہو جائے، جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں) ہم یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ یہ تمام اعمال دراصل برقیوں اور بدیئیوں کی حرکت پر مشتمل ہیں بشرطے کہ طبیعیات آخرکار اس نتیجے تک پہنچی ہو۔ پس نفسیات مطالعے کے لیے اپنی علٰحدہ دنیا کا دعویٰ نہیں کرتی (اور یہاں ہم وائس کے ساتھ متفق ہیں) بلکہ اس نقطۂ نظر کو تسلیم کرتی ہے، کہ اس کے تمام مظاہر فطری ہیں، اور ان کی اسی طرح سے آخری تحلیل ہو سکتی ہے جس طرح سے تمام دوسرے مظاہر کی۔

اس کے بعد وائس اس امر پر غور کرتا ہے، کہ تم نفسیات میں طبیعی اشیا سے علٰحدہ اور کسی شے کو فرض کیے بغیر کیا کر سکتے ہو۔ وہ دیکھتا ہے کہ انسانی عضویے کے متعلق ایک سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ یہ معاشری ماحول کے اندر رہتا ہے۔ ایک فرد کا کردار دوسرے فرد کے لیے مہیج کا کام کرتا ہے اور دوسرے فرد کے کردار کا باعث ہوتا ہے۔ فرد کی ترقی زیادہ تر اس معاشری صورت حال سے منضبط ہوتی ہے جس میں اُس کا

نشو و نما ہوتا ہے۔ اس طرح سے انسانی کردار معاشری ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس واقعے پر زور دینا، اور اس واقعے کو نظر انداز کر دینا، کہ ہر قسم کا کردار حیاتیاتی غلیت ہوتا ہے، یک رخی بات ہوگی۔ معاشری بن جانے سے انسان کے حیاتیاتی ہونے میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اس کے تمام اعمال ایسے ہی حیاتیاتی ہیں، جیسے کہ وہ ایک الگ تھلگ حیوان ہو۔ دونوں پہلوؤں کے ساتھ انصاف سے کام لینے کے لیے وائس حیاتی معاشری کا لفظ کردار انسانی کے ممیز کرنے کے لیے وضع کرتا ہے۔ نفسیات کا میدان حیاتی معاشری اعمال کا میدان ہے، اور نفسیات کا نقطۂ نظر حیاتی معاشری ہے۔ نفسیات کے لیے یہ اچھا لفظ معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ملتا ہے، کہ نفسیاتی کو ایک طرف حیاتی علوم اور دوسری طرف معاشری علوم سے قریبی روابط رکھنے چاہییں۔ بعض اوقات اس بارے میں بحث ہوتی ہے، کہ آیا نفسیات کو حیاتی علوم میں شمار کیا جائے یا معاشری میں؟ یہ درحقیقت حیاتی معاشری ہے، اور اس کی مرکزی حیثیت ان علوم میں، جو انسان اور دوسری جاندار مخلوق سے بحث کرتے ہیں، اس کے بحیثیت مجموعی حکمت کے اندر نہایت ہی اہم جگہ لینے کو ممکن بناتی ہے۔ ایسی جگہ جو اس سے کہیں زیادہ اہم ہے، جو اسے اپنے معاملے کے لیے ایک علٰحدہ عالم رکھنے کا دعوی کرنے سے کبھی حاصل ہو سکتی ہے۔

اگرچہ وائس اور واٹسن کی کرداریت میں زور اور تاکید کے بعض فرق ہیں، مگر درحقیقت ان میں کوئی اختلاف نہیں، اور نہ وائس کے نفسیات کے تصور اور عمل میں تاملی طریقے کے استعمال کے مابین کوئی تناقض ہے۔ کیوں کہ ایک اختیاریں موضوع کا ایک تمثال مابعد کے متعلق بیان دینا اور اختیار کرنے والے کا اس بیان کو اس حیثیت سے تسلیم کر لینا، کہ اس سے اس شے کا پتا چلتا ہے، جسے موضوع نے حقیقۃً دیکھا ہے، یہ مترشح ہونا لازم نہیں، کہ ہم نفسیاتی عمل میں اس سے مختلف دنیا کا مشاہدہ کرتے ہیں، جس کا طبیعیاتی یا حیاتیاتی کرتے ہیں۔ تمثال مابعد حیاتیاتی عمل ہے، جو موضوع کے آلات بصارت میں واقع ہوتا ہے۔ صرف موضوع اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے، کیوں کہ یہ ایسا عمل ہے، جو صرف روشنی سے مناسب تہیج کی بنا پر واقع ہوتا ہے۔ تم اختیاری کی حیثیت سے جو موضوع کو دیکھ رہے ہو، اس تمثال مابعد کو محض اس لیے

نہیں دیکھ سکتے کہ تمھارے آلات بصارت کو وہ تہیج نہیں ہو رہا ہے۔ اور اگر ہم تمثال مابعد کے لیے طبیعی اعمال کی تمام دنیا میں جگہ پا سکیں، تو اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمیں حافظے کی تمثال یا ڈاڑھ کے درد یا خوش گواری یا ناگواری کے کسی احساس کے لیے ایک جگہ نہ مل سکے۔ حامیان کرداریت کے ساتھ بظاہر ایسا واقعہ پیش آیا ہے، کہ انھوں نے ایسا فلسفہ دیکھا، جو ان امور کو مابعد الطبیعیاتی معما بنا دیتا تھا، اس لیے وہ صورت حال پر محیطی علم طبیعی کے نقطۂ نظر سے غور کرنے سے قاصر رہے، بلکہ ایک شدید انکار میں مبتلا ہو گئے۔ یہ سن کر کہ تامل ایک دوسرے عالم کے انکشاف کا مدعی ہے، وہ یہ کہنے لگے کہ
۸۶ تامل کو چھوڑ دو۔ یہ ردعمل ایک خاص قسم کے فلسفے پر ہوا تھا، نہ کہ اُس حقیقی عملی کام پر جس میں تاملی طریقہ استعمال ہوتا تھا۔

ایک اور مشہور کرداریتی کلارک یونیورسٹی کا، والٹر ایس ہنٹر ہے۔ یہ ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوا، اور اینجل اور نیز جامعۂ شکاگو کے استاد ہاروے اے کار کا شاگرد ہے (کار ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوا۔ یہ اگرچہ حیوانی نفسیاتیوں میں بہت بلند پایہ ہے، لیکن اُسے کرداریتیوں کی فہرست میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کرداریت کا طالب علم تو ہے مگر کرداریتی نہیں ہے۔ ایسے اور بھی بہت سے لوگ ہیں) ہنٹر نے انسانی کردار کے علم کے لیے ایک نیا نام وضع کیا ہے۔ وہ اسے انسانیات کہتا ہے جس کے لغوی معنی علم انسان کے ہیں۔ اس کے خیال میں لفظ نفسیات صحیح معنی میں کردار کے مطالعے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ از روئے اشتقاق اس کے معنی مطالعۂ نفس کے ہیں۔ اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے، کہ الفاظ کے معنی زمانے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں اور انگریزی میں طبیعیات اور عضویات کے لیے جو لفظ ہیں از روئے اشتقاق ان کے معنی ایک ہی علم کے ہیں، اور اگر نفسیات کے اشتقاق کی کافی دور تک تلاش کریں، تو ہمیں اس کے معنی سانس لینے کے علم کے ملیں گے۔ درحقیقت ہنٹر علم کردار کے لیے ایک منفرد نام کی تلاش میں ہے لیکن ہم میں سے اکثر اس کے لفظ نفسیات کو صرف موجودیتوں کے لیے چھوڑ دینے سے اتفاق نہ کریں گے۔ میں ہنٹر کی عبارتوں میں سے کچھ اقتباسات درج کرتا ہوں، تاکہ یہ تمھارے فکر کے لیے محرک کا کام دیں، لیکن ان سوالات پر جن کا ان میں ذکر ہے، بحث کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

"نفسیات سے، اگر کوئی معنی ہیں، تو نفسی عوامل اعمال یا حالتوں کے مطالعے کے ہیں
جس حد تک نفسیات کی تعریف ذاتی تجربے کے مطالعے کی حیثیت سے کی جاتی ہے،
یہ ذاتی تجربہ ایک قسم کی ذہنی شے خیال کیا جاتا ہے........ اگر ہم اس زمانے کے ۸۷
نفسیاتی سے یہ دریافت کریں کہ وہ لفظ شعور یا تجربے سے کیا مراد لیتا ہے تو وہ ایسی
چیزوں کا ذکر کرکے جواب دے گا، جیسے میٹھا سرخ...... گلاب کے پھول.....
اور نغمے ہیں.... میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ نفسیاتی کے لیے شعور یا تجربہ محض ایک نام ہے،
جسے وہ ایسی شے کے لیے استعمال کرتا ہے، جس کو دوسرے لوگ انسان کا ماحول
کہتے ہیں......

نفسیاتی فطرت انسانی کے سمجھنے کی خارجی اور داخلی ماحولوں کو ذہنی کہہ کر،
اور پھر ان ماحولوں کی تحلیل اور مطالعہ کرکے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے.... انسان کے مطالعے
کا نفسیاتی طریقہ، اس معنیٰ میں بالواسطہ ہے، کہ فطرت انسانی کے متعلق نتائج
بظاہر انسانی ماحول کے مطالعے سے اخذ کیے جاتے ہیں۔ نظری اعتبار سے اس قسم کا
طریقہ پچاس سال پہلے آزمائش کے لائق تھا۔ فطرت انسانی کی تحلیل میں اس طریقے کے
ناکام رہنے کی وجہ سے انسانیات عالم وجود میں آئی۔

انسانیات کا عام طریقہ بلاواسطہ مشاہدے اور اختبار کا طریقہ ہے جس میں
انسان کے عضوی کردار کو موضوع بحث کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے......
کردارِ انسانی کے وہ پہلو جن سے انسانیات کو خاص طور پر بحث ہے، کردار زبان
اکتساب علم، باہمی تہیج ورد عمل اور نمونے کے اعمال کی بنیاد پر کردار کے متعلق پیشین گوئی
ہے..... انسانیات کو کردار انسانی کے اور دوسرے پہلوؤں سے بھی دلچسپی ہے۔
یہ کردار انسانی کے پیدائشی پہلوؤں پر حیوانی اور طفلی کردار کے واسطے سے غور
کرتی ہے۔ اور غیر معمولی کردار اور آلات حس کے عمل سے تو اسے خاص طور پر تعلق ہے"۔
ہنٹر نے کرداریت کی نظری بنیاد کے لیے بہت کچھ کام کیا ہے لیکن اس کے علاوہ
اس نے خود اس علم میں بھی (خواہ اس کا کچھ بھی نام رکھا جائے) اہم اضافے کیے ہیں،
خصوصاً حیوانوں اور بچوں میں وہ اپنے "موخر رد عمل" کے انکشاف کی بنا پر بہت
مشہور ہے۔

کردار اور دماغ اس حیثیت سے جس طرح سے کہ ان کا فریز اور لیشلی نے مطالعہ کیا ہے

سرگرم حامیان کرداریت کی فہرست کو ہم بڑھانا تو نہیں چاہتے لیکن لیشلی کو چھوڑ بھی نہیں سکتے جس نے اس موضوع پر سب سے زیادہ تصانیف پیش کی ہیں۔ لیشلی ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوا اور یہ واٹسن کا نفسیاتی یا کرداریتی فرزند ہے، اگرچہ وہ ہمیشہ ایک مستقل رائے کا آدمی رہا ہے۔ کچھ اقتباسات درج کیے جاتے ہیں، جن سے اس کے ۸۸
کرداریتی رجحان کا پتا چلتا ہے۔ وہ خود کو علی الاعلان موضوعیت اور ہر ایسے ادعا کے مخالف کہتا ہے، کہ تامل سے کسی عدیم المثال شے کا انکشاف ہوتا ہے، جس کی تعریف معروضی اصطلاحات میں نہیں ہو سکتی۔ "موضوعیتی اپنے موضوع بحث کی حیثیت سے غیر مادی اشیا کی ایک کائنات کا مدعی ہے"۔ اس ذیل میں ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہ موضوعیتی نفسیات موجودیت کا حامی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ وہ تو یہ کہہ کر بحث کا آغاز کرتا ہے کہ خام مواد تو نفسیات و طبیعیات کا ایک ہی ہے۔ "کرداریتی حسوں تمثالوں اور ان تمام مظاہر سے انکار کرتا ہے، جن کے موضوعیتی تامل کے ذریعے سے دریافت کرنے کا مدعی ہے"۔ باقاعدہ کرداریتی دعویٰ یہ ہے۔ لیکن لیشلی آگے چل کر یہ ثابت کرتا ہے کہ تامل کی وہ تمام تحقیقات جو اصلی و حقیقی ہیں، ان کو معروضی اصطلاحات میں ظاہر کیا جا سکتا ہے، اور اس طرح سے انھیں کرداریتی نفسیات میں جگہ مل جاتی ہے۔ اس نے جو یہ کام کیا ہے اس کی قدر و قیمت کو ہم بڑھا کر تو بتانا نہیں چاہتے، اور نہ یہ فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس نے تامل کی حقیقی تحقیقات کے ساتھ انصاف سے کام لیا ہے، یا نہیں یا وہ ان سب کے خارجی اصطلاحات میں ترجمانی کرنے میں کامیاب ہوا ہے یا نہیں، ہم یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ اس کا نتیجہ دو باتوں کے لحاظ سے دلچسپ ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موضوعیت نفسیات میں

بالکل غیر ضروری ہے۔ لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کرداریت کو تامل پر کوئی
اساسی اعتراض بھی نہیں ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کرداریتی اس پر نکتہ چینی کریں، اور
اس کے استعمال میں احتیاط سے کام لیں، کیوں کہ اس میں تو شک نہیں کہ طریق مشاہدہ
ہونے کی حیثیت سے اس میں دشواریاں اور ٹھوکر کھانے کے اندیشے ضرور ہیں۔
لیکن اگر وہ تامل کے نتائج کی خارجی اصطلاحات میں ترجمانی کرسکتے ہیں، اور ان کو
اپنی نفسیات میں اختیار کرسکتے ہیں، تو یہ اساسی نہیں ہوسکتے۔

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جب لیشلی، واٹسن اور دوسرے کرداریتی حسوں اور
تمثالوں سے انکار کرتے ہیں، تو اس ا ن کی جو کچھ مراد ہوتی ہے، اس کے سمجھنے سے ۸۹
میں قاصر ہوں۔ تمثالوں ہی کو لو۔ ایسے شخص کا وہ کیا کریں گے، جو یہ کہتا ہے، کہ جب
میں تمھاری تحریر کو پڑھتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا تمھاری آواز سن
رہا ہوں۔ یا ایسے شخص کا، جو یہ کہتا ہو کہ جب میں تمھاری آواز ٹیلیفون پر سنتا ہوں،
تو مجھے تمھارا چہرہ نظر آتا ہے، یا ایسے شخص کا جو ایک خواب بیان کرتا ہو جس میں
اس نے بعض چیزوں کو دیکھا اور سنا ہے۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹ بول
رہے ہیں، یا ان کے خیال کے بموجب یہ لوگ ایسی روایت کی پیروی کر رہے ہیں
جو بے بنیاد وہم کے مساوی ہے۔ بظاہر یہ اتنے مخالف تو نہیں، بلکہ ان کا منشا یہ معلوم
ہوتا ہے کہ تمثال کو جو کچھ سمجھا جاتا ہے یہ وہ نہیں ہوتی، یعنی یہ بصری یا سمعی نہیں ہوتی۔
(سوائے اس کے کہ حقیقۃً موجود بصری یا سمعی مہیج اس میں عامل ہوں) بلکہ ایک طرح کی
خفی حرکی فعلیت ہوتی ہے جیسے داخلی گویائی ہوتی ہے۔ تمثال کی توجیہ کے لیے اس
قسم کا مفروضہ قابل لحاظ تو ہوگا، مگر یہ تمثال کی حقیقت کو مانے گا، کیوں کہ بصورت دیگر
توجیہ کے لیے کوئی چیز موجود ہی نہ ہوگی۔ اسی طرح سے واٹسن کا یہ مفروضہ کہ فکر
تحت صوتی گفتگو ہے، قابل لحاظ تو ضرور ہے، مگر اس سے فکر کا واقعہ ہونا کسی طرح سے بھی
کالعدم نہیں ہوجاتا۔

اس زمانے میں موضوعیت کا ہوّا خود کو ٹھیک کہاں پر چھپائے ہوئے ہے،
یہ میں قیاس نہیں کرسکتا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے گزشتہ تیس برس یا
اس سے بھی زیادہ سے نفسیاتی حلقوں میں تو اسے کہیں سر اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

لیکن وہ گردوپیش میں کہیں نہ کہیں ضرور ہوگا، تب ہی تو ہم کرداریتوں کو کل میدان میں دوڑتے اور اس پر حملہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

لیکن لیشلی کے متعلق یہ احساس چھوڑنا کہ وہ زیادہ تر لڑنے میں مصروف رہا ہے ناانصافی ہوگی۔ اس نے بہت کام کیا ہے اور حیوانی اور عضویاتی نفسیات میں قابل قدر اضافے کیے ہیں۔ اس کا سب سے مشہور کام قشر دماغ میں بلند تر اعمال و افعال کے مقام کا تعین ہے۔ اس کی سلبی تحقیقات نے عضویاتیوں اور نفسیاتیوں دونوں کو متوجہ ہونے پر مجبور کیا ہے۔

۹۰ دماغ کے اندر مقامات کے تعین کا قصہ تقریباً ۱۸۰۰ء میں دماغیاتی گال سے شروع ہوا تھا۔ گال حکیمانہ جذبے کا تشریحی تھا، وہ بعض شخصوں کے سروں کی عجیب وغریب ساخت سے بہت متاثر ہوا جن کی ذہنی خصوصیات بھی عجیب تھیں۔ اس لیے اس نے یہ نظریہ قایم کیا کہ دماغ کے مختلف حصوں کی غیر مساوی ترقی غیر معمولی ذہنی خصوصیات اور کاسۂ سر کی غیر معمولی شکل کا باعث ہوتی ہے۔ اُس کے خیال میں دماغی سطح کا ایسا نقشہ کھینچنا ممکن ہے، جس میں رقبوں کی بڑی تعداد ہو، اور ہر رقبہ ہر خصوصیت کے لیے ہو، مثلاً ایک رقبہ ملنساری کے لیے ایک اکتساب کے لیے ایک احترام کے لیے، ایک ظرافت کے لیے، ایک زبان کے لیے، ایک تعداد کے لیے وغیرہ۔ مقامیت کا یہ دماغیاتی نظام دماغ کے براہ راست عضویاتی مطالعے پر مبنی نہ تھا جب ۱۸۲۵ء کے قریب عضویاتیوں نے حیوانوں کے دماغوں پر اختیارات کرنے شروع کیے تو انھیں گال کی مختص اعضا کی تجویز کے مطابق کوئی چیز نہ ملی، اور فلاؤرینس نے جو اس زمانے کا سربرآوردہ عضویاتی تھا یہ اعلان کردیا کہ دماغ بحیثیت مجموعی عمل کرتا ہے۔ ۱۸۷۰ء کے قریب زیادہ غور وخوض کے بعد عضویاتیوں نے بعض رقبوں کو بعض اعمال سے قطعی طور پر متعلق پایا، لیکن ان اعمال و افعال کو گال کی فہرست سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ۱۹۰۰ء سے پہلے تشریحی اور عضویاتی طریقوں اور انسان میں دماغی چوٹوں کے مطالعے سے اس امر کا قطعی ثبوت مل گیا تھا کہ بڑے حاسوں میں سے ہر ایک قشر کا ایک علیحدہ رقبہ اپنے لیے مخصوص رکھتا ہے۔ مثلاً شبکیہ کا تعلق عصبی تاروں کے ذریعے سے نسبتہً ایک چھوٹے رقبے سے ہے، جو دماغ کی پشت پر فص صدغی میں واقع ہے۔

اور انسان میں اس رقبے کا کامل طور پر برباد ہو جانا اُسے اندھا کر دیتا ہے۔ حسی رقبوں کے علاوہ حرکی رقبے کا بھی تعین کیا گیا۔ تشریحی اعتبار سے اس کا عضلات سے براہ راست تعلق ہے، اور اس کے ضایع ہونے سے انسان حرکی فالج میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جنگ عظیم میں گولیوں اور گولوں سے ایسے ہزارہا آدمی زخمی ہوئے تھے، جن کے قشر کے چھوٹے محدود قطعات متاثر ہو گئے، اس لیے اس وقت ان نتایج کے جانچنے کے بکثرت مواقع ملے اور ان کی کافی طور پر تصدیق ہو گئی۔

لیکن حسی اور حرکی تمام رقبوں کو ملا کر بھی انسان کے قشر کا بہت ہی تھوڑا حصہ 91
ہوتا ہے۔ از روئے خوردبین باقی قشر کی ساخت یکساں نہیں ہے۔ اور اس مفروضے کے لحاظ سے (جس کے صحیح ہونے کا ظن غالب ہے) کہ ساخت کے فرق سے وظیفہ و عمل کا فرق لازم آتا ہے، یہ خیال کیا گیا، کہ بلند تر وظایف کے لیے بھی علیحدہ علیحدہ مقامات ہوں گے۔

اگر اعلیٰ وظایف کا مطالعہ ان کی مقامیت سے ہونا ممکن تھا تو نفسیاتیوں کے لیے وقت آگیا تھا کہ وہ عضویاتیوں کے ساتھ متحد ہو کر مطالعہ کریں۔ فرینز نے جس کی شخصیت میں دونوں مجتمع تھے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ فرینز (پیدائش ۱۸۷۴ء) کیٹل کا شاگرد اور کئی سال تک کولمبیا کے معمل میں اس کا بڑا مددگار رہا تھا، جہاں اسی زمانے میں ایک سال تک تھارن ڈائک بھی حیوانی تحصیل علم کے مطالعوں میں مصروف رہا تھا۔ اس کے بعد فرینز نے چند سال عضویات کے مطالعے میں بسر کیے۔ ۱۹۰۰ء کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس نے تھارن ڈائک کے حیوانوں کے سکھانے اور ان کی جانچ کرنے کے طریقوں کو دماغ کے بعض حصوں کے ضایع کر دینے کے عضویاتی طریقے سے ملا کر بلند تر اعمال و افعال کے دماغی مقام کا پتا چلانے کا نیا طریقہ ایجاد کیا، مثلاً یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا بلی کے فصوص جبہی ایک کھٹکے کو ہٹا کر پنجرے سے باہر آنے کے سیکھے ہوئے رد عمل سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں، اس نے پہلے بلی کو کھٹکا ہٹا کر پنجرے سے باہر آنا سکھایا، اور اس کے بعد اس کے فصوص جبہی نکال ڈالے۔

اس کے بعد حیوان کو عمل جراحی کے صدمے سے صحت یاب ہونے کا موقع دیا گیا، اور پھر امتحان کیا گیا کہ آیا پنجرے سے نکل آنے کی جو ترکیب سیکھی تھی، وہ اسے یاد ہے یا نہیں۔ اگر یاد نہیں تھا، تو اس نے اس ترکیب کے دوبارہ سیکھنے کا موقع دیا۔

قصوص جبھی پر جو اس نے امتحانات کیے ہیں، ان کے نتایج سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ دماغ کے اس حصے کے ضایع ہو جانے سے سیکھی ہوئی ترکیبیں تو بھول جاتی ہیں لیکن ان کی وجہ سے حیوان کے انھی ترکیبوں کو تقریبًا اسی سہولت کے ساتھ دوبارہ سیکھ لینے میں کوئی شے مانع نہیں ہوتی، جتنی سہولت کے ساتھ ضرر سے پہلے اُس نے سیکھا تھا۔ فرینز اس مفید راستے پر کئی سال تک چلتا رہا اور بعض بہت ہی قیمتی نتایج مرتب ہوئے، جن میں بعض فالج اور فتورِ نطق کے مریضوں کی دوبارہ تعلیم کے لیے عملی قدر وقیمت رکھتے ہیں۔

۹۲ لیشلی نے اس راہ پر فرینز کے معاون کی حیثیت سے کام کرنا شروع کیا۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں انھوں نے تربیت و تلف کے مشترکہ طریقے کے نتایج کو تجربہ خانے کے اس پسندیدہ حیوان کے متعلق ظاہر کیا جسے سفید چوہا کہتے ہیں۔ یہ جانور تحصیلی اختبارات کے لیے بہت موزوں ہے، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ دماغی ترقی میں یہ بلی یا بندر کے مقابلے میں انسان سے اور زیادہ دور ہے۔ لیشلی نے اس جہت میں بہت محنت کی ہے، اور اس کے نتایج بہت ہی حیرت انگیز ہیں، اگرچہ کسی قدر عسیر الفہم ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے نتایج فرینز کے نتایج کی طرح سے اس شخص کی سمجھ میں مشکل سے آتے ہیں جسے ہر سیکھے ہوئے عمل کے لیے ایک چھوٹا سا محدود مرکز پانے کی توقع ہوتی ہے۔ قشر کی بڑی مقدار کے ضایع کر دینے سے تو جو ہے کی تحصیلی قوت ضرور سست پڑ جاتی ہے، لیکن اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، کہ چوہے کے قشر دماغ کا کونسا حصہ ضایع کر دیا جاتا ہے اور کونسا دوبارہ سیکھنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بظاہر وہ بھول بھلیاں کو ایک حصے سے بھی اتنی ہی اچھی طرح سے سیکھ لیتا ہے جس طرح سے کسی دوسرے سے۔ قشر دماغ کی جتنی زیادہ مقدار ضایع کی جاتی ہے، اتنی ہی اس کی سیکھنے کی قوت میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ جب صرف آدھا قشر باقی رہ جاتا ہے اس وقت بھی آسان کرتب تو خاصی آسانی سے سیکھ لیے جاتے ہیں لیکن ایسی حالت میں دشوار کرتبوں کا سیکھنا تقریبًا ناممکن ہوتا ہے۔ لیشلی اپنی تحقیقات کا دو اصولوں کے تحت خلاصہ کرتا ہے۔

ے Brain Mechanics & Intelligence مصنفہ کے اس لیشلی (طبع جامعہ شکاگو پریس ۱۹۲۹ء)

اصول قوت مساوی یعنی قشر کا ہر حصہ بالقوہ طور پر کسی سیکھے ہوئے عمل میں حصہ لینے کی قابلیت کے اعتبار سے ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کہ دوسرے حصے ہوتے ہیں۔ اس دعوے کے اندر حسی اور حرکی رقبے داخل نہیں ہیں۔ اصول قوت مساوی حسب ذیل ہے۔ قشر دماغ بحیثیت مجموعی عمل کرتا ہے، جتنا زیادہ قشر حاصل ہو سکتا ہے، اور جتنا موثر طور پر یہ عمل کرتا ہے اتنی ہی تیزی کے ساتھ حیوان سیکھتا ہے۔

قشری اعمال و افعال کی تاریخ کا پیچیدہ ہونا لازمی ہے اور ہم یہ امید نہیں کر سکتے، کہ لیشلے نے اس موضوع کو انتہا کو پہنچا دیا ہے۔ یہ بات کہ قشر بحیثیت مجموعی عمل کرتا ہے، لفظ بہ لفظ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا منشا یہ ہے، کہ دور رس نمونوں یا حرکی
نظاموں کی صورت میں عمل کرتا ہے، نہ کہ الگ تھلگ مرکزوں کی صورت میں۔ لیشلی ۹۳
خود کہتا ہے کہ میرے نتایج کا کل رجحان اس جانب ہے، کہ سادہ اضطراری قوس کو دماغی عمل کی اکائی کی حیثیت سے تسلیم نہ کر لیا جائے۔ لہذا ہم سادہ اضطراری عمل کے تصور پر مشروط اضطراری عمل کے تصور کو عاید کر کے یہ یقین نہیں کر سکتے، کہ ہمیں ہر قسم کے اکتسابی عمل کی کنجی مل گئی ہے۔ واٹسن کے کام جاری رکھتے ہوئے لیشلی جو ایک اور نتیجے تک پہنچا ہے، اس سے اس نتیجے کو تقویت پہنچی ہے۔ ایک بھول بھلیاں میں سے نکلنے کو قدموں اور موڑوں کا ایک سلسلہ خیال کیا جا سکتا ہے اس لیے اس کو آسانی کے ساتھ اضطراری اعمال کا ایک سلسلہ خیال کر لیا گیا۔ واٹسن نے ثابت کیا تھا کہ جو چوہے بھول بھلیاں میں سے نکلنا سیکھ چکے تھے وہ اس میں سے اس حالت میں بھی نہایت عمدگی سے باہر آ گئے جب عمل جراحی کے ذریعے سے ان کی بصارت بو، سماعت اور لمس کی بیشتر قوتوں کو ایک ایک کر کے یا مجموعی طور پر ضایع کر دیا گیا۔ اس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ باقی یعنی عضلی حاسہ ہی ایسا رہ جاتا ہے، جس سے جانور کو وہ حسی اشارے ملتے ہوں گے، جن کی بدولت وہ سیکھے ہوئے راستے پر چل سکتا ہوگا۔ اسی لیے اس نے بھول بھلیاں سے نکلنے کو اضطراری حرکات کا ایک سلسلہ قرار دیا، جس میں ہر حرکت حاسۂ عضلی کے ذریعے سے دوسری حرکت کے لیے مہیج فراہم کرتی ہے لیکن لیشلی کو عضلی حاسے کے بھی دور کرنے کا ایک طریقہ ہاتھ آ گیا اور وہ اس طرح سے کہ اس نے نخاع اور اس کے ایصالی راستے کو قطع کر دیا اس کے بعد بھی چوہے بھول بھلیاں میں سے بلا دقت نکل آئے۔ اسے یہ شہادت بھی ملی کہ ایک چوہا بھول بھلیاں میں سے نکلنا سیکھتے وقت باہر آنے کے راستے کی جہت میں ایک قسم

کی عام درایت حاصل کرلیتا ہے، اس لیے اس کا بھول بھلیاں سے باہر آنا اضطراری حرکات کا سادہ سلسلہ نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ لیشلی کی حالیہ تحقیقات اکثر علمائے کرداریت کے لیے پریشان کن ثابت ہوئی ہے، کیوں کہ وہ اضطراری عمل مشروط اضطراری عمل، اور اضطراری سلسلے کو اس وجہ سے پسند کرتے تھے کہ ان سے کردار کی سادہ تعبیر مہیا ہوتی معلوم ہوتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ راز ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا ہے۔ لیکن میرے خیال میں کرداریت کسی ایک مفروضے یا توجیہ کے ساتھ اس طرح سے وابستہ نہیں ہے کہ اگر وہ خاص توجیہ رد ہو جائے اور اس کی جگہ کوئی اور صحیح تر توجیہ لے لے، تو اس میں کسی قسم کا تزلزل واقع ہو جائے، کیوں کہ کرداریت کوئی مقررہ نظریہ نہیں ہے، بلکہ ایک انداز یا روش ہے۔

ان حالیہ انکشافات کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے علمائے کرداریت اور علمائے تشکیلیت اس سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب آگئے ہیں، جتنا کہ پہلے ممکن خیال نہ کیا جاتا تھا۔ ۹۴

کرداریت کی اہمیت

میں یہ یقین کرنے کے لیے تیار ہوں، کہ اب سے پچاس سال بعد کا مورخ جب صدی کے ان ابتدائی تیس سال پر نظر ڈالے گا، تو وہ اس تحریک کو بہت اہمیت دے گا جسے اب ہم کرداریت کہتے ہیں بلکہ مجھے یہ اعتراف ہے، کہ میں اس بات کا اندازہ نہیں کرسکتا، کہ وہ اس اہمیت کو کہاں پائے گا۔ نفسیاتیوں کی نئی پود اس کی جانب شدت سے متوجہ ہوئی ہے، اور بعض ایسے نفسیاتی بھی اس کی جانب راغب ہوئے ہیں، جو زیادہ نوعمر نہیں ہیں، نفسیاتیوں کے حلقے سے باہر بھی بعض اشخاص اس کی جانب شدت سے رجوع ہوئے ہیں یہ کس بنا پر جاذب توجہ ہے، اور اس کی زندگی کے عناصر کیا ہیں؟ یہ بات قابل غور ہے۔

ابتداً کرداریت کا ظہور اصلاح طریق کی حیثیت سے ہوا۔ یہ معروضی طریقوں کے استعمال پر زور دیتی تھی، اور تامل کی خدمت کرتی تھی۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکیں گے کہ اس نے نفسیات

کے اندر معروضی طریق کو رواج دیا ہے۔ کیوں کہ یہ طریقہ تو عرصے سے مستعمل تھا۔ اس نے نفسیات میں حیوانی اختبار کو بھی رواج نہیں دیا بجز اس صورت کے کہ ہم یوروپی نفسیاتیوں کی تقلید کریں جو ہمارے امریکی کارناموں کو دور سے دیکھتے ہیں، اور تھارن ڈائک کو سب سے بڑا کرداریتی شمار کرتے ہیں لیکن ایسا کرنے سے تو کرداریت کی ابتدا بجائے ۱۹۱۲ء کے سنہ ۱۸۹۸ء سے شمار کرنی ہوگی، اور اس بحث کو، جو قانون اثر پر ہوئی ہے، معمولی سمجھنا اور کرداریتی گروہ کو بہت زیادہ وسعت دینا ہوگا۔ ممکن ہے کہ پچاس سال بعد کا مورخ ہمارے ساتھ یہی کرے۔ اگر ایسا ہوا تو غالباً وہ پاولاف اور بیخٹریف کو حامیان کرداریت میں شامل کرلے گا، اور اس طرح سے مشروط اضطراری عمل کے طریق اختبار کی ایجاد کا سہرا بھی کرداریت کے سر رکھے گا۔ اس کے علاوہ شاید وہ کرداریت سے کسی اور خاص ۹۵
معروضی طریقے کی ایجاد کو منسوب نہ کرسکے۔

ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے، کہ کرداریت نے تامل کو نفسیات سے خارج کردیا ہے، کیوں کہ تاملی نفسیاتیوں نے اپنے کام کو جاری رکھا ہے، جس کا بعض حصہ بہت ہی اہم ہے۔ اس امر کی کوئی علامت نہیں ہے، کہ تامل نفسیات سے خارج ہوجائے گا۔ ہم نے حامیان کرداریت کو اسے زبانی بیان کے نام کے تحت تسلیم کرتے ہوئے اور یہ ثابت کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ اس کی تحقیقات کو معروضی نفسیات میں اختیار کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ تامل کا استعمال طریق تحقیق کی حیثیت سے محقق کو کسی موضوعیت کا پابند نہیں بنا دیتا، اور یہ نفسیات کے کامل طور پر علم طبیعی ہونے کے تصور کے معارض نہیں ہیں۔

کرداریت کا ان اصطلاحات اور تصورات پر جو نفسیاتی استعمال کرتے ہیں زیادہ اثر ہوا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں ان طریقوں پر اتنا اثر نہیں ہوا ہے جن کے ذریعے سے وہ اپنے معطیات حاصل کرتے ہیں۔ پہلے ایسے نفسیاتی جو درحقیقت عمل کا مطالعہ کیا کرتے تھے، یہ رسمی بات کہا کرتے تھے، کہ وہ شعور کی ایک شکل کا مطالعہ کر رہے ہیں یہ بات موجودیتی نقطۂ نظر سے بھی اتنی ہی مہمل ہے جتنی کہ کسی اور نقطۂ نظر سے کیوں کہ خود وہ جانتا تھا، کہ عمل کے بیان کرنے اور محض تجربے کے بیان کرنے میں فرق ہے نفسیاتی کام کا ایک بڑا حصہ عمل کے مطالعے پر مشتمل ہے، اور حامیان کرداریت نے نفسیات کے اندر یہ حقیقی خدمت انجام دی ہے، کہ انھوں نے ہم کو عمل کی اصطلاحات میں بولنے پر مجبور کیا ہے

جب کہ ہماری مرا دئل ہی ہو۔

مگر ہم یہ فرض نہیں کر سکتے، کہ جو لوگ نفسیاتی حلقے سے باہر ہیں، وہ اصطلاحات تصورات اور طریقوں کے فنی مسایل سے جوش میں آجائیں گے۔ عام لوگ یہ معلوم کر کے کیوں پریشان ہوں گے، کہ تامل سے بعض نفسیاتی معملوں میں کام لیبا جارہا ہے، یا بعض نفسیاتی حسوں، تمثالوں، احساسات اور خواہشوں کے مدعی ہیں، اور عام لوگ اس بہادر کی تعریف میں کیوں رطب اللسان ہوں گے، جوان اوہام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے چلا ہے۔ عام لوگوں کا وہ حصہ جو کالجوں کے اندر نفسیات کے نصابوں پر عرق ریزی کرتا ہے، وہ تو یقیناً ان سادگیوں کو لبیک کہے گا، جن کو
۹۶ کردار یت نفسیات میں رایج کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بعض سادگیاں اور سہولتیں محض زبانی تھیں، اور بعض اسرار جن کے جنبش دست سے محو ہونے کا دعویٰ کیا گیا تھا، غیر حل شدہ مسایل کی صورت میں باقی رہے ہیں۔ لیکن بعض سادگیاں اور سہولتیں حقیقی بھی ہیں، کیوں کہ کرداریت نے بعض غیر نفسیاتی مسایل کے بھلا دینے میں ضرور مدد کی ہے، جو اسے فلسفے سے میراث میں ملے تھے۔

لیکن کرداریت کو نفسیات کے حدود سے باہر بھی اہمیت حاصل ہے یہ عمرانیات کے اندر ہے۔ میرے پاس ایک نئی قسم کی عمرانیات کی کتاب کا اشتہار ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ صفائی کے ساتھ اور باقاعدگی سے کرداریتی ہے مصنیف امریکی زندگی کے حقیقی مسایل پر نظر رکھتے ہیں، اور ان سے قابل تصدیق مواد کی بنیاد پر بحث کرتے ہیں۔ اب اگر ہماری کرداریت نے عمرانیاتیوں کو حقیقی مسایل علم طبیعی کی طرح سے بحث کرنے کے قابل بنا دیا ہے تو بلاشبہ کرداریت کی بہت بڑی اہمیت ہے

لیکن کرداریت کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ میرے پاس واٹسن کی کتاب کے جس کا نام کرداریت ہے کچھ اشتہارات ہیں، یہ نفسیاتی کے نقطۂ نظر سے اس کی سب سے زیادہ حکیمانہ کتاب نہیں ہے۔ لیکن اس نے بھی بڑے بڑے دعوے کیے ہیں، چنانچہ لندن کا اخبار قوم لکھتا ہے:۔

"اس کی نئی کتاب صرف نیا طریقہ ہی پیش کرنے کی مدعی نہیں ہے، اور نہ یہ صرف نفسیاتی نظریے کے ایک مجموعے کو پیش کرتی ہے، بلکہ یہ تو ایک ایسے نظام کے پیش کرنے

کی مدعی ہے، جو اس کی رائے کے بموجب اخلاقیات، مذہب، تحلیل نفسی غرض کہ تمام ذہنی اور اخلاقی علوم میں انقلاب پیدا کر دینے کا دعویدار ہے۔"

اس اعلان کو ذہن میں رکھ کر اگر ہم کتاب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہم واٹسن کو یہ کہتا ہوا پاتے ہیں، کہ کرداریت ایسا علم طبیعی ہے، جو انسان کے تمام کردار اور تطابقات کو اپنا میدان قرار دیتا ہے، جس کا یہ اختیاری طریقوں کے ذریعے سے مطالعہ کرتی ہے، تاکہ انسان کا کردار حکمت کی تحقیقات کے مطابق قابو میں رکھا جائے۔ وہ کہتا ہے کہ مسایل انسانی تک علم طبیعی کے انداز سے پہنچنے میں جو روز افزوں کامیابی ہو رہی ہے، اس کی بدولت فلسفہ غایب ہوتا جا رہا ہے، اور حکمت کی تاریخ بنتا جا رہا ٩٧
ہے۔ اس کامیابی سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ قدیم اقتداری اور فکری اخلاقیات کی جگہ، جو مذہب پر مبنی ہے، اختیاری اخلاقیات لے لے گی۔ اور یہ کہ رفتہ رفتہ یہ تحلیل نفسی کو مٹا دے گی اور اس کی جگہ بچے کے نشو و نما کے حکمی مطالعوں کو دے گی جن کی بنا پر بچے کے نشو و نما کو اس طرح سے قابو میں رکھا جائے گا، کہ نفسی مرضی حادثوں کا سد باب ہو سکے گا جن کا اب بلوغ کے بعد علاج کرنا پڑتا ہے۔ وہ اپنے نظام کو تقریباً اتنے ہی الفاظ میں بیان کرتا ہے، جتنے کہ میں نے اپنی تشریح میں استعمال کیے ہیں۔ یہ نظام نہیں، بلکہ لایحہ عمل ہے، اور لایحہ عمل نہیں بلکہ امید ہے۔

لیکن یہ بات نہایت ہی اہم ہے، کہ ایسا شخص جس نے ایک نمایندہ حکمت کی حیثیت سے لوگوں پر اثر پیدا کیا تھا، وہ شدت کے ساتھ اس امید کو ظاہر کرے۔ اس کتاب کے متعلق نیویارک ٹائمس نے لکھا ہے کہ "یہ نوع انسان کی علمی تاریخ میں ایک نئے دور کا پتا دیتی ہے۔"

ٹائمس کا یہ تبصرہ تو خوب ہے۔ آؤ اب ٹریبیون کی بات سنیں۔ ٹریبیون کہتا ہے، کہ "یہ شاید سب سے زیادہ اہم کتاب ہے، جو کبھی لکھی گئی ہے" ایک لمحے کے لیے عظیم الشان امید سے انسان کی نظریں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

غالباً یہاں واٹسن کا یہ نہایت ہی اہم دعویٰ پیش نظر ہے، جو اس نے اس کتاب میں کیا ہے، کہ وہ کسی تندرست اور صحیح و سالم بچے کو لے کر جیسا چاہے بنا سکتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اسے بچے کے ماحول پر پورا پورا قابو ہو۔ یہ بھی صرف ایک نظام عمل ہی تھا، جیسا کہ وہ

کتاب کے اندر ذرا اور آگے چل کر تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس جسارت آمیز عرصے کی غرض دعوت عمل ہے، اور اس کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ عوام اس نہایت ہی وسیع تحقیق کا انتظام کریں، جس کی بچے کے نشو و نما کے لیے ضرورت ہے۔ اس کا یہ خیال صحیح تھا، بلاشبہ ایسی تحقیق کی ضرورت ہے، اور اس سے ممکن ہے کہ وہ نتایج حاصل ہوں جن کی وہ پیشین گوئی کرتا ہے لیکن فی الحال اگر تم چند تندرست بچے ان ہدایات کے ساتھ اس کے سپرد کرو کہ وہ ان میں سے ہر ایک کو بڑا مصور یا بڑا تاجر یا بڑا لیڈر بنا دے، تو مجھے یقین ہے کہ وہ
۹۸ بالکل پریشان ہو جائے گا، اور اس کی یہ سمجھ میں آ سکے گا کہ تربیت کی ابتدا کس طرح سے کی جائے فی الحال ضروری حکمی علم نہ تو اسے حاصل ہے اور نہ کسی اور کو۔ لیکن یہی امید ہوگی جس سے تبصرہ کرنے والے کی نظریں خیرہ ہو گئی ہوں گی۔

کرداریت کو عوام میں اس وقت جو اہمیت حاصل ہے، وہ اس تحریک کے اخلاقی اوصاف کی بنا پر ہے، نہ کہ حکمی کامیابیوں کی بدولت۔ یہ اوصاف اس کی جرأت آزادی مستقل مزاجی میں نیز اس بارے میں غیر محدود یقین کہ حکمت انسانی معاملات کو اپنے قابو میں لینے کی کامل اہلیت رکھتی ہے۔ میرے ایک شاگرد نے جو اس نسل سے ہیں، جس کا نشو و نما جنگ کے بعد ہوا ہے، مجھ سے کہا ہے کہ کرداریت کے معنی اکثر لوگوں کے لیے نئی امید اور نئی سمت کے تعین کے ہیں، ایسی حالت میں کہ قدیم راستہ بتانے والے کھمبے قطعی طور پر نامقبول ہو گئے ہیں۔ یہ ایک مذہب ہے جو دوسرے مذہب کی جگہ لینے کے لیے پیش کیا گیا ہے۔

باب ۴

تشکیلیت

ٹھیک اس وقت جب کرداریت کا امریکا میں ظہور ہو رہا تھا، جرمنی میں نوجوان نفسیاتیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت نے ایسے سلسلۂ فکر کا آغاز کیا، جس سے ان کے نفسیات کے مقصد اور طریق کے تصورات میں انقلاب ہو گیا، اور جس کی بنا پر اس زمانے کے نفسیاتی مذہبوں میں سے ایک نہایت ہی طاقتور مذہب معرض وجود میں آگیا۔ اگرچہ اس مذہب کی عمر اتنی ہی ہے، جتنی کہ کرداریت کی ہے، لیکن ممالک متحدہ امریکا میں اس کا علم رفتہ ہی رفتہ ہوا ہے، اور یہ ہمیں نفسیات کے مذاہب میں سے سب سے کم عمر مذہب معلوم ہوتا ہے۔

یہ گروہ لفظ Gestalt کو بطور نعرے کے استعمال کرتا تھا، اور اس بنا پر یہ مذہب Gestalt کہلاتا ہے Gestalt کے معنی شکل یا صورت کے ہیں، اکثر نمونے سے بھی یہ تصور ادا ہو جاتا ہے۔ نفسیاتی استعمال کے لئے Configuration (تشکیل) انگریزی مرادف قرار دیا گیا ہے اور Gestalt کے نفسیاتیوں کو بعض اوقات تشکیلیتی کہا جاتا ہے۔

تشکیلیت کی انتہا پسندی

اس نئے مذہب کے متعلق سب سے پہلی چیز جو سمجھنے کے لائق ہے، وہ یہ ہے کہ اور مذہبوں کی طرح سے اس کا آغاز بھی مقررہ نظام کے خلاف بغاوت سے ہوا۔ اس نے اپنے زمانے کی مسلمہ نفسیات سے قطع تعلق کر لیا۔ خاص طور پر اس نے ونٹ کے خلاف بغاوت کی، اور زیادہ عمومیت کے ساتھ ائتلافیت کے خلاف، جو نفسیات میں سترھویں اور اٹھارھویں صدی سے رائج چلی آتی ہے۔ ائتلافیت کا انیسویں صدی میں نفسیاتی نظریے پر بہت کچھ غلبہ ہو گیا تھا، اگرچہ یہ غلبہ کامل نہ تھا۔

ائتلافیت کی دو خصوصیتیں تھیں۔ اول تو اس کا مقصد تحلیل تھی اور اس کا زیادہ تر تعلق زندگی کے ذہنی پہلو سے تھا۔ اس نے خود کو ایک قسم کی ذہنی کیمیا خیال کر لیا تھا، اور یہ ابتدائی اعمال و تجربات کو تلاش کر کے ان کی ترکیب کے قوانین تلاش کرتی تھی۔ اپنی توجہ کو زندگی کے عقلی رخ پر مرکوز رکھ کر اس نے جاننے کے سب سے سادہ اعمال کا پتا چلانے کی کوشش کی، یا ان سادہ ترین تجربات کا، جن سے کوئی نہ کوئی علم ہوتا ہے۔ اور اس نے سادہ حسوں کو ایسے عنصری یا ابتدائی اعمال تسلیم کر لیا جن سے پیچیدہ اور مرکب تجربات اور تصورات بنے ہیں۔

کرداریت اور تشکیلیت والوں نے نفسیات کے اسی مقررہ نظریے کے خلاف بغاوت کی، مگر ان کی بغاوتیں بہت مختلف تھیں۔ کرداریت نے قدیم تر نفسیات کی عقلیتی تعصب کے خلاف بغاوت کی، اور اس امر پر اصرار کیا، کہ ایک حیوان یا انسان کو حرکت کرنے والا یا کرداری عضویہ قرار دیا جائے۔ تشکیلیت نے تحلیل کے خلاف بغاوت کی، جو نفسیات کا اساسی مسئلہ تھا۔ جہاں کرداریت نے یہ کہا تھا، کہ ہمیں تجربے کی نہیں، بلکہ کردار کی تحلیل کرنی چاہیے، وہاں تشکیلیتی یہ کہتے تھے کہ ہم تحلیل کے ذریعے سے خواہ وہ کردار کی ہو یا تجربے کی، کبھی زیادہ آگے نہ بڑھیں گے۔ کرداریت نے ائتلاف تصورات کی قدیم ترکیب کو مسترد کر کے ائتلاف ہیج و حرکی ردعمل اختیار کر لیا تھا۔ اس کے برخلاف

تشکیلی نفسیات یہ سمجھتی تھی کہ ائتلاف کا پورا تصور ہی گمراہ کن ہے۔ دونوں حسوں کو یا کم از کم ابتدائی حسوں کو رد کرتے تھے لیکن ان کے رد کرنے کے وجوہ مختلف تھے۔ کرداریت اس لیے رد کرتی تھی، کہ حس حرکی جواب یا ردعمل نہیں ہوتی، اور تشکیلی نفسیات اس لیے کہ اسے تجربے کا عنصر یا سالمہ فرض کیا گیا ہے۔ کرداریت نے اضطراری عمل کی تائید کی، اور یہ مشروط یا متولف اضطراری اعمال کو پسند کرتی تھی، کیوں کہ اس سے یہ پتا چلتا تھا کہ ابتدائی اضطراری اعمال سے مرکب و پیچیدہ کردار کس طرح سے بنا ہے۔ تشکیلی نفسیات سادہ اضطراری عمل کی اسی طرح مخالف تھی جس طرح سے کہ سادہ حس کی مخالف تھی۔ کرداریت 101
تامل کو ناپسند کرتی تھی، کیوں کہ اس سے کردار کے بجائے تجربہ 'منکشف ہوتا ہے لیکن تشکیلیت کو وسیع معنی میں تامل پر کوئی اعتراض نہ تھا، لیکن تحلیلی قسم کے تامل پر انھیں ضرور اعتراض تھا، جسے موجودیتی نفسیاتی مواد حاصل کرنے کے واحد حقیقی طریقے کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔ موجودیت کرداریتی نفسیاتیوں کو موضوعیت بلکہ فوق الفطریت سے آلودہ معلوم ہوتی تھی اور تشکیلیت کے حامیوں کو مصنوعی معلوم ہوتی تھی۔

جس نظام کے خلاف تشکیلیتی نفسیاتیوں نے بغاوت کی، اس کے ظاہر کرنے کے لیے میں اس خاکے کو بیان کرتا ہوں، جو ونٹ نے نفسیات کے کام کا تیار کیا ہے۔ وہ یہ کہہ کر ابتدا کرتا ہے، کہ تجربہ عناصر کی صورت میں نہیں بلکہ مرکبوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ ہر تجربہ، ہر تصور، ہر جذبہ، ہر ارادہ عمل مرکب ہوتا ہے۔ لہذا نفسیات کا پہلا کام یہ ہے کہ ان پیچیدہ اعمال کو ان کے عناصر میں تحلیل کرے، پھر عناصر کے ترکیب پانے کے طریقوں اور ان کی ترکیب کے قوانین کا مطالعہ کرے۔ تشکیلیتی اس کو اینٹ گارے کی نفسیات کہتے تھے، جس میں زور اینٹ پر دیا گیا تھا، کیوں کہ دشواری گارے کے دستیاب ہونے میں پیش آتی ہے۔ گارے کا مسئلہ ائتلافیہ کے لیے بہت سخت رہا ہے۔ ان میں سے بعض کو تو کسی دشواری کا احساس ہی نہیں ہوا ہے، اور بعض اس سوال کے جواب میں کہ عناصر کو کونسی شے متحد رکھتی ہے، صرف لفظ ائتلاف سے مطمئن ہوتے معلوم ہوتے ہیں۔ ائتلافیت کے مخالفین نے اس کے اس بارے میں دیوالیہ ہونے کی طرف اشارہ کیا تھا اور ذہن روح یا ایغو کے ایسے عامل کی حیثیت سے تسلیم کیے جانے کے متعلق استدلال کیا تھا جو ترکیب کا فرض انجام دیتا ہو۔ جیمس نے یہ ثابت کیا تھا، کہ دشواری عناصر

یا سالمات کے فرض کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، جو تجربے میں نہیں ہوتے، کیوں کہ یہ امر تو مسلم ہے کہ تجربہ مرکبات کی صورت میں ہوتا ہے۔ اگر عناصر غیر حقیقی یا فرضی ہوں تو ان کے مربوط و یک جا رکھنے کے لیے ہمیں کسی حقیقی شے کی ضرورت نہیں ہے۔ پس جیمس کے استدلال کے بموجب نفسیات میں تحلیلی ترکیبی مسئلہ پورا کا پورا حقیقی نہیں ۱۰۲
بلکہ مصنوعی ہے۔

ماضی کی اس صدائے بازگشت سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ تشکیلیت کوئی نہ کوئی تاریخی پس منظر رکھتی تھی۔ کُل اور اجزا یا وحدت و کثرت کی اس قدیم استدلالی بحث سے زیادہ اہم نفسیات میں کیفیت شکل یا نمونے کے تصور کا رواج تھا۔ اس موضوع کے متعلق فان ایہرین فیلز کی بحث نے ۱۸۹۰ء میں نفسیات کے متعلق اچھا خاصہ اثر پیدا کیا تھا۔ کیفیت شکل ایسا وصف ہوتا ہے جو کل میں پایا جاتا ہے، اور اس کل کے اجزا میں علیحدہ علیحدہ نہیں پایا جاتا۔ مثلاً ایک نغمہ سپتک کے سروں سے بنا ہوا ہوتا ہے، لیکن یہ ان سروں میں انفرادی طور پر موجود نہیں ہوتا، بلکہ صرف اس صورت میں ہوتا ہے، جب انھیں ایک خاص ترتیب یا سلسلے کے ساتھ ترکیب دی جاتی ہے۔ ایک ہی قسم کے سروں سے بہت سے نغمے بنائے جاتے ہیں۔ سروں کو ایک خاص ترتیب سے مرکب کرنے سے ایک خاص نغمہ پیدا ہو جاتا ہے۔ انھیں سروں کو اگر دوسری طرح سے جمع کرو تو پہلے سے بالکل مختلف نغمہ پیدا ہو جائے گا۔ تم نغمے کو دوسرے کھرج میں بھی بدل سکتے ہو۔ اس طرح سے نئے سروں کو لے کر انھیں مناسب طور پر ترتیب دینے سے تمھیں وہی نغمہ مل جائے گا جو کہ پہلے کھرج میں تھا۔ موسیقی کی زبان میں اسی مطلب کو اس طرح سے ادا کر سکتے ہیں کہ تم ایک نغمے کو ایک کھرج سے دوسرے کھرج میں منتقل کر سکتے ہو، یعنی تمام سر یا عناصر تو بدل جائیں گے مگر نغمے میں کوئی تبدیلی نہ ہو گی۔ جب تم ایک نغمے کو پہچانتے ہو تو سروں کو نہیں بلکہ خود نغمے کو پہچانتے ہو۔ پس نغمہ اپنی ایک علیحدہ شکلی کیفیت رکھتا ہے، اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ نقطوں کا ایک نمونہ ایک ایسی شکل یا ہیئت رکھتا ہے جو نقطوں میں نہیں ہوتی۔ اور جو نقطوں کے رنگ کے بدلنے کے بعد بھی بدستور ویسی ہی رہے گی۔ ایک ہی قسم کے عناصر سے مختلف صورتیں شکلیں یا نمونے بنائے جا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کل کے اوصاف و خواص کے نفسیاتی مطالعے کی بھی اسی طرح سے ضرورت تھی جس طرح سے عناصر کی۔

سنہ ۱۸۹۰ء سے نفسیاتیوں نے دیکھ لیا تھا، کہ نفسیات کے اندر شکلی صفات کے داخل کرنے میں کچھ دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ ان کے لیے اسی طرح سے عناصر میں جگہ تلاش کرنے کی کوشش کی گئی جس طرح سے بعض بے تمثال فکر کے نفسیاتی فکر عناصر کی نسبت گفتگو کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ لیکن تشکیلی مذہب نے جس کی ابتدا سنہ ۱۹۱۲ء سے ہوئی تھی اس امر پر زور دیا کہ عناصر اور مرکبات کا کل امتیاز ہی نفسیات میں گمراہ کن ہے۔ انھوں نے اس امر پر بھی زور دیا کہ نفسیات میں منظم کلوں کے خواص ایک اہم مسئلہ فراہم کرتے ہیں ہمیں عناصر کے اس قدیم مسئلے کو بھول جانا چاہیے اور منظم کل جس طرح سے تجربے اور عمل میں واقع ہوتے ہیں، اس طرح سے ان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ کن حالات میں۔ ایک نیا نمونا واقع ہوتا ہے؟ ان کے نزدیک یہ حقیقی مسئلہ ہے، ایسا مسئلہ جس کی نفسیات کے ہر باب اور ہر مسئلے میں بار بار دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

تشکیلی نفسیات منظم کلوں پر زور دیتی ہے

اگر تشکیلی نفسیاتیوں نے ان نظری امور پر اکتفا کیا ہوتا جن کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے، تو ان کے مذہب سے وہ قوت ظاہر نہ ہوتی جو کہ اب اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ لوگ اختباری بھی تھے، اور یہ اپنے اصول کو عمل میں لے گئے، اور اس کی روشنی میں انھوں نے بہت سے نئے اور مفید اختبارات ترتیب دیے۔ انھوں نے نئے اور پرانے دونوں طرح کے مسایل پر غور کیا ہے، بلکہ زیادہ پرانے ہی مسایل کو لیا ہے، مگر ان تک نئے زاویے سے پہنچنے کی کوشش کی ہے، اور ایسے نتایج حاصل کیے ہیں جو تمام نفسیاتیوں کو متوجہ ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔

میں ان کے طریق عمل کی تشریح ایک مثال سے کرتا ہوں جس مسئلے سے اس مثال میں عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی گئی ہے، وہ اساسی تو نہیں مگر بہت حقیقی نوعیت کا ضرور ہے۔ یہ جذبے اور سیرت کے چہرے سے ظاہر ہونے کا مسئلہ ہے۔ دوسرے نفسیاتیوں نے اس مسئلے کا بلا تامل تحلیلی مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے چہرے کی ہر خصوصیت کو علحدہ

۱۰۴ لیا ہے اور پھر ان مختلف صورتوں پر غور کیا ہے، جو یہ اختیار کرتی ہے، اور یہ دریافت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ ہر متغیرہ صورت سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ پیشانی کا اٹھا ہوا ہونا، پیشانی کا جھکا ہوا ہونا، آنکھوں کا بالکل کھلا ہوا ہونا، آنکھوں کا آدھا کھلا ہوا ہونا، ہونٹوں کا آگے کو نکلا ہوا ہونا، ہونٹوں کا پیچھے کو ہٹا ہوا ہونا۔ غالباً ان جزئیات میں سے ہر ایک کے معنی نسبتہً خاص سادہ حالات کے ہیں، اور ان سب کے جمع کرنے سے ہمیں ایک مرکب و پیچیدہ جذبی حالت کا اظہار مل جاتا ہے[1]۔

اس مسئلے پر تشکیلی نفسیاتی اس لحاظ سے غور کرتا ہے، کہ چہرے کو بحیثیت مجموعی لینا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ کسی نتیجے تک پہنچنے کے لیے اُسے بہ حیثیت مجموعی کل چہرے پر غور کرنے کے علاوہ بھی کچھ کرنا ہوتا ہے۔ اُسے ایک طرح سے اجزا پر بھی غور کرنا ہوتا ہے، لیکن وہ ان پر کل کی نسبت سے غور کرتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ تصویر میں ایک حصے کا ظاہری انداز ایسی حالت میں بدل سکتا ہے، جب چہرے میں تو تغیر ہوتا، مگر خاص اس حصے میں کوئی خارجی تغیر نہیں ہوتا۔ یا اگر چہرے اور اوپر کا حصہ مع آنکھوں کے پہلے دکھایا جائے، اور پھر باقی چہرے[2] کو بے نقاب کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے خود آنکھوں کا انداز بھی بدل گیا ہے۔ ظلی تصاویر پر کام کرتے ہوئے اس نے دیکھا کہ یک رخی تصویر کے اگر ایک حصے میں خفیف سا تغیر بھی کر دیا جائے، تو اس سے ممکن ہے کل چہرہ بدلتا ہوا محسوس ہو، اور یہ معلوم ہو کہ جیسے کل سیرت ہی بدل گئی ہے۔ اس کے برخلاف یہ ممکن ہے کہ بعض تغیرات بجائے خود بہت بڑے ہوں، مگر ان سے کل چہرے کے انداز میں بہت کم فرق واقع ہوتا ہے۔ ایک ہی ٹھوڑی کو اگر دو مختلف یک رخی تصویروں میں داخل کیا جائے تو یہ شکل اور انداز دونوں اعتبار سے مختلف معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ چہرے کی شکل بہ حیثیت مجموعی کل چہرے

[1] ای جی بورنگ اور ای بی ٹچز۔ امریکن جرنل آف سائکالوجی جلد ۳۴ صفحہ ۴۷۱ تا صفحہ ۵۰۸۔

[2] ار آرہا Psychologische Forschung سنہ ۱۹۲۸ جلد ۱۱ صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۳۲۔

[3] واضح رہے کہ اسی واقعے کو ایک ایسے نفسیاتی نے بھی دریافت کیا تھا جو تشکیلی نہیں ہے، کے ڈنلاپ (Genetic Psychoogy Monographs) (کلارک یونیورسٹی پریس سنہ ۱۹۲۷ء جلد ۲، صفحہ ۱۹۷ تا صفحہ ۲۳۲۔

میں ہوتی ہے، اور اسی طرح سے کل چہرے کا انداز بھی۔

اسی طرح سے تشکیلی نفسیاتی اس امر پر زور دیتا ہے کہ ہمیں شخصیت کی مختلف خصوصیات ۱۰۵ کی فہرست بنا لینے، اور فرد خصوصیت میں سے ایک خاص شرح یا پیمانہ اور آخر میں ان شرحوں کو ایک جدول یا شکل کے اندر برابر برابر رکھنے سے ایک شخص کی سیرت کی حقیقی تصویر نہیں ملتی۔ اس قسم کی جدول سے یہ پتا نہیں چلتا، کہ کونسی خصوصیت فرد کی شخصیت میں مرکزی اور غالب ہے، اور کونسی خصوصیت اس کے اندر ثانوی اہمیت رکھتی ہے۔ اس سے کل شخصیت میں ہر ایک خصوصیت کے کام یا وظیفے کا پتا نہیں چلتا۔ شخصیت خصوصیات کا محض مجموعہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک منظم کُل یا شکل ہے۔

مجموعۂ محض یا خالص مجموعہ وہ ہوتا ہے، جس میں ہر مد دوسرے مدات سے الگ اور مجموعے کے مرتب کرنے میں صرف ایک شمار ہوتی ہے۔ علم حساب میں خالص مجموعے ہوتے ہیں لیکن یہ مجرد ہوتے ہیں۔ مقرروں میں اس امر کا یقینی طور پر پتا چلانا اس قدر آسان نہیں ہوتا کہ مجموعہ الگ الگ مدات پر مشتمل ہے۔ ایک گھر کے کھانے کے کمرے میں جتنی کھانے کی میزیں ہوتی ہیں، ان کا مجموعہ بظاہر بالکل خالص ہوتا ہے۔ اگر ہم ان میں سے ہر ایک کو الگ بیان کرو اور فہرست میں ان کی تشریح لکھ لو تو جہاں تک ضروری تھا وہ تم نے کر دیا۔ تمھیں اس امر پر غور کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان سب میزوں کا مجموعہ کس طرح سے ان میں سے ہر ایک کی خصوصیات کو متاثر کرتا ہے لیکن غیر عضوی دنیا میں بھی منظم کلوں کی مثالیں تلاش کرنا ایسے کلوں کی مثالیں تلاش کرنے کی نسبت آسان ہے، جو اپنے اجزا کے خالص مجموعے ہوں۔ مثلاً نظام شمسی ایک منظم کل ہے، یہ ایک طبیعی شکل ہے، کیوں کہ اس کے ہر جرم کی حرکت ہر دوسرے جرم سے متاثر ہوتی ہے، طبیعی شکل کی میں دو یا تین مثالیں اور بیان کرتا ہوں۔

گردش کرتا ہوا پہیا اس کی مثال ہے۔ کیوں کہ اس کے ہر حصے کی حرکت کل کی صورت پر مبنی ہوتی ہے۔ صورت حال کے واضح کرنے کے لیے آؤ ایک لکڑی کا پہیا بنائیں، اور وہ اس طرح سے کہ دھرے میں لکڑیاں نصب کریں، اور لکڑی کے باہر کے سرے کو ایک لکڑی کی گیند میں بٹھا دیں۔ اس کے معنی یہ ہوں گے، کہ پہیے کا حلقہ ایک درجن گیندوں کا بنا ہوا ہے۔ اس قسم کا پہیا گھومے گا تو سہی مگر جھٹکے کھاتا ہوا۔ اب چوں کہ ہم نے پہیے کو

دہرے تیلیوں اور گیندوں کے ذریعے سے بنایا ہے، تو ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ کُل کی حرکت
اس کے تمام اجزا کی حرکت سے بنی ہوئی ہے لیکن جب ہم گیندوں میں سے ایک کی حرکت ۱۰۶
کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ مستدیر منحنی بناتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور یہ عجیب و غریب حرکت اس کے
پہیے کے ساتھ وابستہ ہونے کی بنا پر اور کُل پہیے کی مدور شکل کی وجہ سے ہوتی ہے۔
ہر گیند ایک مستقل وحدت کی حیثیت سے لڑھکتی یا اچھلتی نہیں ہے۔

صابن کا بلبلا ایک اچھی مثال ہے۔ کیوں کہ اگر تم اس کے ذرا سے حصے کو توڑتے ہو، تو کُل بلبلا بیٹھ جاتا ہے۔ بجلی میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں، کیوں کہ برقی مشین نکلنے والے تار اور تمام روشنیاں یا موٹریں جو ایک دور کے اندر ہوتی ہیں ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہیں، اور دور میں کہیں بھی اگر کوئی تغیر ہوتا ہے تو اس تغیر کی بنا پر ہر نقطے پر برقی رو میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔

انسانی یا حیوانی عضویہ یقیناً ایک مسلم شکل ہے۔ یہ اجزا اور اعضا کا مجموعۂ محض ہی نہیں، بلکہ ایک منظم کل ہے۔ دوران خون اور نظام عصبی کے ذریعے سے عضویے کے تمام حصے ایک دوسرے سے باہم ربط رکھتے ہیں۔ بعض حصے بلاشبہ بعض کی نسبت زیادہ باہم مربوط ہوتے ہیں، اور اس ربط و تعلق کی بنا پر عضویہ ایک سادہ اکائی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک مرکب وحدت کی حیثیت سے عمل کرتا ہے۔ لیکن ہر شخص اصولاً اس دعوے کو تسلیم کر لے گا، کہ عضویہ بہ حیثیت مجموعی عمل کرتا ہے۔ اس کا عمل محض اضطراری حرکات کے مجموعے ہی پر مشتمل نہیں ہے۔ شیرنگٹن نے جو اضطراری حرکات کا ایک بڑا محقق ہے، کہا ہے کہ سادہ اضطراری حرکت محض ایک انتزاع ہے، اور اس نے اپنی کوششوں کو زیادہ تر نظام عصبی کے ربط پیدا کرنے والے عمل کے ثابت کرنے میں صرف کیا ہے۔ پاولاف نے ایک مشروط اضطراری عمل کے دوسرے پر مبنی ہونے کا مطالعہ کیا ہے۔ واٹسن اس امر پر زور دیتا ہے، کہ ہم اپنے پورے جسم سے سوچتے ہیں، اگرچہ بظاہر آلات تکلم اس میں بڑا حصہ لیتے ہیں۔ لیشلی اس نتیجے تک پہنچا ہے، کہ دماغ بہ حیثیت مجموعی عمل کرتا ہے۔ اور میں یہاں کاگ ہل کے جدید مطالعوں کا بھی ذکر کرتا ہوں، جو اس نے مینڈک کے بچوں میں کردار کے نشو و نما کے متعلق کیے ہیں۔ اس نے ان چھوٹے جانوروں کی اولین روات عمل کا
احتیاط کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے، اور نیز ان کے نظام عصبی کے نشو و نما کا۔ اولین ردعمل ۱۰۷

جوان سے ظہور میں آتا ہے، مہیج سے جسم کو جھٹکا کر الگ کر لینے پر مشتمل ہے، یعنی بچپنے کے سادہ ردعمل۔ جیسے جیسے نظام عصبی ترقی کرتا ہے یہ جھٹکنا دہرا ہو جاتا ہے، اور تیرنے کے ہاتھ پاؤں چلانے والی حرکت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ حیوان غیر مربوط اور علحدہ علحدہ حرکات کی منزل سے کبھی نہیں گزرتا، جن کو یہ بعد کو بڑے افعال میں ترکیب دے لیتا ہو، بلکہ شروع ہی سے اس کی حرکتیں کل جسم کی مربوط حرکات ہوتی ہیں۔ نشو ونما کل جسم کی سادہ حرکت سے کل جسم کی نسبتہً زیادہ ترقی یافتہ حرکت کی جانب ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم اس بارے میں کردار کے بہت سے طالب علموں کو متفق پاتے ہیں لیکن اس میں شبہہ نہیں ہے کہ تشکیلی نفسیاتیوں نے زیادہ شدت کے ساتھ کردار کے منظم ہونے پر زور دیا ہے، اور رہبر اصول کی حیثیت سے تحقیق میں اس تصور سے بہت زیادہ کام لیا ہے۔

ادراک حسی کے تشکیلی مطالعے

اب وقت آگیا ہے کہ میں تمھیں اس گروہ کے نفسیاتیوں سے ملاؤں، کیوں کہ اگرچہ یہ ایک منظم کل ہے، مگر درحقیقت افراد سے بنا ہوا ہے۔ تشکیلیت کے دراصل تین بڑے سرگروہ تھے۔ ماکس ورتھائمر، کرٹ کوفکا اور ولف گانگ کوہلر۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں یہ نوجوان نفسیاتی اکیڈمی میں (جو اب فرانک فرٹ کی یونیورسٹی ہے) ایک ساتھ کام کررہے تھے۔ ان میں ورتھائمر (پیدائش سنہ ۱۸۸۰ء) کی عمر سب سے زیادہ تھی، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں وہ روح رواں تھا۔ وہ مخفی علم کے دریافت کرنے کے لیے آزاد ائتلافی امتحان کے متعلق ایک مشہور کام پہلے ہی سے انجام دے چکا تھا۔ اس جانچ سے بعض اوقات ایسے اشخاص کی تفتیش میں کام لیا جاتا ہے، جن پر کسی جرم کا شبہہ ہوتا ہے۔ کوفکا (پیدائش سنہ ۱۸۸۶ء) تمثالات اور فکر پر ایک اہم کام انجام دے چکا تھا۔ کوہلر (پیدائش سنہ ۱۸۸۷ء) برلن کے استاد اسٹمف کا شاگرد تھا، اور بصری اور سماعت کے مسایل کے متعلق کافی امتیاز حاصل کرچکا تھا۔ کوہلر اور ورتھائمر اب جامعۂ برلن میں ہیں، جو تشکیلی نفسیات کا ایک بڑا مرکز بن گیا ہے، اور کوفکا تحقیقی استاد کی حیثیت سے امریکا کے اسمتھ کالج میں ہے۔ نوجوان

جرمن نفسیاتیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اب قطعی طور پر اس مذہب کی حامی ہے، اور امریکا میں بھی اس کے چند حامی ہیں، جن میں آر، ایم، اوگڈن اور آر، ایچ وہیلر قابل ذکر ہیں۔

فرانک فرٹ میں ۱۹۱۲ء میں ورتھائمر حرکت کے دیکھنے کے متعلق بعض اختبارات کر رہا تھا، اور کوف کا اور کوہلر اس کے معمولوں کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ یہ مسئلہ وہ ہو سکتا ہے، جو متحرک تصاویر کی نفسیات میں پیش آتا ہے۔ ممکن ہے تمھیں یہ معلوم نہ ہو کہ متحرک تصاویر کی ابتدا تقریبًا سو سال پیشتر ہوئی ہے، اور ان کا موجد ایک نفسیاتی تھا، یا کم از کم ایک عضویاتی جو اختباری نفسیات کے پیش روؤں میں سے ایک تھا۔ ایک بلجیمی عضویاتی پلاٹو نے ایک مشین ایجاد کی، جس کے ذریعے سے تصویروں کا ایک سلسلہ بہ سرعت نظر کے سامنے آسکتا تھا، جن میں سے ہر ایک بس ایک آن کے لیے نظر کے سامنے آتا تھا لیکن اگر تصویریں ایک جانور کی تدریجی حرکت کی ہوتی تھیں تو دیکھنے والا ان ساکن تصویروں کے سلسلے سے یہ محسوس کرتا تھا کہ جانور حرکت کر رہا ہے۔ اس کے بعد سے متحرک تصاویر میں جوڑ و بدل ہوا ہے، وہ عکاسی کی ایجاد اور متحرک تصویر کے عکس آلے اور مظلل کی ترقی کی بنا پر ہوا ہے۔ لیکن متحرک تصاویر کی بنیاد اب بھی وہی ہے جو پلاٹو کے وقت میں تھی۔ متحرک تصاویر کا آلہ عکسوں کا ایک سلسلہ لیتا ہے، جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک ساکن منظر ہوتا ہے۔ مظلل کو اس طرح سے ترتیب دیا جاتا ہے، کہ یہ عکسوں کے اس سلسلے کو ساکن منظروں کی صورت میں دکھائے، اور پردے پر تصویر کی حرکت دکھائی نہ دے۔ مظلل روشنی کو اس وقت قطع کر دیتا ہے جب فلم ایک منظر سے دوسرے منظر کی طرف حرکت کرتا ہے، کیوں کہ اگر تصویر کو پردے پر حرکت کرنے دیا جاتا تو دیکھنے والے جن چیزوں کا عکس لیا گیا ہے ان کی حرکت نہیں بلکہ ان کی دھندلی صورت دیکھتے۔ در اصل پردے کے اوپر جو کچھ
پیش کیا جاتا ہے، اُسے تم دیکھتے، تو تم ساکن منظروں کا ایک سلسلہ دیکھتے جس میں تاریکی ۱۰۹
کے ذرا ذرا سے وقفے ہوتے لیکن در اصل جو کچھ پردے پر پیش کیا جاتا ہے، اسے تم نہیں دیکھ سکتے، اول تو یہ ہے کہ تم تاریکی کے وقفوں کو نہیں دیکھ سکتے، کیوں کہ بصری حس طبیعی ہیجان کے بعد بھی باقی رہتی ہے، اور یہ اگر وقفہ بہت زیادہ نہ ہو تو اگلی تصویر کے نظر کے سامنے آنے تک باقی رہتی ہے۔ اگر وقفہ زیادہ ہو تو تمھیں کسی حد تک تڑپ کا احساس ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے، کہ تم ساکن منظروں کے سلسلے کو اس وجہ سے بھی نہیں دیکھ سکتے کہ کسی نہ کسی

وجہ سے تمہارا دماغ اس قسم کے بیچ پر وضعوں کے سلسلے میں حرکت کو دیکھ کر ردعمل کرتا ہے، اور خود علیحدہ علیحدہ وضعوں پر ردعمل نہیں کرتا۔ تم جانتے ہو کہ ایک شخص کو درحقیقت چلتے یا دوڑتے ہوئے دیکھنے میں تم اُن تدریجی وضعوں کو جو وہ اختیار کرتا ہے، نہ دیکھتے ہو اور نہ دیکھ سکتے ہو، کیوں کہ اگر تم اس کی حرکت کے دوران میں اس کا آنی عکس لو تو تم اکثر یہ پاؤ گے کہ تصویر اکثر ایسی وضع کو ظاہر کرتی ہے، جو بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہے۔ تم مشکل سے اس امر کا یقین کر سکتے ہو، کہ حرکت کے دوران میں اُس نے یہ وضع اختیار کی ہوگی لیکن عکس آلے نے تو جھوٹ نہیں بولا۔ اگر تم اس آنی عکس کو تدریجی منظروں کے ایک سلسلے میں رکھو اور اس سلسلے کو پردے پر دیکھو تو اس شخص کی حرکت تمہیں بالکل فطری معلوم ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ تم تدریجی وضعوں کو مسلسل حرکت یا ساکن منظروں کے سلسلے سے جو ان کو بسرعت پیش کرتا ہو، الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے۔ اپنی ساخت کی بنا پر تم اس بات پر مجبور ہو کہ حرکت کو تم مسلسل کُل کی صورت میں دیکھو، نہ کہ تدریجی وضعوں کے مجموعے کی صورت میں۔

پس یہاں ایک بہت ہی حقیقی اور نہایت ہی اہم مسئلہ دماغی فعلیت کی حرکیات کا ہے۔ اور ساکن منظروں کے تسلسل کو ایسے اجزا یا عناصر بتانا جو حرکت کے دیکھنے کے مجموعی تجربے میں ہوتے ہیں، کوئی حل نہیں ہے کیوں کہ ان عناصر میں وہ حرکت نہیں ہوتی، جو طالب توجہ ہے۔

ورتھائمر کو اس مسئلے پر محنت کرتے ہوئے، یہ یقین ہو گیا کہ حرکت کو دیکھنے کے مجموعی تجربے کی ایسے عناصر میں تحلیل کرنے کی کوشش جیسی کہ تدریجی وضعیں ہوتی ہیں، بے نتیجہ ہوگی۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ آگے بڑھنے کی راہ یہ ہے، کہ ان حالات و شرائط کا مطالعہ کیا جائے جن کے تحت حرکت دکھائی دیتی ہے، یا دکھائی نہیں دیتی۔ اس نے تصویروں کو اس حد تک سادہ کر دیا کہ ان سے پہلے ایک انتصابی خط دکھائی دیتا تھا اور پھر ایسا ہی خط ذرا داہنی یا بائیں جانب ہٹ کر۔ بس دو خط ایک کے بعد دوسرا اور ان کے درمیان ایک خالی وقفہ۔ اس نے خالی وقفے کے طول میں کمی بیشی کی۔ اگر یہ وقفہ ایک سکنڈ تک طویل ہوتا تھا، تو دیکھنے والا صرف ایک ساکن خط اور پھر دوسرا ساکن خط یعنی ٹھیک اصل واقعے کے مطابق دیکھتا تھا۔ اس کے بعد اس نے دونوں خطوط کے درمیان خالی وقفے کو کم کرنا شروع کیا۔ اس نے اسے $\frac{1}{2}$ سیکنڈ تک کم کیا، اس وقت بھی دیکھنے والا

پہلے ایک ساکن خط اور پھر دوسرے ساکن خط کو دیکھتا تھا۔ اس کے بعد اس نے وقفے کو اور کم کیا اور اب دیکھنے والا پہلے خط سے دوسرے خط کی طرف حرکت دیکھنے لگا جب اس نے وقفہ گھٹا کر ۱/۱۵ سیکنڈ یا ۰.۰۶ تک گھٹا دیا، تو دیکھنے والے نے صاف طور پر پہلی وضع سے دوسری وضع میں حرکت دیکھی۔ ایک ہی خط آگے بڑھتا ہوا معلوم ہوا۔ جب وقفہ اور بھی گھٹایا گیا تو حرکت کم واضح ہو گئی اور ۱/۳۰ یا ۰.۰۳ پر کوئی حرکت باقی نہیں رہی، بلکہ دونوں خط ایک دوسرے کے برابر ساکن دکھائی دیے۔

ورتھائمر نے اس اختبار کو کئی طریق سے کیا۔ اگر اُس نے ایک افقی خط اور اس کے بعد انتصابی خط کا عکس ڈالا تو ایک مقررہ وقفے پر ایک خط نوے درجے پر قوس بناتا ہوا دیکھا گیا۔ مناسب طریقوں پر عکس ڈالنے سے وہ دونوں خطوں کو مخالف سمتوں میں ایک ہی وقت میں حرکت کرتا ہوا محسوس کرا سکتا تھا۔ اور یہ نتیجہ اس لیے بھی اہم تھا، کہ اس میں آنکھ کی حرکت کی توجیہ خارج از بحث ہو جاتی تھی۔ آنکھیں ایک ہی وقت میں ایسی دو حرکتوں کی سمت میں نہیں چل سکتی تھیں جو مختلف جہتوں میں چل رہی ہوں۔ ورتھائمر نے ایک توجیہ پیش کی جو اجمالاً یہ فرض کرتی ہے، کہ وہ دماغی عمل جو دو تدریجی تہیجوں پر ردِ عمل کرنے میں ہوتا ہے مسلسل تغیر پر مشتمل ہوتا ہے یعنی دماغ کو پہلے ایک وضع اور پھر دوسری وضع کا الگ الگ احساس نہیں ہوتا، اور یہ اس کے بعد انھیں ادراک حرکت میں ترکیب نہیں دیتا۔ لیکن جب دو وضعیں یا ہیئتیں موزوں ۱۱۱
وقفے کے بعد سامنے آتی ہیں تو پہلی ہیئت کا ردِ عمل ایک تدریجی تبدیلی کے ساتھ دوسری ہیئت کے ردِ عمل میں ضم ہو جاتا ہے۔ حرکت کا استنباط نہیں ہوتا، بلکہ فی الحقیقت احساس ہوتا ہے، کیوں کہ دماغ کا ابتدائی وصولی عمل متحرک یا متبدل عمل ہوتا ہے۔

اگر حس سے ہماری مراد دماغ کا وہ کل ابتدائی ردِ عمل ہو جو آلاتِ حس کے ہیجان پر ہوتا ہے، تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حرکت بھی ورتھائمر کے نظریے کے مطابق حس میں شامل ہے تشکیلی نفسیاتی اس نظریے تک پہنچے ہیں، کہ ہمارے تجربے کا بہت کچھ حصہ جس کی نسبت یہ خیال تھا کہ یہ اعلیٰ ذہنی اعمال حس پر تعمیر کرتے ہیں، درحقیقت حس میں شامل ہوتا ہے۔ مرئی اشیا کے ظاہری قد و قامت پر غور کرو۔ اگر ایک شخص تم سے دس فٹ کے فاصلے کے بجائے بیس فٹ کے فاصلے پر چلا جاتا ہے، تو شبکیہ پر اس کی ذہنی تمثال اپنی جسامت کا

نصف رہ جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ تقریباً اتنا ہی بڑا معلوم ہوتا ہے، جتنا کہ
پہلے تھا۔ اس کی نسبت معمولی توجیہ یہ پیش کی جاتی ہے، کہ ہم شے کے فاصلے کے لحاظ سے
شبکی تمثال کی ترجمانی سیکھ چکے ہیں جس کی وجہ سے ایک ہی شے کے قد و قامت کا
آنکھ سے مختلف فاصلوں پر بظاہر ایک ہی رہنا حس کی بنا پر نہیں، بلکہ بلند تر اکتسابی
ترجمانی کی بنا پر ہوتا ہے۔ تشکیلی نفسیاتیوں کو اس پر شبہہ ہے۔ انھیں اس امر پر اصرار
ہے کہ حسی دماغی عمل مجموعی صورت حال کا جزو ہوتا ہے، اور اس طرح سے شے کے
فاصلے کے اثر کے تابع ہے، اور اس مجموعی صورت حال میں ابتدائی دماغی ردعمل
قد و قامت کے غیر متغیر رہنے کا باعث ہوتا ہے۔ ایسی بہت سی صورتیں ہیں، جن میں بظاہر
ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ ہم اشیا کو ایسا ہی دیکھ رہے ہیں، جیسی کہ وہ خارجی طور پر ہیں،
لیکن جن میں آنکھ کی عضویات یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہم درحقیقت انھیں ایسا نہیں دیکھ
سکتے، جیسی کہ وہ ہیں، اگر ہمارا دیکھنا ٹھیک اس تہییج کے مطابق ہو، جو آنکھ کو ملتا ہے۔ اسی
وجہ سے نفسیاتی یہ کہتے رہے ہیں کہ ہم درحقیقت ان واقعات کو دیکھتے نہیں، بلکہ ان کا
استنباط کرتے ہیں، یا ان تک ایسے ائتلافی عمل کے ذریعے سے پہنچتے ہیں جو سابقہ تجربے پر ۱۱۲
مبنی ہوتا ہے۔ ایسی تمام صورتوں میں تشکیلی نفسیاتیوں کو یہ ثابت کر دینے کی توقع ہے کہ
صورت حال پر ابتدائی دماغی ردعمل کے معنی میں دیکھنے سے واقعات براہ راست
سامنے آجاتے ہیں۔ پس ان کے نزدیک ابتدائی دماغی عمل محض اس ہیجان پر مبنی نہیں
ہوتا، جو شبکیہ کو ملتا ہے، بلکہ اور عاملوں پر بھی مبنی ہوتا ہے، جو مجموعی صورت حال میں ہوتے
ہیں۔ ہر ہیجان جو دماغ تک پہنچتا ہے، وہ حرکیاتی تعاملی نظام کے اندر لایا جاتا ہے،
اور وہاں پر اس کا اثر اس مجموعی فعلیت پر مبنی ہوتا ہے جو دماغ میں جاری ہوتی ہے۔

ائتلافیہ نے ہیجان کی اس ہر چھوٹی مد کو جو آلات حس سے آتا ہے، ایک مستقل اکائی
خیال کیا تھا، اور یہ اکائیاں ان کے نزدیک جمع ہو کر اس خاص لمحے کی دماغی فعلیت میں
ضم ہو جاتی ہیں۔ یہ مدات مجموعی عمل کے اساسی اجزا یا عناصر ہیں، اور جمع ہو کر مجموعی عمل
کو متعین کرتی ہیں۔ تشکیلی نفسیاتی یہ کہتے ہیں، کہ مجموعی عمل دماغ کے اس ردعمل کو قابو میں رکھتا
ہے، جو علیحدہ علیحدہ تہییجات پر ہوتا ہے۔

اگر ہم یہ سوال کریں، کہ ادراک اشیا میں ادراک کا کس قدر حصہ خلقی ہے، اور کتنا

اکتسابی ہے، تو ممکن ہے، اس بات کو ہم زیادہ اچھی طرح سمجھ جائیں۔ ائتلافیت نے خلقی تصورات کو اور اشیا کے خلقی علم کو رد کر دیا تھا۔ یہ اس بات کی مدعی تھی کہ فطرۃً آلاتِ حس صرف خام مواد مہیا کرتے ہیں، اور معطیات کا علم یا استعمال تجربے یا اکتساب سے حاصل ہونا چاہیے۔ مثلاً آنکھ کا خام مواد روشنی، سایے اور رنگ کے نقطوں کے گوناگوں مرقع پر مشتمل ہوتا ہے، یعنی ایسے میدان پر جو خواہ یکساں ہو، یا گوناگوں مگر قطعی طور پر غیر منظم ہوتا ہے۔ بظاہر جس چیز کو ہم دیکھتے ہیں وہ شکلوں اور مکان میں چیزوں پر مشتمل معلوم ہوتی ہے، لیکن نفسیاتیوں نے ہمیں یہ بتایا ہے، کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے مختلف رنگین نقطوں کی تعبیر کو سیکھ لیا ہے۔ ہم نے اشیا کو دیکھتے وقت انھیں ہاتھ میں لے کر بھی پہچانا ہے، اور شے کے بصری منظر کا اس علم کے ساتھ ائتلاف کر لیا ہے، جو ہمیں اس کے متعلق اپنے ہاتھوں سے ہوتا ہے۔ ہم نے بہت سی گول چیزیں دیکھی ہیں، اور یہ پہچاننے لگے ہیں، کہ بصری نقطوں کے بعض مجموعے دائرے کی علامت ہوتے ۱۱۳
ہیں۔ اگر ہم ایک لمحے کے لیے اس تمام علم کو علیحدہ کر سکتے، جو ہم نے حاصل کیا ہے، اور ساحتِ نظر کو ٹھیک اس طرح سے دیکھتے، جس طرح سے آنکھیں اس کو پیش کرتی ہیں، تو ہمیں مختلف رنگ کے نقطوں کی پچی کاری نظر آتی، جو معنی، اشیا، شکلوں اور نمونوں سے بالکل خالی ہوتی۔ یہ ہے اس بارے میں قدیم ائتلافی نظریہ۔

تشکیلی نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے ہمیں ایک امتیاز قایم کرنے کی ضرورت ہے۔ بصری ساحت کی تنظیم ہمارے لیے دو مختلف کام انجام دیتی ہے۔ یہ ہمیں بصری شکلیں یا صورتیں دیتی ہے، بلالحاظ اس کے کہ اشیا کی حیثیت سے ان کی کیا اہمیت ہے۔ اور یہ ہمیں معلوم اشیا، درختوں، بادلوں اور اشخاص کا علم دیتی ہے۔ اب جب ہم ایک چیز کو جانتے ہیں تو ہمیں اس کی بصری شکل یا ہیئت سے کچھ زیادہ کا علم ہوتا ہے۔ ہم اس سے زیادہ جانتے ہیں، بہ نسبت اس کے کہ آنکھوں سے براہ راست اس کے متعلق ظاہر ہوتا ہے۔ درخت جس کے نیچے سایہ ہوتا ہے، ہمیں ٹھنڈا معلوم ہوتا ہے، یعنی اس سے اس امر کا پتا چلتا ہے کہ اس کے نیچے لیٹنے سے یہ جلد کو کیسا محسوس ہوگا۔ بلاشبہہ ہمیں یہ سیکھنا پڑا ہے کہ بصری منظر کے معنی، ایک ٹھنڈے مقام کے ہیں، اور اسی طرح سے ہم نے وہ تمام معروضی معنی حاصل کیے ہیں، جو ان بصری نمونوں میں ہوتے ہیں جنھیں ہم دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ ایک

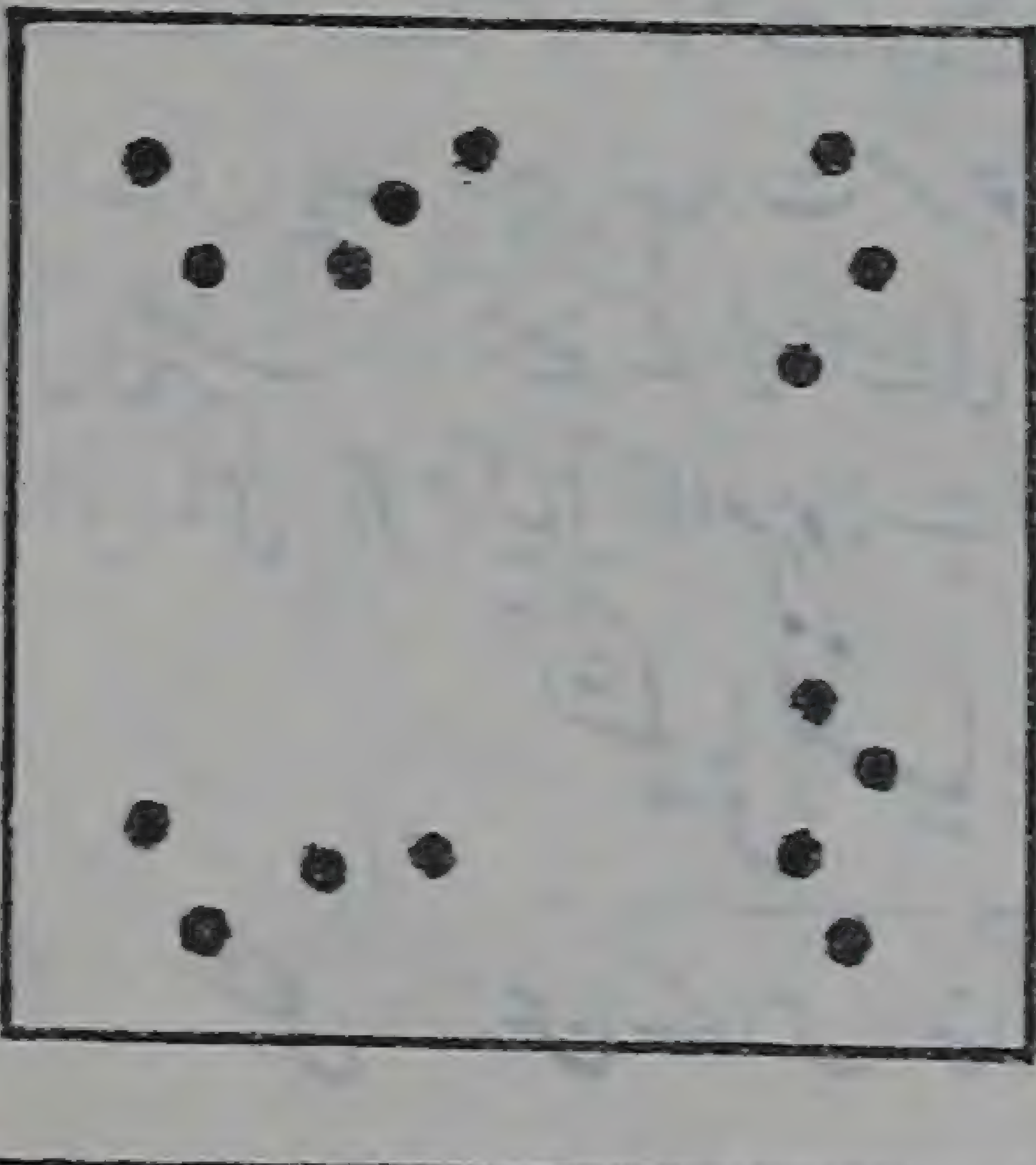
ایک جداگانہ سوال ہے کہ آیا خود شکلوں اور نمونوں کو دیکھنے کے لیے ہمیں علم حاصل کرنے کی ضرورت پڑی تھی۔ اس میں بھی شک نہیں کہ ان شکلوں کا بار بار مطالعہ کرکے ہم انھیں زیادہ صحیح طور پر جان لیتے ہیں۔ لیکن یہ سوال باقی رہتا ہے، کہ آیا ہمیں شکلوں کو ایسے رنگ کے ٹھوس جسموں کی صورت میں دیکھنے کا اکتساب کرنا پڑتا ہے جو باہر نمایاں معلوم ہوتے ہیں۔ خالص ائتلافی نظریے کی رو سے ہمیں یہ بھی سیکھنا پڑا تھا۔ تشکیلی نفسیات کے خیال میں ہمیں یہ سیکھنا نہیں پڑتا۔

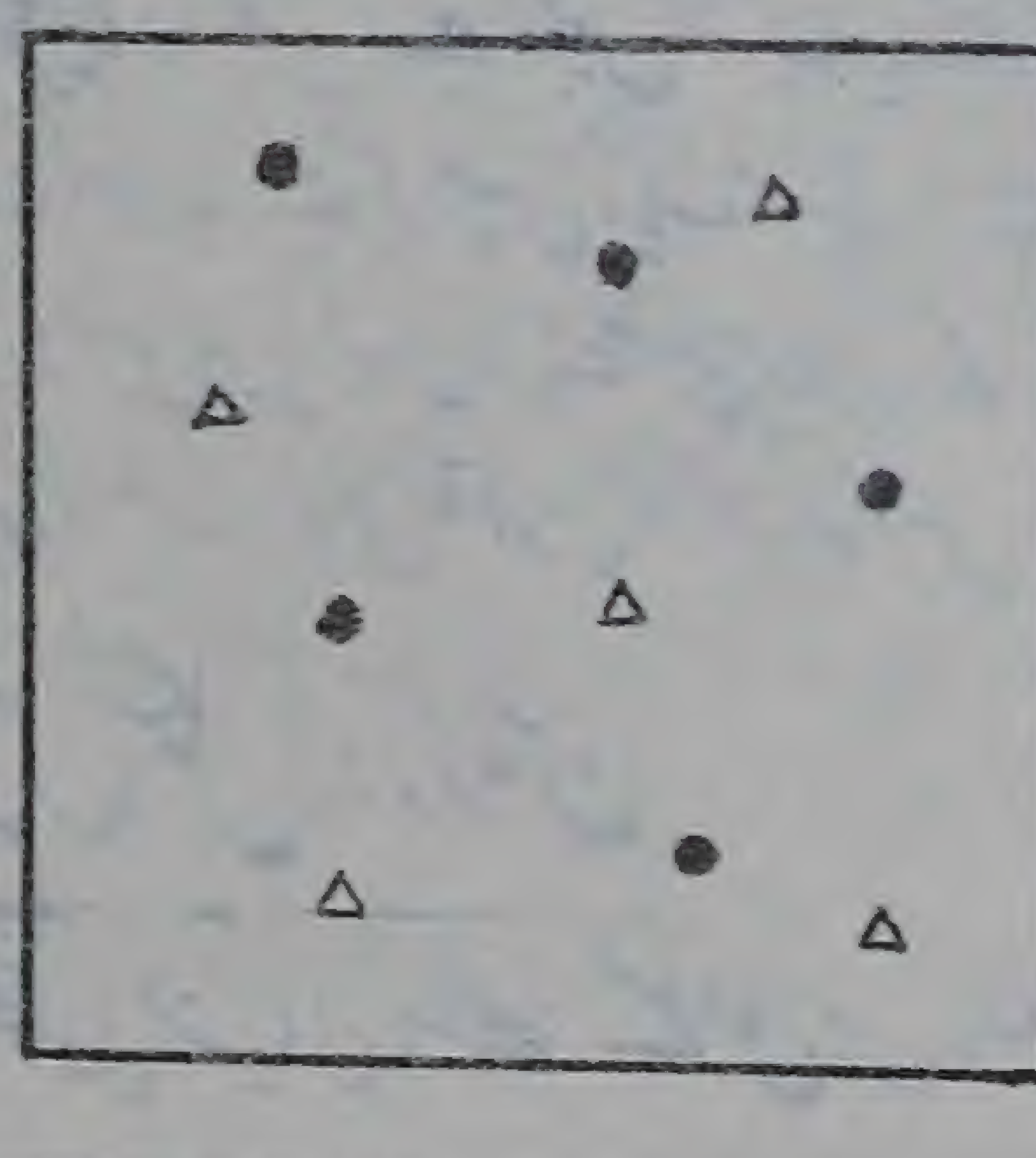
فرض کرو کہ کسی خاص موقع پر آنکھیں کھولتے ہی ہمیں خاکستری بائیں پر صرف ایک سبز دھبہ نظر آتا ہے۔ ہم بلا تکلف دھبے کو ایک مربوط کل سمجھتے ہیں، اور اسے ایک مبہم شکل قرار دیتے ہیں، جو اپنے پس منظر پر نمایاں کھڑی ہے۔ ہم اس بات پر اپنے آپ کو مشکل ہی سے مجبور کر سکتے ہیں، کہ آدھے سبز دھبے کو اس کے متصل خاکی حصے کے ساتھ ملا کر ایک اکائی قرار دیں، اور اس سے بھی کم ہم خود کو اس بات پر مجبور کر سکتے ہیں کہ سبز دھبے کے کچھ حصے کو دور کے خاکستری حصوں سے ملائیں اور اس مجموعے کو ایک اکائی قرار دیں۔ لیکن صحیح معنی میں ائتلافی نظریہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ دیکھنے کے فطری عمل میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جس کی بنا پر ہم مسلم دھبوں کو اکائیاں قرار دیں، اور میدان کے مختلف حصوں کے نقطوں کی کسی دوسری ترکیب کو اکائی نہ قرار دیں۔ ہم یہ سیکھ چکے ہیں، کہ مسلم صورتوں کو اکائیاں قرار دیں، کیوں کہ مسلم بصری صورتوں کے معنی اکثر اوقات ایسی اشیا کے ہوتے ہیں، جو عملی اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر ہمیں یہ سبق سیکھنا پڑا ہے تو بلا شبہہ ہم نے اس کو اچھی طرح سے سیکھ لیا ہے، کیوں کہ کسی دوسری طرح سے ایک نئے اور بے معنی ساخت کو دیکھنا تقریباً ناممکن ہے۔ پس تشکیلیہ کے اس دعوے کی ایک بدیہی شہادت موجود ہے، جو یہ ہے کہ ہمیں ایک مسلم دھبے کو ایک اکائی کی حیثیت سے دیکھنے کے لیے سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیوں کہ یک جنسی ہیجان کے رقبے کے لیے ابتدائی دماغی ردعمل حرکیاتی نظام ہوتا ہے اور علیحدہ علیحدہ عاملی نقطوں کا مجموعہ نہیں ہوتا۔

تشکیلی نفسیات میں شکل اور زمین

شکل اور زمین کے اس امتیاز کو تشکیلی نفسیاتی دیکھنے کے عمل میں بالکل اساسی

قرار دیتے ہیں۔ اگر ساحت میں اس کا کوئی امکان ہو تو کوئی نہ کوئی شکل یقیناً دکھائی دیتی ہے۔
شکل نمایاں طور پر یک جا اور مسلم ہوتی ہے لیکن اس سے صورت اور خدوخال بھی ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں پس منظر ایک غیر محدود جگہ معلوم ہوتا ہے شکل توجہ کو اپنی طرف پائیں کے مقابلے میں زیادہ مایل کرتی ہے جب بچہ دنیا میں پہلی بار اپنی آنکھیں کھولتا ہے تو اگرچہ اس میں شک نہیں کہ وہ ایسی اشیا کی دُنیا نہیں دیکھتا جیسی کہ بڑے جانتے اور دیکھتے ہیں لیکن ممکن ہے وہ مختلف نقاط کا محض ایک پریشان مجموعہ بھی نہ دیکھتا ہو جسے جمیس ایک عظیم الشان جھکتی اور شور مچاتی ہوئی ابتری کہتا ہے۔ اگر اس کے ساحت نظر میں کوئی رنگ کا روشن حجم ہوتا ہے، مثلاً اس کے جھولے پر ایک جھکا ہوا چہرہ تو غالباً یہ عام پائیں میں سے شکل کی حیثیت سے اس کے لیے نمایاں ہو جاتا ہے۔ بچے کی نسبت یہ تو فرض نہیں کیا جا سکتا، کہ وہ چہرے کو صحیح طور پر دیکھتا ہے اور نہ اسے اس امر کا کوئی تصور ہوتا ہے، کہ یہ دھبہ کیا ہے، لیکن تشکیلی نفسیاتیوں کے خیال کے مطابق وہ چہرے کو ایک مستقل بصری اکائی کی حیثیت سے ضرور الگ کر لیتا ہے اور اس طرح سے چہرے کے پہچاننے کی جانب ایک اہم قدم اٹھاتا ہے۔ اگر اس کے لیے ایک مسلم شکل کا اکائی کی حیثیت سے دیکھنا ساحت نظر ۱۱۵
کے مختلف نقاط کے جمع کرنے کے مقابلے میں آسان نہ ہوتا، تو اس کی ترقی اشیا کو دیکھتے ہی پہچان لینے میں اس سے کہیں زیادہ سست ہوتی، جتنی کہ یہ درحقیقت ہے۔
شکل اور پائیں صرف نظر ہی سے مخصوص نہیں ہیں۔ تال میل کے ساتھ ڈھول کا بجنا یا موٹر کشتی کا باقاعدہ شور کمتر واضح شوروں کے عام پائیں کے مقابلے میں ایک شکل کی طرح سے نمایاں ہو جاتے ہیں، اور جلد پر اگر کوئی شے حرکت کرتی ہو تو یہ جلدی حسوں کے عام ہجوم میں سے ممیز ہو جاتی ہے





ان واقعات کو ہر شخص بلا تکلف مان لیتا ہے لیکن ان کی نفسیاتی اہمیت اس وقت تک نظر انداز کی گئی جب تک اس کو ایڈگر روبن نے (پیدائش ۱۸۸۶ء) جواب جامعۂ کوپن ہاگن میں پروفیسر ہے واضح نہیں کیا۔ تشکیلی نفسیات نے شکل اور پائیں کے اس امتیاز کو تجربے اور کردار کی تنظیم میں ایک اساسی اصول قرار دیا ہے۔

تحقیق کی اس عام راہ کو جاری رکھتے ہوئے اور اپنی کوششوں کو زیادہ تر بصری مواد پر مرکوز رکھ کر تشکیلی نفسیاتیوں نے یہ دریافت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کن حالات میں ساحت نظر کا ایک حصہ موجود مہیجوں کے عام انبار میں سے الگ ہو کر نمایاں ہوتا ہے۔ نقطوں کے ۱۱۶
مجموعوں کو دیکھ کر جو ایک میدان پر بے قاعدہ بکھرے ہوئے ہوں، چند اہم عاملوں کا پتا چل سکتا ہے۔ نقطے مجموعوں کی شکل میں آکر دکھائی دیتے ہیں، اور سوال یہ ہے کہ کن حالات کے تحت ایک مجموعہ آسانی سے بن جاتا ہے۔ ایک مفید شرط یہ ہے کہ نقطے ایک دوسرے کے قریب ہوں۔ قریب کے نقطے آسانی سے ایک ہی مجموعے میں آجاتے ہیں۔ ایک اور مفید شرط نقطوں کی مشابہت ہے اگر میدان میں دو شکل کے نقطے ہوں یا دو رنگ کے ہوں تو وہ جو مشابہ ہوتے ہیں آسانی کے ساتھ ایک مجموعہ بنے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک اور موافق شرط یہ ہے کہ نقطے ایک بند شکل بنائیں خصوصاً ایسی شکل جس کے اندر کچھ نہ کچھ باقاعدگی ہو۔



تشکیلی نفسیاتی بند شکل اور اس کی خوبیوں پر بہت زور دیتے ہیں، جو اس میں جاذب توجہ ہونے کے لحاظ سے دوسری شکلوں کے مقابلے میں ہوتی ہیں۔ اگر ایک

ایسی شکل کھینچی جائے، جس میں ایک یا اس سے زیادہ چھوٹے چھوٹے رخنے ہوں تو شکل
کی طرف دیکھتے وقت ان رخنوں کے نظر انداز ہونے کا امکان ہوتا ہے، یا اگر نظر انداز
نہ ہوں تو انھیں غیر اہم سمجھا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات یہ آنکھ کو اپنی
جانب متوجہ کر لیتے ہیں، اور شکل کے اندر اہم معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی
فطری رجحان رخنوں کے نہ دیکھنے کا معلوم ہوتا ہے۔ تشکیلی نفسیاتی اس رجحان کو
بہت سی نکمل اشیا کے تجربے کا نتیجہ نہیں بتاتے بلکہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ آنکھ سے
مہیجوں کے ایک ہجوم کو لیتے ہیں۔ دماغ کی داخلی حرکیات کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ دماغی عمل
کے متعلق یہ خیال کرتے ہیں، کہ یہ رخنے پر سے پھیل جانے پر مائل ہوتا ہے۔ رخنے کے ساتھ
غیر متوازن تناؤ کی ایک حالت ہوتی ہے۔ لیکن رخنے کے بند ہو جانے سے توازن ۱۱۷
پیدا ہو جاتا ہے۔ دماغ میں وصول کرتے والا عمل، توازن یا کم از کم تناؤ کی طرف مائل
ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح سے جس طرح دوسرے طبیعی نظاموں میں ہوتا ہے مثلاً
پانی کے قطرے، صابن کے بلبلے یا برقی تاروں کے جال۔ دماغ یکساں آمادگی اور ہمت
کے ساتھ تمام شکلوں پر ردعمل نہیں کرتا لیکن یہ بہ حیثیت مجموعی ایک شکل پر ضرور ردعمل
کرتا ہے اور اس طرح سے شکلوں کا دیکھنا دماغی فعلیت کی اکتسابی نہیں بلکہ خلقی
عادت ہے۔

شکلوں میں رخنوں کا پر کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ ناہمواریوں کے نظر انداز کرنے کا رجحان یا عام طور پر جو کچھ آنکھ کے سامنے ہو اس میں تا بہ امکان اچھی اور بامعنی شکل کے دیکھنے کا رجحان۔ تشکیلی نظریے میں ناقص شکل کے معنی غیر متوازن دماغی تناؤ کے ہیں، اور اچھی شکل کے معنی توازن کے ہیں، اس لیے جو شے نظر کے سامنے ہوتی ہے، اس پر دماغی ردعمل تکمیل باقاعدگی اور شکل کے پورے ہونے کی جانب مائل ہوتا ہے۔

شکلوں یا اشیا کے دیکھنے کے عمل پر غور کرتے ہوئے، ہمیں آنکھ کی حرکت کو یعنی ایک شے کی طرف سیدھا دیکھنے اور اس پر نظر جمانے کو نہ بھولنا چاہیے۔ ان حرکتوں سے بہ نسبت دھندلی نظر کے بہتر شکلوں کا احساس ہوتا ہے۔ اور ہمارے اندر یہ رجحان راسخ ہے کہ آنکھوں کو اس طرح سے سیدھ میں لائیں اور نظر کو جمائیں کہ بہتر سے بہتر اور واضح ترین شکل کا

احساس ہو۔ اس طرح سے دیکھنے میں حرکی فعلیت کو ادراکی عمل کا لازمی جزو خیال کرنا چاہیے۔ بصری حس اور بصری حرکت کے مرکز دو علٰحدہ آلے نہیں خیال کیے جاسکتے کیوں کہ عمل کی بہت سی قسموں کے لیے یہ ایک باوحدت عضو یعنی ایک طبیعی نظام ہوتے ہیں جس کے اندر علٰحدہ علٰحدہ عضوی حصے دوسرے حصوں پہ ردعمل کرسکتے ہیں۔ اسی وجہ سے عضویے میں ایک نقطے پر جو کچھ ہوتا ہے، وہ اس سے کبھی علٰحدہ یا بے تعلق نہیں ہوتا،
جو عضویے کے دوسرے حصے میں واقع ہو رہا ہے۔ ۱۱۸

اگرچہ تشکیلی نفسیاتی ادراک حسی کی تحقیق میں اپنی بہت کچھ توانائیاں صرف کرتے ہیں، مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ حرکی فعلیتوں کو نفسیاتی میدان سے باہر خیال کرتے ہیں۔ انھیں ایسا معلوم ہوا ہے کہ حسی اعمال کا مطالعہ عام طور پر کردار کی حرکیات تک پہنچنے کے لیے بہترین راستہ ہے، نیز انھیں اس امر کا یقین ہے کہ کردار کو ادراکی اعمال کا لحاظ کیے بغیر سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ تمھیں یاد ہوگا کہ کرداریتی ہنٹر نے کردار کے مطالعے سے ماحول کے مطالعے کو بالکل الگ کردینے کی کوشش کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ دوسرے علوم ماحول کے مطالعے پر اپنا وقت صرف کر رہے ہیں، اور کردار کے طالب علم کو چاہیے کہ اسے ان کے لیے چھوڑ دے، اور اپنی کوششوں کو عضویے کے ردات عمل پر صرف کرے۔ اب اگر ادراک کے مطالعوں میں ماحول کا مطالعہ کیا جارہا ہے، تو کم از کم یہ وہ ماحول ہے جو فرد کو متاثر کرتا ہے، یعنی وہ ماحول جسے فرد سمجھتا ہے۔ تشکیلی نفسیاتی یہ کہتے ہیں، کہ عضویے کی ان حرکی ردات عمل کا مطالعہ کرنا جو اس سے ماحول پر ہوتے ہیں، اور اس ماحول کا لحاظ نہ رکھنا جو عضویے کو ملتا ہے، ایک مہمل بات ہے۔ ان کے نزدیک حرکی فعلیت کا تعین ادراکی فعلیت سے ہوتا ہے، بلکہ ان میں سے ہر ایک بجائے خود ایک غیر فطری ٹکڑا[1] ہے، کیوں کہ عضویہ بہ حیثیت مجموعی عمل کرتا ہے۔ ادراک حسی عضویے کی مجموعی فعلیت کے اندر داخل ہے، اور حرکی ردعمل بھی اسی مجموعی فعلیت میں جاگزیں ہے۔

کردار کے متعلق تشکیلیتی مطالعے

تشکیلی نفسیات مہیج و ردعمل کے تصور کو ناپسند کرتی ہے، اسے سب سے پہلے اس

تصور پر اعتراض ہے، کہ کردار کی صحیح معنیٰ میں مہیج ورد عمل کی اکائیوں میں تحلیل ہو سکتی ہے۔ یہ اعتراض اس کے اس عام اعتراض کے مطابق ہے، جو یہ نفسیات کی سالماتیت پر کرتی ہے۔ اسے مہیج اور رد عمل کے مابین ربط کے تصور پر اعتراض ہے۔ خواہ یہ فطرت سے یا مشق اور تجربے سے اُسے فراہم کرے۔ اسے ہربرٹ اسپنسر کے اس نظریے پر اعتراض ہے، جسے بہت سے حامیان کرداریت نے مانا ہے، کہ جبلت اضطراری حرکات کا محض ایک سلسلہ ہوتی ہے، اور اسی طرح سے اس نظریے پر بھی اعتراض ہے، کہ اکتسابی کردار اضطراری حرکات پر مشتمل ہوتا ہے، جو عمل شرط کے ذریعے سے مربوط ہوتی ہیں۔ علاوہ بریں اسے لفظ مہیج کے اس غیر حکمی طریق استعمال پر بھی اعتراض ہے، جیسے اکثر نفسیاتی استعمال کرتے ہیں۔ ایک نفسیاتی ایک مرکب معروض کو مہیج کہہ دے گا اور حرکی رد عمل کی نسبت یہ کہہ دے گا، کہ یہ براہ راست اس مہیج کا نتیجہ ہے۔ اس میں وہ اس تنظیم کو نظر انداز کر دیتا ہے، جو ادراک حسی میں اس سے پہلے ہونی لازمی ہے کہ الگ الگ مہیجوں کا ہجوم ایک شے کے طور پر دکھائی دے سکے تشکیلی نظریے کے مطابق بچہ زندگی کا آغاز الگ الگ اضطراری حرکات کے ایک مجموعے سے نہیں کرتا، جو رفتہ رفتہ کردار سے مشروط اور اس میں مرکب ہو جاتی ہوں۔ بچہ ایک سیال اور ابتدائی طور پر منظم قسم کے کردار سے آغاز کرتا ہے اور ماحول سے جو اُس کے تطابق ہوتے ہیں، ان میں حسی اور حرکی دونوں رخوں پر تنظیم ہوتی ہے، اور یہ دونوں عضویے کی مجموعی فعلیت میں جاگزیں ہوتے ہیں علاوہ بریں یہ مجموعی فعلیت شروع سے آخر تک ایسی نوعیت رکھتی ہے جسے مقصدیت کہنا مناسب ہوگا۔ ۱۱۹

جامعۂ برلن کے پروفیسر کُرٹ لیوین (پیدائش ۱۸۹۰ء) تشکیلی گروہ کے رکن ہیں، اور خاص طور سے نفسیات عمل پر محنت کر رہے ہیں۔ انھیں ائتلافات اور مہیج ورد عمل کے روابط پر اعتراض زیادہ تر اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان روابط کا وجود نہیں ہے بلکہ اس بنا پر ہے کو یہ عمل کا باعث نہیں ہوتے۔ یہ عمل کے کافی اسباب نہیں ہیں وہ اپنی بات کے ثابت کرنے کے لیے روزمرہ کی زندگی سے ایک مثال دیتے ہیں جس کی انتقادی تعبیر کی گئی ہے۔

فرض کرو میں نے ایک خط اپنی جیب میں ڈالا ہے، اور خود پر اسے ڈاک میں ڈالنے کی

ضرورت کو واضح کیا ہے، اور اس امر پر زور دیا ہے کہ سڑک پر جب مجھے ڈاک کا ڈبہ ملے تو اُسے ڈال دوں۔ اس طرح سے میں نے ڈاک کے ڈبے کے دیکھنے جو ہیجان ہوگا، اور خط کے باہر نکالنے اور اُسے ڈالنے کے ردعمل میں ایک ربط قایم کر دیا ہے۔ میں ڈاک کا ڈبہ دیکھتا ۱۴۰
ہوں، اور خط کو ڈاک میں ڈال دیتا ہوں۔ ائتلافی یا ہیجان و ردعمل کا حامی نفسیاتی اس صورت کو اپنے نظریے کی ایک اچھی مثال کی حیثیت سے پیش کرے گا لیکن ائتلافی نفسیات کے مطابق یہ بھی ہے کہ ہیجان و ردعمل کی یہ مشق اس ربط کو قوی کر دے۔ اس لیے جب میں دوسرے ڈاک کے صندوق پر پہنچوں گا، تو میرا خط کے نکالنے کا ردعمل اور بھی قوی ہوگا اس کے برعکس یہ رجحان غالباً بالکل مٹ چکتا ہے۔ جب میں نے خط کو پہلے ڈبے میں ڈال دیا، تو خود سے کہا تھا کہ یہ کام تو ہو چکا اور بظاہر ہیجان و ردعمل کے ربط کو مٹا دیا۔ لیوین اس امر پر زور دیتا ہے کہ وہ قوت جو کردار کا باعث ہوتی ہے، ربط نہ تھا اور نہ ڈاک کے صندوق کا ہیجان کی حیثیت سے نظر آنا تھا، بلکہ ایک تناؤ تھا، جو اس وقت برپا ہوا تھا جب میں نے ڈاک میں ڈال دینے کی نیت سے خط کو جیب میں رکھا تھا۔ یہ تناؤ خط کو ڈاک میں ڈال دینے کے بعد رفع ہو گیا، اور ربط کا میرے کردار پر آیندہ کوئی اثر باقی نہ رہا۔ اگر مجھے ڈاکیا دکھائی دے جاتا اور میں اپنا خط اس کے حوالے کر دیتا، تو اس متعلق فعل سے بھی تناؤ رفع ہو جاتا۔

ایسی صورتوں میں کردار کو رخنے کے بند کرنے کے ضابطے کے تحت لایا جا سکتا ہے، اور اس طرح سے بند شکلوں کے دیکھنے کے رجحان کے پہلو بہ پہلو رکھا جا سکتا ہے، اور غالباً دونوں عملوں کی دماغی حرکیات بہت کچھ مشابہ ہیں۔ جب میں نے اپنے خط کو جیب میں رکھا تھا مجھے اپنے کردار میں ایک رخنہ چھوڑنا پڑا تھا، ایسا رخنہ جو خط کے ڈاک میں ڈالنے کے بعد پُر ہو گیا۔ رخنے کے پُر ہونے سے یہ خاص حرکی نظام توازن کی حالت میں آ گیا، اور کوئی دوسری قوت میرے کردار کے متاثر کرنے کے لیے نہ رہی۔

جب ایک فرد ایک کام کا بیڑا اٹھاتا ہے، یا کسی عمل کا ارادہ کرتا ہے، اگرچہ یہ ایسا کام ہو، جو عملی اختیار میں اس کے موضوع کی حیثیت سے سپرد کیا گیا ہو، تو اس میں تناؤ پیدا ہو جاتے ہیں، جو اس وقت تک رفع نہیں ہوتے، جب تک کہ کام مکمل نہیں ہو جاتا۔ یہ تناؤ نیم ضرورت کے مساوی ہوتے ہیں، اور عارضی طور پر عضوی ضروریات

کے مماثل ہوتے ہیں۔ اگر عمل کے دوران میں موضوع کے لیے کوئی شے مخل ہوتی ہے،
اور وہ کام کے چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے، تو اس خلل کے بعد بھی وہ اس کام کی طرف لوٹنے
کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور اگر اسے اس کا موقع نہیں دیا جاتا تو یہ گھنٹے دو گھنٹے اس کے ۱۲۱
حافظے میں اسی قسم کے ان کاموں سے زیادہ یاد رہتا ہے، جن کو وہ ختم کر چکا ہے۔ ختم شدہ
کام تو ہو چکتا ہے، اور اس کو بھلایا جا سکتا ہے۔ برخلاف اس کے ناتمام کام اپنی نیم ضرورت
کے تناؤ کو باقی رکھتا ہے۔ رخنہ ابھی تک پر نہیں ہوا ہے۔ دوسری طرف اگر موضوع کے ایک
بے مزہ کام سپرد کیا جائے، جس کی کوئی متعین غایت نہ ہو، اور اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا
جائے، تو اس کی نیم ضرورت کی جلد ہی تشفی ہو جاتی ہے۔ اگر اختیار کرنے والے نے اسے یہ
ہدایت کر دی ہو کہ اسے اس وقت تک کرنا رہے، جب تک اسے یہ محسوس نہ ہو کہ وہ آئندہ
نہ کر سکے گا، تو وہ ایک گھنٹے تک اس کام کو جاری رکھ سکتا ہے، جس میں وہ نقطوں اور خطوط
کے لاتناہی سلسلے کاغذ کے تختوں پر بنائے گا، لیکن بہت ممکن ہے کہ آگے چل کے وہ
اپنے لیے مقاصد دریافت کر لے۔ ایک خط کا سرا ایک منتہا ہے، ایک ورق کا ختم ایک
مقصد ہے جس تک وہ اسے چھوڑنے سے پہلے پہنچ جائے گا۔ ایک وقت میں وہ تیزی کی
کوشش کرتا ہے اور دوسرے وقت میں باقاعدگی کی۔ وہ اپنے نقطوں کو مجموعوں میں
ترتیب دے لیتا ہے، اور ممکن ہے اس طرح سے اپنے غیر معقول کام میں تھوڑی سی معقولیت
پیدا کر لے۔ آخر میں رخنہ ضرورت سے زیادہ پورا ہو جاتا ہے، تناؤ اس طرف سے بالکل ہٹ
جاتا ہے، اور موضوع سے اگرچہ اختیار کرنے والا جاری رکھنے کو بھی کہے، تو بھی وہ عزم
کے ساتھ بلکہ غصے کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

تشکیلی مذہب کے عام دلچسپی کے کاموں میں سب سے زیادہ دلچسپ کوہلر کا لنگوروں
کی اکتسابی قوت کا مطالعہ ہے۔ جنگ عظیم سے ذرا ہی پہلے جرمنوں نے جزائر کینری میں
انسان نما حیوانوں کے مطالعے کا ایک مرکز قایم کیا اور ۱۹۱۳ء میں چمپینزیوں کے نفسیاتی
مطالعوں کے لیے کوہلر وہاں بھیجا گیا۔ جرمن شہری ہونے کی حیثیت سے دوران جنگ میں
وہ وہاں پر روک لیا گیا اور اسے مکمل مطالعے کے لیے کافی وقت ملا جسے بلاشبہہ اس نے
انجام دیا۔ جس مسئلے پر اس نے غور کرنا شروع کیا، وہ یہ تھا کہ آیا اس حیوان سے جو حیوانوں میں
سب سے زیادہ ذہین ہے، کوئی حقیقی ذہانت ظاہر ہوتی ہے۔ حقیقی ذہانت سے اس کی مراد ۱۲۲

آزمائش اور خطا کے ذریعے سے سیکھنے کے علاوہ اور کسی شے سے تھی۔ اس کی مراد ایسی بصیرت تھی کہ دیکھ کر سمجھ لیا جائے کہ کیا کیا جارہا ہے۔ تھارن ڈائک کو اپنے بلیوں، کتوں اور چھوٹی قسم کے کتوں کے مطالعے سے یہ یقین ہو گیا تھا، کہ یہ حیوان آزمائش و خطا کے اصول سے سیکھتے ہیں، یعنی تسویقی عمل کے ذریعے سے جس میں کامیاب ردعات نقل قائم ہو جاتی ہیں، اور ناکام ردعات عمل قانون اثر کے مطابق مٹ جاتی ہیں، جو تحصیل علم کا ایک کورانہ طریقہ ہے۔ اگرچہ تھارن ڈائک کے اختبارات انسان نما لنگوروں تک وسیع نہیں ہوئے تھے لیکن اس کی محنت، یہ عام اثر ہی باقی رہ گیا تھا، کہ آزمائش و خطا کے ذریعے سے سیکھنا بلا کسی ایسی شے کے جسے استدلال یا بصیرت کہا جا سکے، عملی طور پر حیوانی تحصیل علم کا واحد طریقہ ہے۔ کوہلر کو اس بارے میں شکوک تھے اور اسے یہ یقین تھا کہ تھارن ڈائک اتلافی پائیس نے اسے غلط محل اور نتایج کی غلط تعبیرات تک پہنچا دیا ہے۔

تھارن ڈائک نے بھول بھلیاں، پریشان کرنے والے پنجرے یعنی اندھے مواقع استعمال کیے تھے جن کو جانور دیکھ نہیں سکتا تھا۔ تھارن ڈائک نے ایسا اس لیے کیا تھا، تاکہ جانوروں کو کچھ سیکھنے کا موقع ملے۔ اگر اس نے مقصد کے لیے صاف اور بے روک راستہ چھوڑ دیا ہوتا، تو قدرتی طور پر جانور سیدھے مقصد تک پہنچ گئے ہوتے اور سیکھنے کے لیے کوئی چیز ہی نہ ہوتی۔ کوہلر کو اس باب میں اتفاق تھا کہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی رکاوٹ ہونی چاہیے۔ حیوان کو مقصد تک پہنچنے کے لیے لغوی یا استعاری معنی میں کسی نہ کسی پھیردار راستے کے اختیار کرنے پر مجبور کرنا چاہیئے۔ لیکن کوہلر کا استدلال یہ تھا کہ جانور کو شروع سے کل صورت حال کے دیکھنے کا موقع دینا چاہیے تاکہ اگر اس میں بصیرت ہے، تو وہ مسئلے کو آزمایش و خطا کے کورانہ طریقے کے بغیر حل کر سکے۔ صورت حال کے عناصر تمام مرئی ہونے چاہییں اور سوال یہ ہونا چاہیے کہ آیا حیوان ان کو ترکیب دے سکتا ہے۔ آیا حیوان صورت حال کے نمونوں کو دیکھ سکتا ہے

یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ بصیرت سے کیا مراد ہے، اس کی سادہ ترین مثال بیان کی جاتی ہے۔ اگر ایک کتے کو ایک اجنبی احاطے میں لایا جاتا ہے جس میں ایک خاص لمبائی کا جنگلہ لگا ہوا ہوتا ہے، اور اگر جس وقت کتا جنگلے کے وسط میں ہو کچھ غذا ٹھیک اس کے سامنے مگر جنگلے کے دوسری طرف رکھی جائے تو کوہلر نے یہ دیکھا کہ کتا تقریباً فوراً ہی

جنگلے کے سرے کی طرف دوڑ کر غذا تک پہنچتا ہے۔ کتا غذا تک پہنچنے کے راستے کو سمجھ سکتا ہے۔ اگرچہ یہ سیدھا راستہ نہیں ہے پیچیدہ بھول بھلیاں میں اس کے برعکس جانور چوں کہ مقصد تک جانے کے لیے کل راستے کو نہیں دیکھ سکتا، اس لیے اسے ٹٹولنا پڑتا ہے۔ کوہلر کے چمپینزی آسانی کے ساتھ ہر ایسے مسئلے کو حل کر سکتے تھے جو مقصد تک پھیر دار راستے پر مشتمل ہوتا تھا، بشرطیکہ راستہ سب کا سب صاف نظر آتا ہو۔

اگرچہ جس وقت چمپینزی پنجرے میں ہو ایک اکیلا باہر اتنے فاصلے پر رکھا جاتا جو براہ راست اس کی پہنچ سے باہر ہوتا لیکن اس میں ایک رسی بندھی ہوتی اور یہ پنجرے کے برابر زمین پر رکھ دی جاتی، تو چمپینزی عموماً رسی کو فوراً کھینچ لیتا، لیکن اگر زمین پر چند رسیاں ڈال دی جاتیں، جو سب کی سب کیلے کی طرف جاتیں لیکن صرف ایک ہی کیلے سے بندھی ہوئی ہوتی تو چمپینزی سے اکثر غلطی ہوتی اور وہ پہلے غلط رسی کھینچتا۔ ایسی صورت میں انسان کو یہ دیکھنے میں ذرا دشواری نہ ہوتی کہ کون سی رسی سے کیلا بندھا ہوا ہے اور وہ اس کو بلا تکلف کھینچ لیتا۔ لیکن بصری تصویر کسی قدر زیادہ پیچیدہ تھی جس کی وجہ سے چمپینزی کو فوراً اس کا نمونہ حاصل نہیں ہو سکا۔

ایک چھڑی جو قریب ہی پڑی ہوئی ہو، اسے آسانی کے ساتھ ایسے کیلے کے کھینچنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جو اتنی دور ہو کہ اس تک ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ اگر چھڑی کو پنجرے کی پشت پر رکھ دیا جائے اگرچہ حیوان اُسے دیکھ لے اور پنجرے میں ادھر اُدھر پھرتے ہوئے اسے ہاتھ میں بھی لے لے لیکن شروع شروع میں اس سے کھینچنے کا کام لینے کا قرینہ نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ بعد کی صورت میں اس کی ناکامی چھڑی اور کیلے کی ایک مستقل بصری نمونے کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے صورت حال میں رخنہ اتنا بڑا ہوتا ہے، کہ یہ
فوراً اپر نہیں ہو سکتا۔ چیزوں کے کھینچنے میں چھڑیوں کے بہت زیادہ استعمال کرنے سے یہ ۱۴۳
دشواری رفع ہو جاتی ہے۔

اسی طرح سے چمپینزی ایسی غذا تک پہنچنے کے لیے جس تک وہ کود کر نہ پہنچ سکیں، آسانی کے ساتھ قریب پڑے ہوئے بکس کو استعمال کر سکتے ہیں اور بکس کو صحیح نقطے تک لے آتے ہیں، بشرطیکہ یہ بہت دور نہ ہوں۔ لیکن اگر مقصود اور بھی اونچا ہو تو وہ ایک دوسرے پر رکھ کر دو بکسوں کو استعمال نہیں کر سکتے، اور یہ ان کے لیے بہت دشوار مسئلہ ہے اگرچہ

کئی جانوروں نے اسے حل بھی کیا ہے۔ تعمیر کی مضبوطی کے بارے میں ان سے بہت کم بصیرت کا اظہار ہوا بلکہ وہ بے پروائی سے بکسوں کو ایک دوسرے پر رکھ دیتے ہیں، اور عمارت کے گرنے سے پہلے زیادہ تر مقصد تک پہنچنے کے لیے اپنی پھرتی پر بھروسا کرتے ہیں۔

سب سے عمدہ کام ایک چمپینزی نے انجام دیا۔ یہ اس گروہ میں جس کی جانچ کی گئی سب سے زیادہ ذہین تھا، اس نے دو بانسوں کو جوڑ کر ایک لمبی چھڑی بنا لینا سیکھ لیا، اور اس سے وہ ایسی چیزوں تک پہنچ جاتا تھا جن تک وہ بانس کے ایک ٹکڑے سے نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آزمائش و خطا کے عمل کے ایک گھنٹے کے بعد یہ حل سمجھ میں آیا۔ لیکن جب یہ حل ہوا تو اس طرح سے اچانک طور پر ہوا، اور بے پروائی کے بعد ایسے نئے جوش کے ساتھ اس کی طرف توجہ ہوئی، اور دوسرے روز اتنی اچھی طرح سے یاد رہا کہ مشاہدہ کرنے والے کے ذہن میں بصیرت کے حقیقی ہونے کی نسبت کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حل تعمقی عمل کے نتیجے کے طور پر نہیں سوجھا، جیسا کہ یہ کہنے سے ظاہر ہوتا ہے "میں کیلے تک پہنچ سکتا تھا اگر میرے پاس اور لمبی چھڑی ہوتی۔ میں جو کچھ میرے پاس ہے، اس سے بڑی چھڑی کس طرح سے بنا سکتا ہوں۔" لیکن یہ تسویقی حرکی کردار کے دوران میں ایک اتفاقی حادثے کے طور پر واقع نہیں ہوا۔ یہ ادراکِ حسی کے میدان میں واقع ہوتا ہوا معلوم ہوا اور صحیح معنی میں اشیا کی ترکیب یا نمونے کے دیکھنے پر مشتمل ہے۔

تشکیلی نفسیات کے مطابق تحصیلِ علم کے لیے بصیرت لازمی ہے

ہم دیکھ چکے ہیں، کہ تشکیلی نفسیاتی بھی کردار کے قدیم تربیانات کو بھی اسی طرح سے ترک کر دینے کے شائق ہیں جس طرح سے کہ وہ شعوری تجربے کے قدیم تربیان کے طریقے کو پیچھے چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ جو نظریے پہلے سے مسلم چلے آ رہے تھے، اُن کے

سب سے زیادہ خلاف وہ تحصیل علم کے نظریے میں جاتے ہیں۔ ایبنگ ہاؤس کے زمانے ۱۲۵
سے نفسیات، تحصیل علم کے میکانیکی تصور کی جانب مائل تھی۔ ہمیں جے ای میولر کے نتایج کو بھی نہ بھولنا چاہیے، جن میں اعداد اور اسی قسم کے مواد کے یاد کرنے میں مجموعہ بندیوں روابط اور معنی کی اہمیت کو ثابت کیا گیا تھا۔ لیکن دوسری طرف پاولاف کے کام نے اور اس جوش و خروش نے جس سے نفسیاتیوں نے مشروط اضطراری عمل کا خیر مقدم کیا تھا، تحصیل علم کے اس قدیم ائتلافی تصور کو تقویت پہنچا دی کہ یہ علیحدہ علیحدہ تصورات کے مابین روابط پر مشتمل ہے یا جدید اصطلاحات میں ہیجوں اور ردات عمل کے روابط پر۔ تشکیلی نفسیات ائتلافیت کی سب سے بڑی مخالف ہے۔ اسے ان ابتدائی روابط پر خواہ وہ خلقی ہوں یا اکتسابی مطلق اعتقاد نہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ دماغی میکانیات یا حرکیات کو ناپسند کرتی ہے بلکہ اس کے خیال میں دماغ بڑے نمونوں یا رخنوں کے بند کرنے کی صورت میں عمل کرتا ہے نہ کہ ان عصبی راستوں کے عمل سے، جو چھوٹے چھوٹے دماغی مرکزوں میں ربط قایم کرتے ہوں

تحصیل علم کے کل موضوع پر بحث کرتے ہوئے جو زیادہ تر کوہلر کے انسان نما جانوروں کے مطالعوں پر مبنی ہے، کوفکا بظاہر اس نتیجے تک پہنچا ہے کہ تحصیل علم درایت اور بصیرت پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور تھارن ڈائک کا یہ خیال کہ علم کا اکتساب آزمایش و خطا کے طریق سے ہوتا ہے محض غلط ہے۔ تمھیں یاد ہوگا کہ تھارن ڈائک نے اپنے تحصیلی منحنیوں کی طرف اشارہ کیا تھا، جن سے تدریجی اصلاح کا پتا چلتا تھا، اور یہ شہادت اچانک بصیرت پیدا ہو جانے کے خلاف تھی۔ کوفکا تھارن ڈائک کے منحنیوں پر پھر نظر ڈالتا ہے اور ان میں سے بعض میں اچانک اتار پاتا ہے۔ یہ ایسے مسایل کے سیکھنے کی ابتدا میں واقع ہوئے ہیں، جو حیوانوں کے لیے آسان تھے۔ ان جلد سیکھ لینے کی مثالوں کے متعلق تھارن ڈائک نے یہ کہا تھا کہ اس میں شک نہیں جہاں تسویق سے پیدا ہونے والا عمل بہت سادہ، بہت ہی صریح اور بہت ہی متعین ہوتا ہے، تو ایک تجربہ بھی ائتلاف کو مکمل بنا سکتا ہے، اور ہم زمانی منحنی کو
اچانک نیچے اترتا ہوا دیکھتے ہیں، مگر اس کے لیے استنباط فرض کرنے کی ضرورت ۱۲۶
نہیں۔ استنباط تو یقیناً نہیں، لیکن ممکن ہے کہ جو چیز بہت سادہ بہت صریح اور

بہت صاف طور پر متعین ہو، وہ حیوان کے لیے محض ایسی صورت ہو، جس میں وہ صرف یہ دیکھتا ہو، کہ اسے کیا کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ دروازے کے کھٹکے کی میکانیات کو نہ دیکھے، لیکن وہ یہ دیکھ سکتا ہے، کہ یہ کھٹکا ہی ایسی چیز ہے، جن پر پنجہ مارنے کی ضرورت ہے۔ اس کے معنی ادنی قسم کی بصیرت کے ہوں گے۔

لیکن کوفکا کے بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے، کہ بصیرت کے بغیر اکتساب علم ہو ہی نہیں سکتا۔ بصیرت کو آزمایش وخطا کے طریقے کے پہلو بہ پہلو ایک زاید طریق اکتساب کی حیثیت سے نہیں لایا جاتا، بلکہ غرض تو یہ ہے، کہ یہ آزمایش وخطا کے طریق کی کلیۃً جگہ لے لے۔ آزمایش وخطا کے اصول کو جس طرح سے کوفکا سمجھتا ہے، اس کے معنی اولاً تو یہ ہیں کہ کسی نئی چیز کو کبھی نہیں سیکھا جا سکتا، کیوں کہ آزمایش وخطا والا کردار جبلی ردات عمل پر مشتمل ہوتا ہے، اور تحصیلی عمل سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے، کہ ان ردات عمل میں سے بعض ہٹ جاتے ہیں، اور باقی قایم ہو جاتے ہیں۔ اور نہ آزمایش وخطا کے عمل میں کوئی مقصد یا غایت ہو سکتی ہے حیوان کو اندھادھند تیجے چلاتے جانا ہیں۔ اس کی حرکت میں بصیرت اور ارادہ کوئی کام نہیں کر سکتے، اور ناکام حرکتوں کا مٹ جانا اور کامیاب حرکتوں کا قایم ہو جانا ایسا عمل ہے، جو حیوان کی شرکت کے بغیر جاری رہنا چاہیے۔ حیوان کو اس امر کا خفیف ترین تصور بھی نہیں ہوتا کہ اس کے عمل میں تبدیلی کیوں ہو گئی ہے جس عمل سے کامیاب افعال باقی رہتے ہیں اور ناکام افعال رفتہ رفتہ مٹ جاتے ہیں وہ خالصۃً میکانیکی ہوتا ہے۔ یہ آزمایش وخطا کا اصول ہے۔ حیوانوں کی سمجھ میں یہ کبھی نہیں آسکتا، اور نہ وہ یہ جان سکتے ہیں کہ وہ اپنے مقصد تک کس طرح سے پہنچے۔ یہ اندھادھند طریق پر سیکھتے ہیں، اور اصول آزمایش وخطا کو جس طرح سے کوفکا سمجھتا ہے، اس کے بموجب اس کھٹکے کے مقام کو بھی نہیں دیکھ سکتے، جس پر وہ کامیاب رد عمل میں پنجہ مارتے ہیں۔ یہ کھٹکے کو باہر نکل آنے کا وسیلہ یا ذریعہ نہیں سمجھتے۔

مجھے یقین نہیں ہے کہ کوفکا ان تمام دعووں کو تھارن ڈائک سے منسوب کرنا چاہتا ہے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تھارن ڈائک کو ایسے موقع پر پکڑنا چاہتا ہے، جہاں پر اس نے غیر ارادی طور پر حیوانی افعال کو کسی حد تک عقلی کہہ دیا ہے۔ کوفکا کے قول کے مطابق تھارن ڈائک کو از روئے منطق تمام مذکورۂ بالا بیانات کو تسلیم کرنا چاہیے تھا، گو عملی طور پر تھارن ڈائک اکثر حیوانوں کے حسی ارتسامات پر رد عمل کرنے کا ذکر

کرتا ہے، اور ان کے متعلق یہ نہیں خیال کرتا کہ وہ اندھادھند اس طرح سے ہاتھ پاؤں مار رہے ہوں، جیسے کہ بیہوشی یا بے حسی کے عالم میں ہوں۔ اس کا بیان حسب ذیل ہے۔

"جب بلی کو بکس میں ڈال دیا جاتا ہے، تو اس سے بےچینی اور قید سے بچ نکلنے کی تشویق کی صریح علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ اگر کوئی سوراخ ملتا ہے، تو اس میں سے دب کر نکل جانے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ تیلیوں اور تاروں پر پنجے مارتی اور کاٹتی ہے۔ یہ اپنے پنجوں کو درزوں میں سے باہر نکالتی ہے، اور ہر اس چیز پر پنجہ مارتی ہے، جہاں تک یہ پہنچ سکتی ہے۔ جب اس کا پنجہ کسی ڈھیلی یا ہلتی ہوئی چیز پر پڑتا ہے، تو یہ اپنی کوششوں کو جاری رکھتی ہے۔ ممکن ہے کہ جو چیزیں بکس کے اندر ہیں ان پر بھی وہ پنجے مارے، وہ بلی جو اپنی تشویقی کشمکش میں تمام بکس میں پنجے مار رہی ہے غالباً اس رسی، سٹکنی یا کھٹکے پر بھی پنجہ مارتی ہے جس سے دروازہ کھل جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ تمام ناکام تشویقات مٹ جائیں گی اور وہ خاص تشویق جو کامیاب عمل کا باعث ہوئی ہے، ملتجہ خوشی کی بنا پر راسخ ہو جائے گی، یہاں تک بہت سی آزمائشوں کے بعد بلی کو جب بکس میں داخل کیا جائے گا، تو یہ فوراً بٹن یا کھٹکے کو متعین طریق پر پنجے سے دبائے گی"۔

تھارن ڈائک کے بیان سے بلاشبہ یہ ضرور مترشح ہوتا ہے کہ جانور ایک نئے بکس میں قید ہو جانے کی مجموعی صورت حال ہی پر نہیں بلکہ صورت حال کی خاص خصوصیات یعنی درزوں، سلاخوں کسی ڈھیلی یا ہلتی ہوئی چیز کھٹکوں یا چٹکنیوں پر بھی ردعمل کرتا ہے۔ اس کی ردات عمل بصری ہیجوں کی رہبری سے ہوتی ہیں، اور کسی حد تک اس نے ان چیزوں کو دیکھا ہوگا، جن پر یہ پنجے مار رہا ہے، یا جنھیں کاٹ رہا ہے۔ یہ سوال بالکل جداگانہ ہے کہ اس نے انھیں کتنی صحت کے ساتھ دیکھا تھا۔ بعض اختبارات میں تھارن ڈائک نے اس تار کے کھٹکے کو جسے کھینچنے کی ضرورت ہوتی تھی، پنجرے کے دوسرے حصے میں کر دیا، اور جانور نے اس پر وہیں بہت کم تاخیر سے ردعمل کرنا سیکھ لیا۔ پھر اختبار کرنے والے نے کھٹکے کی جگہ ایک ۲۸ چھوٹا سا چبوترا کھڑا کر دیا جسے ڈھکیلنے کی ضرورت ہوتی تھی اور اسے اس جگہ کھڑا کیا جہاں یہ کھٹکا تھا۔ حیوان کو اپنی کوششوں کو اس نئی تدبیر کی جانب منتقل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ تھارن ڈائک نے اس کے معنی یہ سمجھے کہ حیوان نے اس تبدیلی کو نہیں دیکھا جو صورت حال میں کی گئی تھی۔ یہ مبہم حسی ادراک پر ردعمل کرتا ہے، جس کا اصطلاحی معنی میں

نہ اختیار ہوتا ہے، اور نہ ادراک۔ اسی طرح سے بلیاں اس جگہ پنجے مارتی ہیں، جہاں پہلے کھٹکا تھا، مگر اب کچھ نہیں تھا۔ اس آخری نتیجے سے اس امر کا پتا چلتا ہے، کہ بلیاں کسی نہ کسی معنی میں اس جگہ کو دیکھتی ہیں، جہاں انھیں باہر نکلنے کے لیے کام کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے اختبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ جانور بہت تیزی کے ساتھ محل وقوع کو جان لیتے ہیں، اور انسانی تحصیل علم پر جو اختبارات کیے گئے ہیں، ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ انسان بھی اکثر چیزوں کی نسبت محل وقوع کو زیادہ آسانی کے ساتھ سیکھ لیتے ہیں۔ اب بصیرت ایک اضافی امر ہے۔ اگر تمھیں پنجرے سے دروازے کا کھٹکا موڑ کر باہر نکلنا ہو، اور تم محض اس امر کی طرف توجہ کرو، کہ وہ چیز جسے تمھیں موڑنا ہے، کہاں ہے تو یہ ایک ادنیٰ قسم کی بصیرت ہوئی۔ اگر تم کھٹکے کو ایسی رکاوٹ کی حیثیت سے دیکھو، جسے دروازے کی حرکت کرنے کے لیے ہٹا دینا ضروری ہے، تو یہ بلند تر درجے کی بصیرت ہوئی۔ اگر تم اس شے کی بناوٹ کو سمجھو، تو یہ اور بھی بلند درجے کی بصیرت ہوئی۔

ادنیٰ قسم کی بصیرت حیوان کی فعلیت کے مسئلے کی کنجی کی طرف مرکوز ہونے پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ تھارن ڈائک کے نتایج میں کوفکا نے بصیرت کو اس طرح سے پڑھا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

"تھارن ڈائک کے اختبارات سے بھی یہ ظاہر ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ حیوان بعض مبہم مجموعی حالتوں ہی کا تجربہ نہیں کرتا بلکہ سیکھنے کے دوران میں یہ مجموعی صورت حال منظم بھی ہو جاتی ہے۔ کھٹکا ایسی شے بن جاتا ہے، جسے مارنے یا ہٹانے کی ضرورت ہے۔ اس حیثیت سے مجموعی منظر میں یہ مرکزی حیثیت اختیار کر لیتی ہے.... اب اگر کھٹکا مجموعی صورت حال کی مرکزی خصوصیت بن جاتا ہے، تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ نہ تو یہ اور نہ وہ حرکتیں، جو اس کے ساتھ کی جاتی ہیں، حیوان کے لیے اہمیت سے خالی ہیں، کیوں کہ جانور نے کسی نہ کسی طرح سے کھٹکے کے اوپر اپنے عمل کو، اس غذا کے ساتھ مربوط کر لیا ہے، جو پنجرے کے باہر ہے۔ بلکہ بے معنی تحصیل کا نظریہ قطعاً ناقابل قبول ہے۔"

تشکیلی نفسیات تحصیل میں ادراکی عامل پر زیادہ زور دیتی ہے سیکھنے کے معنی کسی نئی چیز کے کرنے کے ہیں۔ نیا پن صرف حرکی عمل پر غور کرنے سے سمجھ میں نہیں آ سکتا، کیوں کہ نیا پن صورت حال کی تنظیم جدید پر مشتمل ہوتا ہے، تاکہ جو رخنہ موجودہ صورت حال اور منتہا کے مابین ہے وہ پُر ہو جائے۔ یہ رخنہ اس صورت میں

پُر ہوتا ہے، کہ صورت حال کو ایسا نمونہ سمجھا جائے جس میں منتہا بھی شامل ہے اور جو منتہا تک لے جاتا ہے۔

حیوانی تحصیل پر ایک اور اختبار کیا گیا ہے، جس کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے تشکیلی تصور کی تائید ہوتی ہے۔ پہلے ایک جانور کو ایسے دو بکسوں میں سے ایک میں سے اپنی غذا نکال لینا سکھایا جائے جس پر ایک خاکستری نشان بنا ہو۔ فرض کرو اس کے سامنے ا اور ب دو بکس ہمیشہ رہتے ہیں جن میں سے ا پر ہلکا خاکستری نشان ہے اور ب پر متوسط خاکستری نشان۔ جب جانور ہمیشہ ب کی طرف جانا سیکھ جائے تو ا کو وہاں سے ہٹا لیا جائے اور اُس کی بجائے صندوق ج رکھ دیا جائے جس پر ب سے زیادہ گہرے رنگ کا نشان ہو۔ کیا جانور اپنے مفروضہ قایم ائتلاف یعنی ب پر اپنے قطعی ردعمل کو باقی رکھے گا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اب وہ ج کی طرف جاتا ہے۔ اب بھی وہ دو بکسوں میں سے نسبتہً گہرے دھبے والے بکس کی طرف جاتا ہے۔ پس جو کچھ اس نے سیکھا ہے وہ ایک خاص درجے کے خاکستری دھبے پر ردعمل کرنا نہیں ہے، اس نے ہلکے اور گہرے رنگ کے نمونوں کے لحاظ سے گہری سمت میں جانا سیکھا ہے۔ کیا ہم خاکستری رنگوں کی نسبت جو کردار ہوتا ہے، اس کی تعمیم کر سکتے ہیں، اور یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں، کہ جانور ہمیشہ نمونوں یا ہیئتوں پر ردعمل کرتا ہے، نہ کہ علیحدہ علیحدہ مہیجوں پر، یہ ایسا سوال ہے جس کا کافی طور پر مطالعہ نہیں ہوا ہے، لیکن اس اختبار کی بنیاد پر یہ کہا گیا ہے، کہ تحصیل کے تمام تر پرانے نظریے کو ترک کر دینا چاہیے، خصوصاً تھارن ڈائک کے قوانین تحصیل و اکتساب کو اب مسترد سمجھا جاتا ہے۔ تشکیلی مذہب کے ایک امریکی حامی نے صورت حال کو اس طرح سے بیان ۱۳۰
کیا ہے:۔

تھارن ڈائک کے قوانین چند مفروضوں سے نکلے ہیں ان میں سے پہلا مفروضہ یہ ہے کہ ایک دیا ہوا محدود مہیج ہمیشہ اور اٹل طور پر ایک ہی ردعمل پیدا کرے گا۔ اور دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ تحصیل کے قوانین کردار کی افتراضی اکائیوں سے بحث کرتے ہیں، جن کا اظہار مہیج ردعمل کے ضابطے سے ہوتا ہے۔ کردار کو اس طرح سے علیحدہ علیحدہ اجزا میں تحویل کر دینے کے بعد یہ نتیجہ لازمی ہے کہ ہم ایک دی ہوئی صورت حال میں عناصر کی تلاش کریں، اور یہ عناصر اگر مل جائیں یا انھیں فرض کر لیا جائے تو انھیں ابتدائی اجزائے ترکیبی سمجھا جائے،

جن کا علم کے پیدا ہونے اور اس کی توجیہ کرنے کے لیے باہم جمع ہونا لازمی ہے۔ اگر تم نے تھارن ڈائک کا مطالعہ کیا ہے، تو ممکن ہے تم ان مسلمات سے آشنا نہ ہو، یہ خصوصیت کے ساتھ اس تھارن ڈائک کے نہیں معلوم ہوتے، جس کا تم نے مطالعہ کیا ہے۔ ان کا اسی نام کے دوسرے آدمی کے قلم سے نکلا ہوا ہونا ضروری ہے، یعنی تینکے کے آدمی سے۔ حقیقی تھارن ڈائک ہمیشہ صورت حال اور ردعمل کا ذکر کرتا ہے برخلاف اس کے تینکے والا تھارن ڈائک جس کا کہ اوپر اقتباس کیا گیا ہے، کردار کو ہمیشہ صورت حال کے عناصر کی تلاش سے سالمات میں بدل لیتا ہے۔ حقیقی تھارن ڈائک اس قسم کا بیان دیتا ہے:۔

"کردار کے متعلق پیشین گوئی ہو سکتی ہے .... یعنی ایک ہی صورت حال ایک ہی حیوان میں ایک ہی ردعمل کرے گی۔..... اگر ایک ہی صورت حال دو موقعوں پر دو مختلف ردعمل پیدا کرے تو جانور کا بدل جانا لازمی ہے۔"

تھارن ڈائک کی تحریرات میں اس سالماتی تصور سے زیادہ سے زیادہ مشابہت جو تشکیلی نفسیاتی اس سے منسوب کرتے ہیں مجھے جو مل سکی ہے حسب ذیل ہے

"ہر قسم کی تحصیل علم تحلیلی ہوتی ہے (۱) ربط جو قایم ہوتا ہے وہ کبھی اس لمحے کی مجموعی صورت حال سے قایم نہیں ہوتا۔ (۲) جو ربط قایم ہوتا ہے، اس سے اوصورت حال کے اجزا اور ردعمل کے اجزا کے مابین چھوٹے چھوٹے اور روابط ہوتے ہیں، جن میں سے ہر ایک میں ایک خاص درجۂ استقلال ہوتا ہے۔ اس لیے اگر صورت حال کا ایک جزو نئے سیاق میں واقع ہوتا ہے، تو ردعمل کے اس حصے میں اپنے پرانے ساتھیوں کے بغیر ظاہر ہونے کا میلان ہوتا ہے...... ادنی حیوانوں اور بہت کم سن بچوں میں صورت حال نسبتہً کامل مجموعوں کی صورت میں عمل کرتی ہے، اور روابط کا وہ مجموعہ جسے ہم صورت حال اور ردعمل کے مابین رشتہ کہتے ہیں، زیادہ تر اکائی کی حیثیت سے عمل کرتا ہے.... احمقوں کے علاوہ باقی سب میں جدید زندگی جو تربیت دیتی ہے، اس کی بنا پر حالات و مواقع کے علحدہ علحدہ عناصر کے ساتھ لاتعداد روابط قایم ہو جاتے ہیں۔"

یہ نظریہ تو کسی طرح سے بھی سالمایت نہیں ہے۔ اسے یہ سمجھنے کے لیے بنیاد کے طور پر بیان کیا گیا ہے، کہ کس طرح سے انسان تربیت کی بنا پر صورت حال کی ایسی الگ تھلگ خصوصیتوں پر ردعمل کرنے لگتا ہے جیسے عدد، شکل یا سر تیوں کا امتداد ہے۔ یہ اس

نہایت ہی مختلف اور مخالف تنقید کے لیے بھی بنیاد فراہم کرتا ہے، جو کوفکا نے کی ہے اور جس کا چند صفحے پہلے اقتباس درج کر چکے ہیں۔ تھارن ڈائک کے اختبارات سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے، کہ حیوان صرف مبہم مجموعی صورتوں کا تجربہ ہی نہیں کرتا بلکہ اس مجموعی صورت کے متعلق علم حاصل کرنے کے دوران میں منظم بھی ہوتا جاتا ہے۔ تھارن ڈائک کے نزدیک حیوان مجموعی صورت حال کے ساتھ ابتدائی مدور ائتلاف سے ذرا آگے بڑھ سکتا ہے اور انسان تحلیلی جہت میں بہت دور تک جا سکتا ہے۔ ائتلاف کو ہمیشہ مرکب کہا جاتا ہے (جیسا کہ غالباً یہ ہوتا ہے) لیکن اس کے سالماتی عناصر سے مرکب ہونے کی نسبت کچھ نہیں کہا گیا۔

نئے مذاہب کے لیے حملہ کرنے کے واسطے تنکوں کے آدمیوں کی ضرورت ہے

ایک نیا مذہب ایسے سوالات اٹھاتا ہے جن کے جواب دینے کی خاص طور پر پہلے کسی نے کوشش نہیں کی ہے۔ نیا مذہب نئے مسئلے کی نسبت اپنا پہلو اختیار کر لیتا ہے اور اسے اس بحث میں جس کو یہ پیش کرنا چاہتا ہے سمت مخالف میں کسی شخص کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب سے زیادہ سہل الحصول سند کو انتخاب کر لیتا ہے اور نئے سوال کا جواب اس کی طرف سے پیش کر دیتا ہے۔ اس نے کبھی براہ راست اس سوال کا جواب نہیں دیا ہے کیوں کہ یہ سوال اس کے سامنے کبھی اٹھا ہی نہیں لیکن نیا مذہب یہ کہتا ہے کہ اسے یہی جواب دینا چاہیے تھا کیوں کہ جو کچھ اس نے کہا ہے یہ اس کے اندر مسلم ہے۔ اس طرح سے نیا مذہب ۱۳۲
بجائے اس کے کہ نرمی کے ساتھ اپنے نئے سوال اور اس کے جواب کو پیش کرے بحث کو حملے کے ساتھ شروع کرتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی نفسیات ہے اور غالباً کوئی معقول نفسیاتی، اول درجے کے مباحثے میں تنکے کا آدمی بننے پر اعتراض نہیں کرتا۔

نظریۂ علم پہلے سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے

تحصیل علم کی نسبت موجودہ صورت حال یقیناً دلچسپ ہے۔ ایک طرح کی سہ گوشہ بحث جاری ہے۔ مختلف قسم کے واقعات ہیں جن سب کی ایک جامع نظریے کے ذریعے سے توجیہ کی ضرورت ہے۔ ہمارے پاس کئی نظریے بھی ہیں لیکن ان میں سے کوئی نظریہ

تمام واقعات پر حاوی نہیں ہوتا۔ ہمارے پاس آزمایش و خطا کے ذریعے سے سیکھنے کا واقعہ ہے، جس کی تعبیر کے لیے قانون اثر پیش کیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس مشروط اضطراری عمل کا واقعہ ہے، اور اس کی تعبیر کے لیے نظریۂ شرط پیش کیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس بصیرت کے ذریعے سے سیکھنے کا واقعہ ہے، اور یہ نظریہ تعبیر کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے کہ تناؤ رخنے کو پر کرتے ہیں۔

ہر تعبیر کے حامی اپنے طور پر تمام واقعات کی توجیہ کے لیے ایک بظاہر قابل قبول مقدمہ بنا سکتے ہیں۔ قانون اثر کے حامی ان طریقوں کی طرف اچھی شہادت کی حیثیت سے اشارہ کر سکتے تھے جو مشروط اضطراری عمل کے قایم کرنے یا مٹانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں؛ اور یہ بتا سکتے تھے، کہ رد عمل کا نتیجہ اس امر کا تعین کرتا ہے کہ آیا یہ قایم ہونے والی ہے یا مٹ جانے والی ہے۔ بصیرت کے ذریعے سے سیکھنے کے متعلق یہ بتا سکتے تھے کہ رخنہ کئی طریق پر پر ہو سکتا ہے، یعنی ایک صورت کئی طریق پر منظم ہوتی ہے، اگرچہ مسئلے کے حل کرنے میں صرف ایک طریقہ کامیاب ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ غلط بصیرتیں بھی ہو سکتی ہیں جو ایسی تدابیر
کا وعدہ کرتی ہیں، جو ناکام ہوتی ہیں؛ اور اس بصیرت کے سامنے پسپا ہو جاتی ہیں، جو کامیاب ۱۳۳
ہوتی ہے۔ اسی طرح سے تشکیلی نفسیاتیوں کو اس بارے میں شبہہ ہو سکتا ہے، اور غالباً ہوتا ہے کہ آیا سب سے زیادہ اندھا دھند آزمایش و خطا میں بھی خفیف ترین بصیرت ہوتی یا نہیں۔ اور مشروط اضطراری عمل کے متعلق وہ یہ شبہہ کر سکتے ہیں، کہ کہیں کتے نے اشارے سے پہلے وقت پیما کو اشارہ نہ سمجھ لیا ہو (جیسا کہ خود پاولاف نے اکثر اس کا ذکر کیا ہے) اور اس طرح سے اس میں وقت پیما اور احساس کے رخنے کے مابین تناؤ پیدا ہو گئے ہوں۔ آخر میں مشروط اضطراری عمل کے حامی یہ کہہ سکتے تھے، کہ وہ مرکب صورت حال جس میں اکتساب واقع ہوتا ہے کیسی ہی ہو مگر اصل اکتساب علم ٹھیک مشروط ہونے میں ہوتا ہے۔ تصور شرط یا تصور آزمایش میں سے ایک بھی اس سالمیت پر مبنی نہیں ہے، جس کو تشکیلی نفسیاتی اس قدر ناپسند کرتے ہیں جیسے جیسے ہمارے واقعات تعداد و صحت میں بڑھتے جاتے ہیں اور ان کے روابط و تعلقات زیادہ اچھی طرح سے سمجھ میں آنے لگتے ہیں، اس نتیجے پر پہنچنے کا امکان زیادہ ہوتا جاتا ہے کہ اکتساب علم کے جامع نظریے کے اندر تمام مختلف مذہبوں کی کاوشیں اپنی ایک خاص حیثیت رکھتی ہیں۔

موجودہ حالت میں تشکیلی نفسیات، نفسیات کی اقسام میں ایک قوی اور قابل قدر

اضافہ ہے۔ موجودیتی حسی تحلیل سے دلچسپی رکھتے ہیں، کرداریتی حرکی عمل سے، مگر تشکیلی گروہ ایسے موضوع پر زور دیتا ہے، جسے عموماً ادراک کہتے ہیں۔ اس سے کرداریتوں نے غفلت برتی تھی، اور حامیانِ موجودیت نے اس پر بہت ہی ناکافی توجہ کی تھی۔ غالباً ان کی اس حجت میں نہایت ہی گہری حقیقت ہے، کہ حسوں، حرکی ردات عمل، اور ان روابط کے علاوہ جو ان کے مابین ہوتے ہیں، (ان کے علاوہ اور ان کے ساتھ) ایک عمل حرکی تنظیم کا بھی ہوتا ہے میں نے ان کی نفسیات کا محض خاکہ پیش کیا ہے، مگر میرے خیال میں تم بھی مجھ سے اس بارے میں متفق ہو گے، کہ وہ ایک ایسا نیا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں، جو تمھاری مسلسل توجہ کا مستحق ہے۔

باب ۵

تحلیل نفسی اور متعلقہ مذاہب

اب ہم نفسیات کے ایسے مذہب تک پہنچ گئے ہیں جو ان مذاہب کی طرح سے جن کا ہم نے مطالعہ کیا ہے، نفسیات سے نہیں نکلا، یعنی کم از کم درسی نفسیات سے نہیں بلکہ اطبا کے علاجوں سے پیدا ہوا ہے۔ وسیع معنی میں اس مذہب کا تعلق جنونیات سے ہے۔ لیکن اس نے اپنے عمل کے متعلق نفسیاتی نظریے کی ایسی موثر عمارت تیار کی ہے کہ تمام نفسیاتی اس کی طرف توجہ کرنے اور اس کا شوق سے مطالعہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں اس کو بھی ایک طرح کی نفسیات کردار کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ یہ تابہ امکان کرداریتی طریقوں اور تصوروں سے الگ رہنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کے لیے بعض اوقات عمقی نفسیات کا نام استعمال کیا جاتا ہے، کیوں کہ اسے ان امور سے بحث ہے جو فرد کی زندگی کی غیر شعوری گہرائیوں میں واقع ہوتے ہیں۔ اس نے بعض اوقات اپنے آپ کو احساسی نفسیات بھی کہا ہے، اور یہ انیسویں صدی کی عقلی تاکید کے خلاف اعلان بغاوت کے طور پر کہا ہے۔ اس کے لیے معمل کی درسی نفسیات یا حیوانی اختبارات، یا ذہنی امتحانات جن میں نفسیاتی سب سے زیادہ مصروف رہے ہیں، بیکار ہیں۔ کیوں کہ ان میں سے کوئی بھی گہرائیوں تک نہیں پہنچتا، اور نہ ان سے علاج و معالجے میں کوئی زیادہ مدد ملتی ہے پس درسی نفسیات

کے تصور اور چھپے ہوئے شعور پر اپنے اختیارات کی وجہ مشہور ہے۔ پیری ژانے ساکن پیرس
(پیدائش ۱۸۵۹ء) کو بھی غیر شعوری ذہنی افعال یا ذہنی خود کاریوں سے دلچسپی تھی ۱۸۹۰ء ۱۳۶
میں اور بعد کو اس نے عصبی خرابیوں کے مطالعے اور علاج میں اپنا وقت صرف کیا، اُس نے اختناق الرحم میں شارکو کے طریقے یعنی تنویم کے استعمال کو ترقی دی، اور یہ دیکھا کہ تنویم کی حالت میں اختناق کے مریض کو ایسے واقعات یاد آجاتے ہیں، جو بیداری کی حالت میں بالکل یاد نہ تھے۔ ایسا جذبی صدمہ جو بیداری کی حالت میں بالکل فراموش ہو چکا ہو تنویمی بیہوشی کے عالم میں آسانی سے یاد آجائے گا، اور اس کو پوری طرح سے بیان کر دیا جائے گا۔ علاوہ بریں اگر تنویمی بیہوشی میں، طبیب نے یہ کہہ دیا کہ "یہ سب باتیں تو گئی گزری ہو چکیں" تو جذبی صدمے کے متعلق اختناقی علامات جو تھیں وہ سب کی سب رفع ہو گئیں۔ اس کے بعد ژانے نے دوسری قسم کی عصبی خرابیوں، خبطوں اور زیٹروں کا مطالعہ کیا، جن کو اس نے خلل ذہن کے وسیع نام کے تحت جمع کیا ہے، اور جن کا علاج اس نے دوبارہ تعلیم دے کر کیا ہے۔ عصبی خرابیوں کے متعلق اس کا خیال یہ ہے کہ یہ گرے ہوئے ذہنی تناؤ کی حالت کی وجہ سے ہوتی ہیں جس کی بنا پر مریض زندگی کی دشواریوں پر غالب آنے کے لیے ارادہ و عمل کی کافی توانائی جمع نہیں کر سکتا۔ اگر ناکافی تناؤ کی یہ ابتدائی حالت موجود ہو تو ناکافی پن کے احساس سے ذہنی استخراج کی بنا پر خاص قسم کے عصبی خوف زیٹرین فالج وغیرہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ ژانے کا کام جو تحلیل نفسی سے کسی قدر مقدم ہے، نفسیات اور جنونیاتی معالجے میں بہت کافی اثر پیدا کر رہا تھا، کہ اس کو فرائڈ کے زیادہ انقلاب انگیز تصورات نے آلیا، اور یہ اس کے سامنے ماند پڑ گیا۔

اس پس منظر سے تحلیل نفسی پیدا ہوئی۔ یہ جسمی جنونیات کا عام پس منظر ہے جس میں عصبی اختلال کی نفسیات کے لیے پر جوش کوششیں کی جا رہی ہیں۔

فرائڈ کی ابتدائی کشمکش

زگمنڈ فرائڈ ۱۸۵۶ء میں، اس ملک میں پیدا ہوا جسے اب زیکوسلاویکیا کہتے ہیں، ۱۳۷

کے خلاف اس کی بغاوت کی زیادہ تر یہ صورت ہے کہ یہ اس کو نظر انداز کرتی ہے۔

نفسی تحلیل جنونیات کے اندر ایک تحریک کی حیثیت سے انیسویں صدی کے غالب جسمی میلان کے خلاف بغاوت تھی، اور نفسی میلان کے نئی زندگی حاصل کرنے کی علامت۔ ٹھیک اس وقت جب کہ نفسیات زیادہ جسمی بنتی جا رہی تھی۔ جنونیات نے خلوص کے ساتھ نفسی بننے کی کوشش کی۔ اس امر کا یقین کر کے کہ بعض غیر معمولی اشخاص میں دماغی خرابیاں نہیں پائی گئیں، جنونیات نے فرد کی ذہنی زندگی کے غیر متوازن ہونے کی جستجو کرنی شروع کی، اور ۳۵
ان کو اس کی فکر و عمل کی ناقص عادتوں، اس کے ارادے کی کمزوری، اس کی اثر پذیری کو اس کے جذبی توازن کے فقدان میں تلاش کرنا شروع کیا۔ اس ترقی کی تاریخ دلچسپ ہے مگر بجائے خود ایک کہانی ہے۔ اس کا تعلق تنویم کی تاریخ سے ہے، جس کی طرف ۱۷۸۰ء میں اہل حکمت اور اہل طب کی توجہ کو میسمر نے مبذول کرایا، اور اسی وجہ سے یہ عرصے تک مسمریزم کہلاتی رہی، ایک صدی تک اس کی حالتوں میں گوناگوں تغیرات ہوتے رہے، کیوں کہ اس کو زیادہ تر فریب کاری سمجھا جاتا تھا، اور اطبا تقریباً عام طور پر اس کو رد کرتے آئے تھے، یہاں تک گزشتہ صدی کے آخری نصف میں پیرس اور نینسی میں دو مخالف مذہب قائم ہو گئے۔ پیرس کے مذہب پر شارکو کا غلبہ تھا، جو اپنے زمانے کا سربرآوردہ عصبیاتی موثر شخصیت کا مالک اور زبردست معلم تھا۔ شارکو نے یہ دیکھا، کہ ایسے افراد جن پر گہرا تنویمی اثر پیدا کیا جا سکتا ہے، ان پر اختناقی دورے پڑتے ہیں اس نے اس واقعے کو اختناق الرحم کے سمجھنے، اس کا علاج کرنے اور نیز یہ پتا چلانے کے لیے استعمال کیا، کہ تنویمی کیفیت کی ماہیت کیا ہے۔ اس کے خیال میں یہ جسم کی خاص مرضی حالت تھی۔ اس کے اس خیال کی نینسی کے مذہب والوں نے مخالفت کی۔ جو یہ کہتے تھے کہ ہلکی قسم کی تنویمی کیفیت سب تندرست موضوعوں میں پیدا کی جا سکتی ہے، کیوں کہ یہ انفعالی اور قبول کر لینے والی حالت ہے، جو اشارے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے انھوں نے عصبی کمزوری کے علاج میں کام کیا تھا۔ ان دو مخالف فرانسیسی مذہبوں میں کشمکش بہت شدید ہوئی۔

شارکو کے بہت سے شاگرد تھے جو عصبی اختلالات کے مطالعے میں بہت مشہور ہوئے مورٹن پرنس ساکن بوسٹن (۱۸۵۴ء۔ ۱۹۲۹ء) تنویم اور اسی قسم کے اعمال سے شخصیت کے متعدد یا متفرق ہو جانے کے علاج میں کام لیا کرتا تھا، اور نفسیاتیوں میں اپنے "ہم شعور"

لیکن ابتدائے عمر ہی سے وہ ویانا میں رہا ہے۔ یونیورسٹی میں شریک ہو کر، اس نے طب کی
تعلیم حاصل کی اور اسے اس کے حکمی پہلو سے خاص طور پر دلچسپی ہو گئی۔ وہ چھ سال تک
عضویاتی معمل میں کام کرتا رہا، لیکن چوں کہ اسے اس حکمت سے جلد تر معاش کے حاصل
ہونے کی توقع نہ تھی، اس لیے اس نے مطب کھولنے کا فیصلہ کیا۔ تقریباً ۱۸۸۱ء میں
وہ عضویاتی معمل سے شفا خانے میں چلا گیا، لیکن پھر بھی اس نے عصبی نظام کے متعلق
تخصیص حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ خاص طور پر اس کی تشریح اس کی عضوی
بیماریاں مثلاً فالج، دماغی چوٹیں وغیرہ اس کی تحقیق کا موضوع رہے۔ اس زمانے میں ویانا میں
عصبی اختلال کے متعلق کوئی علم نہ تھا، اور ان کے معالجے کی بہت کم کوشش کی جاتی تھی شارکو
کی شہرت دور سے سنائی دی اور ۱۸۸۵ء میں فرائڈ پیرس گیا، اور ایک برس تک اس کے
پاس مطالعہ کرتا رہا۔ شارکو نے اختناق الرحم کے علاج کے لیے جو تنویم کو استعمال کیا تھا،
اس سے وہ بہت متاثر ہوا۔ وہ شارکو کی یہ بات سن کر بھی بہت متاثر ہوا کہ عصبی اختلال
کی صورتوں میں ہمیشہ مریض کی جنسی زندگی میں خرابی ہوتی ہے جس کا کافی کثیر مطالعہ کرنے
سے پتا چل سکتا ہے۔ فرائڈ کو اس بات پر اور بھی حیرت ہوئی کہ اگر یہ صحیح ہے، تو شارکو اس
واقعے سے اپنے نظریے اور علاج میں کیوں نہیں کام لیتا۔ یہ سوال فرائڈ کے ذہن میں باقی رہا،
اور بعد کو بار آور ہوا۔

۱۸۸۶ء میں فرائڈ ویانا لوٹ آیا، اور اس نے عصبی اختلال خصوصاً اختناق الرحم کا
زور شور سے علاج شروع کر دیا۔ اس کا بڑا طریق علاج تنویم تھا، لیکن جلد ہی اسے اس طریقے کی
دشواریاں معلوم ہوئیں۔ ایک دشواری یہ تھی کہ بہت سے عصبی مریضوں پر تنویم کا عمل نہ ہو سکتا
تھا۔ اور ایک اور دشواری یہ تھی کہ جن مریضوں پر تنویم ہو سکتی تھی، انھیں بھی ہمیشہ اس کے
ذریعے سے شفا نہ ہوتی تھی۔ اس ناکافی کامیابی کی بنا پر وہ ایک بار پھر فرانس کا سفر کرنے
پر مجبور ہوا۔ اس مرتبہ وہ نینسی کے مذہب والوں کا کام دیکھنے کے لیے گیا، جو اس بات
کے مدعی تھے کہ وہ تقریباً سب آنے والوں پر تنویم کر سکتے ہیں، اور تنویمی بیہوشی کی حالت
میں علاجی اشاروں سے بہت زیادہ کامیابی ہوتی ہے۔ اس گروہ کے طبیبوں سے یہ سن کر اسے
۱۳۸ ذرا کوفت ہوئی، کہ انھیں نجی مریضوں پر اتنی کامیابی نہیں ہوتی، جتنی کہ شفا خانے کے خیراتی
مریضوں پر ہوتی ہے۔ نجی مریض، اتنے ہوشیار یا گمراہ ہوتے ہیں، کہ علاجی اشاروں سے پورا

زیادہ نہیں اٹھا سکتے۔ فرائڈ ویانا لوٹ آیا، اور اس نے نجی مریضوں پر تنویمی علاج کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن کامیابی اُسے معمولی ہی سی ہوئی۔ اسے کسی بہتر طریقے کی امید تھی۔

اب ایسے شخص کی کہانی آتی ہے، جس سے غالباً فرائڈ نے اتنا سیکھا کہ شارکو یا نینسی کے گروہ والوں سے بھی نہ سیکھا تھا۔ یہ جوزف برائر (پیدائش ۱۸۴۲ء) ایک ویانائی طبیب تھا، جس نے فرائڈ کی طرح سے ابتدا عضویاتی کی حیثیت سے کی تھی، اور بعد کو مطب کرنے لگا تھا۔ اس نے اہم عضویاتی انکشافات کیے تھے، اور اس کا نیم دائری نالیوں کا نظریہ اب تک تسلیم کیا جاتا ہے۔ فرائڈ اور برائر پرانے دوست تھے، اور اب انھوں نے عصبی اختلال کی تحقیق میں مل کر کام کرنا شروع کر دیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ برائر ایک نئے طریق علاج پر محنت کر رہا تھا، جسے دراصل اس کی ایک مریضہ نے سمجھایا تھا۔ یہ مریضہ اختناق الرحم میں مبتلا تھی۔ برائر نے حسب دستور اس کے علاج میں تنویم سے کام لیا تھا، اور اس نے یہ تجربہ کیا تھا کہ اگر وہ اسے حالت تنویم میں اپنی جذبی دشواریوں کو بیان کر لینے دیتا ہے، تو بعد کو اس کی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ تنویم کی حالت میں اُسے اپنی جذبی زندگی کے متعلق ایسی باتیں یاد آ جاتی تھیں، جو ویسے یاد نہ ہوتی تھیں؛ اور جب وہ انھیں اپنے طبیب کو سنا چکتی تھی، تو وہ افاقہ محسوس کرتی تھی، اور بعد کو اختناقی علامات اتنی شدید نہ ہوتی تھیں۔ لہٰذا برائر نے پوری طرح سے باتیں کرنے کے اس علاج کو جاری رکھا، اور آخر میں اس کی حالت اتنی بہتر ہو گئی کہ وہ اپنی معمولی زندگی میں مصروف ہو گئی۔ برائر و فرائڈ نے اس نئے طریقے کو دوسرے مریضوں پر کسی حد تک، کامیابی کے ساتھ آزمایا، اور اپنے نتائج کو ۱۸۹۳ء اور ۱۸۹۵ء میں شایع کیا۔ نئے طریقے میں اب تک تنویم کے ساتھ ساتھ دل کھول کر بیان کر لینے کا طریقہ بھی ملا ہوا تھا۔ تقریباً برائر اور فرائڈ کے ساتھ ساتھ ژانے نے اختناق الرحم کے بعض مطالعوں کو شایع کیا، ان میں اس نے یہ ثابت کیا کہ تنویم کو مریض کا حافظہ تازہ کرنے اور علامات کی اصل دریافت کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح سے ژانے کا طریقہ برائر اور فرائڈ کے طریقے کے بالکل مطابق تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ برائر اور فرائڈ محض دل کھول کر بیان کر لینے کے شفائی اثر پر بہت زور دیتے تھے، بشرطے کہ اس بیان کے سلسلے کو کافی عرصے تک جاری رکھا جائے۔ وہ اپنے نئے طریقے کو ذہنی تنقیے کا طریقہ کہتے تھے، کیوں کہ یہ نظام سے خرابی کی جڑ کو دور کرنے کے لیے عمل کرتا تھا۔ وہ شرح قلبی (Abreaction) کی اصطلاح بھی

استعمال کرتے تھے اس معنی میں کہ تکلیف کے بیان کر لینے سے دبے ہوئے جذبے کے لیے ایک مخرج مل جاتا ہے اور اس طرح سے یہ جذبہ رفع ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موضوع نے شرمناک یا اسی قسم کے جذبی ہیجان پیدا کرنے والے واقعات کو شدت کے ساتھ دبا دیا ہے اور جہاں تک حالت بیداری کا تعلق ہے انھیں غیر شعوری بنا دیا ہے یا فراموش کر دیا ہے لیکن تنویمی حالت میں ان واقعات کا احیا ہو جاتا ہے اور ان کے بیان سے دل ہلکا ہوتا ہے۔

اس امید افزا ابتدا کے تھوڑے ہی عرصے بعد بریائر کسی وجہ (جس کو اس نے ظاہر نہیں کیا) اس نئے طریقے سے بیزار ہو گیا، اور اس نے اسے چھوڑ دیا، جس سے فرائڈ تنہا رہ گیا۔ بعد کو بریائر کی بیزاری کی وجہ کھلی۔ اس کی ایک مریضہ نے جب کہ علاج کا طویل سلسلہ ختم ہونے والا تھا یہ کہہ دیا کہ وہ اس سے جدا نہیں ہو سکتی، کیوں کہ وہ اس کے شدید عشق میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اس غیر متوقع ردعمل پر بریائر بالکل پریشان ہو گیا، اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ نیا طریقہ طبیب کے لیے خطرناک ہے، اور اس کی بنا پر اس کے لیے خالص طبیبانہ روش رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ فرائڈ کو بھی جلد ہی اسی قسم کی دشواری میں مبتلا ہو جانا پڑا، لیکن وہ اتنی جلد پریشان نہیں ہوا۔ معاملے کی نفسیات پر غور کرتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ان عورتوں کے لیے خود اس کی شخصیت دلکشی کا باعث نہیں ہے بلکہ اُسے ان کے اصلی مقصود محبت کا بدل یا قایم مقام سمجھ لیا گیا ہے اور عشق اس کی جانب منتقل ہو گیا ہے۔ اگر وہ اپنی طرف سے غیر شخصی روش اختیار کر کے ان کا علاج کرتا رہے، تو وہ اس منتقلی سے بھی علاج میں کام لے سکتا ہے۔ برسوں کے بعد نظریۂ انتقال اور اس کے انتظام کے طریقے دریافت ہوئے ہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ انھیں کل نظریے اور عمل میں غالب حیثیت حاصل ہو گئی۔ تنہا رہنے ۱۴۰
کے بعد فرائڈ نے جلد ہی تنویم کا طریقہ چھوڑ دیا، اور دلی باتیں بیان کر دینے کے طریقے کو اس کے بغیر جاری رکھا۔ تنویمی طریقے کا اتنا جزو اس نے باقی رکھا کہ وہ اپنے موضوع کو اعضا کے ڈھیلا چھوڑنے اور لیٹنے کی ہدایت کرتا تھا۔ لیکن غنودگی کی حالت پیدا کرنے یا اشارے کرنے کی بجائے، وہ موضوع کو صرف یہ ہدایت کرتا کہ جسم کو ڈھیلا چھوڑے ہوئے محض اپنی تکالیف اور ان کے اسباب کو بیان کرے، اور جو کچھ اس کے دل میں آئے بیان کر ڈالے۔ وہ اسے آزادانہ ربط و ضبط کا طریقہ کہتا تھا۔ اگرچہ موضوع سے جس ربط ضبط کا مطالبہ کیا جاتا تھا، وہ کلیتہً آزادانہ نہ ہوتا تھا۔ اس ضرورت کی بنا پر کہ موضوع اپنے شخصی معاملات اور تکالیف ہی کا

ذکر کرتا رہے کسی نہ کسی قسم کا قابو رکھا جاتا تھا۔ اُسے تمام گفتگو میں بہہ جانے کی اجازت نہ تھی
لیکن آزادانہ ربط وضبط کے تصور کے متعلق فرائڈ کا یہ خیال تھا، کہ رکاوٹیں دور کر دی جائیں
اور جس قسم کی یاد بھی آئے، مریض پر کوئی مزاحمت یا پابندی نہ عاید کی جائے۔ اگر کوئی معمولی سی
بات یاد آئے تو بھی اُسے بیان کر دو۔ اگر یہ پریشان کن ہو تو بھی اُسے کہہ دو۔ اعضا کے
ڈھیلے رکھنے کے ساتھ، اس آزاد ربط وضبط کو ملا کر فرائڈ نے تنویم کے بدل کی حیثیت سے
کام لیا۔ اگرچہ یہ عمل نسبتہً سست تھا، لیکن اُس نے زیادہ موضوعوں کے ساتھ کام دیا، اور
اس کے خیال کے بموجب زیادہ دیرپا نتیجے کا باعث ہوا۔
لیکن اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ عمل تحلیل جس میں مریض کی تکلیف کا راست
حملے کے ذریعے سے علاج کیا جاتا تھا، بلاشبہہ سست تھا۔ اور فرائڈ اس تاک میں تھا، کہ
لاشعور پر کوئی ایسا بازو سے حملہ کرے کہ اچانک اس کو جا لے۔ اسے جلد ہی یہ معلوم ہوا کہ مریض
کے خوابوں میں اس قسم کے حملے کا موقع ہے۔ مریض گزشتہ شب کے خواب کو بیان
کرتا ہے، اور محلل کی ہدایت کی بنا پر آزاد ائتلاف کے عمل کے ذریعے سے اپنے ذہن کو
خواب کے ہر جزو کے متعلق آزادی کے ساتھ عمل کرنے کا موقع دیتا ہے۔ خواب کے ہر جزو
پر بلا تکلف تفصیلی گفتگو ہوتی ہے، اس امید میں کہ شاید ایسی معنیٰ خیز یادداشتیں مل جائیں
جن کی باہم چول بیٹھ جائے، اور وہ گرہ ظاہر ہو جائے، جس میں موضوع مبتلا ہے خواب کی
تحلیل کا یہ طریقہ جس کو فرائڈ نے انیسویں صدی کے آخری دہے میں ایجاد کیا تھا، اب بھی
تحلیل نفسی کے طریق کار کا اہم جزو ہے۔ اس نے خوابوں کے متعلق اپنے وسیع مشاہدات ۱۴۱
اور نظریات کو دُنیا کے سامنے اپنی کتاب The interpretation of Dreams
میں پیش کیا، جو جرمن زبان میں سنہ ۱۹۰۰ء میں شایع ہوئی۔ اس کتاب سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس کے
مصنف نے عام نفسیات کی ترقی میں اہم حصہ لیا۔ خود اس کے متبعین کو یہ مستقبل کی حقیقی
حکمی نفسیات کی صبح معلوم ہوئی۔ کتاب رویا کے بعد جلد ہی اس نے ایک دلچسپ کتاب
روزمرہ کی زندگی کی نفسی مرض Psyeho Pathology of every day life
شایع کی جو سنہ ۱۹۰۱ء میں جرمن زبان میں شایع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں وہ زبان اور حافظے
کی لغزشوں اور ہر قسم کی چوکوں کی تحلیل کرتا ہے اور یہ دکھاتا ہے کہ ان سے غیر شعوری
پیچیدگیوں کے انکشاف میں کام لیا جا سکتا ہے اور سنہ ۱۹۰۵ء میں اپنی کتاب ظرافت اور

لاشعور کا تعلق یا Wit in relation to the unconcions اس نے اپنے اس خیال کو اور بھی ترقی دی، کہ جسے ہم معمولی یا تندرست زندگی کہتے ہیں، اس میں دبی ہوئی خواہشیں کیا کام کرتی ہیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء سے نفسی تحلیل کے معنیٰ صرف عصبی خرابیوں کے علاج کے فن ہی کے نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک متعین قسم کا نفسیاتی نظریہ خیال کی جاتی ہے۔

عصبی خرابی کی علامتوں، خوابوں، لغزشوں اور ظرافتوں کی تحلیل میں فرائڈ کو جو دبی ہوئی خواہشیں اور گرہیں ملیں، وہ زیادہ تر جنسی نوعیت کی تھیں۔ صرف یہی نہیں کہ شارکو نے جو بات برسبیل تذکرہ کی تھی یعنی عصبی اختلال کی ہر صورت میں جنسی خرابیاں پائی جاتی ہیں اس کی تصدیق ہوگئی بلکہ فرائڈ کی تو یہ بھی رائے تھی، کہ دبی ہوئی جنسی خواہشیں یعنی اس وجہ سے دبی ہوئی کہ یہ معاشرے کے مطالبات کے خلاف ہوتی ہیں معمولی تندرست لوگوں میں بھی ہوتی ہیں، اور کردار کی ایسی خصوصیتوں کا باعث ہوتی ہیں، جن کا بادی النظر میں جنس سے تعلق ہونا ممکن ہی نہیں معلوم ہوتا۔ اس کی نفسیات کو کچھ تو اس وجہ سے کہ وہ جنسی امور پر بہت زیادہ زور دیتا تھا، اور کچھ اس کے نظریوں کی دشوار فہمی اور انتہا پسندی کی وجہ سے، لوگوں نے خاموشی کے ساتھ قبول نہیں کیا۔ اس کو معدودے چند لوگوں نے تو نہایت جوش وخروش سے لبیک کہا، مگر اکثر نے اس کی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ بعض کو تو یہ وحی آسمانی معلوم ہوتی تھی، اور بعض اس کو شیطانی علم کہتے تھے۔ لیکن اب برس گزر جانے کے بعد فضا کسی قدر صاف ہوگئی ہے۔ موافقین ومخالفین دونوں سنجیدگی سے ۱۴۲
کام لینے لگے ہیں، اور یہ بات ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ فرائڈی نفسیات کو اگرچہ آخری یا قطعی الہامی کتاب تو نہیں، مگر ہماری نشوونما پاتی ہوئی حکمت کا ایک اہم حصہ ضرور کہا جاسکتا ہے۔ خود فرائڈ بڑی عمر تک اپنے نظریات کی تکمیل واصلاح کرتا رہا ہے، اگرچہ اس نے ان بڑے نتائج میں سے اکثر میں کسی قسم کا ردوبدل کرنا ضروری نہیں سمجھا جن تک وہ ابتدائی زمانے میں پہنچا تھا۔

عصبی معالجین میں سے فرائڈ کے گرد سنہ ۱۹۰۰ء سے ہی متبعین جمع ہونے شروع ہوگئے تھے، اور وی آنا میں ایک چھوٹی سی جماعت اس کے گرد جمع ہوگئی۔ دوسرے ملکوں کے متبعین خصوصاً سوئٹزرلینڈ والے اس سے خط وکتابت کرنے لگے، اور سنہ ۱۹۰۸ء تک تحلیل نفسی کی بین الاقوامی کانگریس کا انعقاد ممکن ہوگیا۔ لیکن تحلیل نفسی کی یہ توسیع داخلی اختلاف کے بغیر زیادہ دور

نہیں چلی۔ سوئٹسانی محللین نے کسی قدر آزادی کے ساتھ ترقی کی اور انھوں نے فرائڈ کا اتباع چھوڑ دیا۔ وی آنا والوں میں سے بعض زیادہ جرأت پسند الگ ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۹۱۲ء کے بعد سے عام تحلیل نفسی مذہب کے تحت کئی ذیلی مذہب بھی بن گئے ہیں۔ تحلیل نفسی کا نام صحیح معنی میں فرائڈ کا دیا ہوا ہے لیکن یونگ کی تحلیلی نفسیات اور آڈلر کی انفرادی نفسیات عصبی علاج اور نفسیاتی نظریہ دونوں اعتبار سے تحلیل نفسی ہی کی قسمیں ہیں۔ لیکن فرائڈ کو اس امر پر اصرار ہے کہ یونگ اور آڈلر دونوں عصبی اختلالات اور عام زندگی میں جنسی خواہش کی اہمیت کو نظر انداز کر کے تحلیل نفسی کے گروہ سے خارج ہو چکے ہیں۔ فرائڈ کے کام پر تفصیلی بحث کر لینے کے بعد ہم ینگ اور آڈلر پر بحث کریں گے۔

تحلیل نفسی کے عمل میں مزید ترقیاں

فرائڈ کے نفسیاتی نظریے کا مسلسل تذکرہ کرنے سے پہلے ہم تحلیل نفسی کے علاج کی مزید ترقی کا کچھ حال سناتے ہیں نفسی محللین میں جلد ہی یہ خیال پیدا ہو گیا کہ بعض چیزیں ۱۴۳
متعین جنسی اشیا اور اعمال کی علامتیں ہیں جیسے ہی مریض ان چیزوں کے خواب میں دیکھنے کا تذکرہ کرتا تھا محلل اس کی گرہ کی اصل ماہیت کو فوراً جان جاتا تھا۔ ان مقررہ علامات کے استعمال سے تحلیل کے طویل عمل میں بہت کچھ وقت بچ گیا ہوتا، مگر ایک اصول حائل ہو گیا، جو فرائڈ کے نظام میں اساسی حیثیت رکھتا ہے، اور وہ یہ کہ مریض کو صرف یہ بتا دینے ہی کی ضرورت نہیں کہ اس کو کیا تکلیف ہے، بلکہ اس کے اصل تکلیف دہ تجربات کے تازہ کرنے کی بھی ضرورت ہے، تاکہ شعوری سطح پر اس کا علاج ہو سکے۔ اس لیے مقررہ علامتیں اگرچہ کچھ عرصے تک تو اہم کام انجام دیتی رہیں، مگر بعد کو پس منظر میں جا پڑیں۔

اپنے آزاد ائتلاف اور تحلیل رویا کے نئے طریقوں سے مسلح ہو کر فرائڈ نے بہت سے عصبی مریضوں کا بہت ہی کامیابی کے ساتھ علاج کیا۔ وہ ایسے تجربات کو تازہ کر دیتا تھا، جن کو دبا دیا گیا تھا، اور اختناقی فالجوں، بے حسیوں، عصبی اندیشوں اور مختلف قسم کی بندشوں کو دور کر دیتا تھا۔ لیکن اکثر ایسا ہوا کہ جو مریض شفایاب ہو کر جا چکے تھے، وہ کچھ عرصے کے بعد

کسی قدر مختلف شکایات لے کر پھر رجوع ہوتے تھے۔ اور تقریباً جن جن اطبا نے عصبی اختلال کا علاج کرنے کی کوشش کی ان سب کو یہی بات پیش آئی لیکن فرائڈ حسب معمول پریشان نہیں ہوا بلکہ اُسے اپنے طریقوں کی قدر و قیمت کا یقین رہا۔ اور اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ تحلیل جتنی دور تک جانی چاہیے تھی، اتنی دور تک نہیں پہنچی۔ اس نے خیال کیا کہ میں عصبی اختلال کی صرف خارجی تہہ تک پہنچا ہوں، مگر اس کے مرکز تک نہیں پہنچا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ مریض کی زندگی میں اور دور تک جانے کی ضرورت ہے، جیسے جیسے اس کا تجربہ بڑھا اس نے اپنی فرد کی تحلیل میں زیادہ سے زیادہ زمانۂ ماضی کی طرف جانے کی کوشش کی۔ پہلے وہ قریبی زمانے کے اختلال کی وجہ دریافت کرنے پر مطمئن ہو گیا تھا، مگر بعد اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ قریب کا اختلال ایک قدیم تر اختلال کا شاخسانہ ہے، جو موضوع کی غیر شعوری زندگی میں موجود ہے، اور بہت ممکن ہے کہ پھر تکلیف کا باعث ہو۔

پہلے وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اصل اختلال کسی خاص جذبی صدمے کا نتیجہ ہے جو مریض
کو پہنچا تھا، جیسا برائر اور شارکو کا بھی خیال تھا۔ اس لیے اس نے موضوع کی بھولی ہوئی یادوں ۱۴۴
کی زیادہ سے زیادہ چھان بین کی، تاکہ وہ حادثہ مل جائے جو اصل تکلیف کا باعث ہوا۔ بہت سی اختناقی مریضات نے جو اس کے زیر علاج تھیں تحلیل رویا کے ذریعے سے ان صدموں کو یاد کیا، جو انھیں بچپن میں پہنچے تھے۔ انھیں یہ یاد آیا ان کے باپ، چچا یا بڑے بھائیوں نے ان کے پھسلانے یا ان کی عصمت دری کرنے کی کوشش کی تھی، خود فرائڈ کو اس قسم کے بیانات کی بظاہر کثرت سے حیرت ہو گئی اس لیے اُس نے ان کہانیوں میں سے بعض کی تنقیح کی اور یہ معلوم ہوا کہ یہ محض خیالی ہیں۔ اپنی تحلیل رویا کے اس غلط نتیجے سے وہ بھی کچھ عرصے کے لیے پریشان ہو گیا، لیکن جلد ہی اس نے اپنی خاطر کو مجتمع کر لیا، اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ مریضہ کو جو بات یاد آئی ہے وہ بچپن یا اوائل شباب کا کوئی مخیلہ یا واہمہ ہے، اور یہ خیالی قصہ اگرچہ خارجی اعتبار سے واقعہ نہ تھا، مگر مریضہ کے لیے ضرور حقیقی تھا اور اس کی تاریخ حیات میں اتنا ہی اہم تھا، جیسے کہ یہ کوئی حقیقی واقعہ ہو۔ اس نے یہ بھی نتیجہ نکالا کہ اس توہم میں موضوع کی کوئی طفلی خواہش شامل تھی۔ بعد کے بچپن کا توہم ابتدائی بچپن کی ایسی خواہش کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی تکمیل نہ ہوئی تھی۔ اگر تحلیل اس ابتدائی بچپن کی خواہش تک پہنچ سکے، تو وہ بالغ آدمی کی زندگی کی دشواریوں کی تہ تک پہنچ جائے۔ اگر تحلیل رویا کے ذریعے سے وہ موضوع کی

ابتدائی بچپن کی بھولی ہوئی یادوں کو تازہ کر سکے، اور اس دور کی خواہشوں کو دوبارہ زندہ کر دے، تو عصبانیت کا بہت ہی عمدہ علاج کر سکتا ہے۔

تحلیل کو ابتدائی بچپن تک لے جانے کے اگر یہ معنی ہیں، کہ فرد کو رویائی تحلیل کی کسی مقدار سے بھی، زندگی کے ابتدائی چند سال کے واقعات مکمل طور پر یاد آجائیں تو یہ تو عملاً ناممکن ہے۔ باوجود فرائڈ کے اس ضابطے کے، کہ کوئی بات جو ایک بار تجربے میں آجاتی ہے، کامل طور پر کبھی نہیں بھولتی، اور اگر مزاحمتوں کو کافی حد تک دور کر دیا جائے تو ہر شے یاد آجائے، انتہائی محنتوں کے بعد بھی اس ابتدائی تجربے ۱۴۵
کے چند پریشان ٹکڑوں سے زیادہ یاد آنے میں کبھی کامیابی نہیں ہوئی۔ تاہم یہ ممکن ہو سکتا ہے، کہ ابتدائی واقعات کے لیے عقلی حافظہ لازمی شرط نہ ہو، ممکن ہے محض ابتدائی بچپن کی طفلی روش کے تازہ کرنے کی ضرورت ہو۔ جذبی اعتبار سے فرد کو ایک بار پھر چھوٹا سا بچہ بنا دو۔ ابتدائی واقعات کے جستہ جستہ یاد آنے سے بھی بچپن کی روش اور بچپن کی خواہشیں تازہ ہو جائیں گی۔ جہاں تک میں سمجھا ہوں فرائڈ کا پختہ تصور یہ ہے اور تحلیل کے ذریعے سے وہ یہ کام انجام دیتا ہے۔

جب موضوع کے ذہن میں ابتدائی جذبی روش اس طرح سے تازہ ہو جاتی ہے اور وہ واقعات اشیا اور اشخاص پوری طرح سے یاد نہیں آتے جنھوں نے اس بچپن کی تمثیل میں حصہ لیا تھا، تو انتقال کے لیے دروازہ کھل جاتا ہے۔ موضوع اپنے تازہ شدہ جذبات کے لیے ایک موجود شے پاتا ہے، اور یہ محلل ہوتا ہے۔ جس حد تک بچے کا باپ اس کی محبت یا عدول حکمی کا معروض تھا، اس حد تک محلل باپ کے بدل کی حیثیت سے منتقلہ جذبے کا معروض بن جاتا ہے۔ تحلیل کے دوران میں بعض نوبتوں پر موضوع محلل سے غیر معمولی جوش و خروش کے ساتھ محبت کرنے لگتا ہے، اور بعض نوبتوں پر وہ محلل کی نسبت انتہائی بے اعتمادی حتیٰ کہ نفرت تک کا اظہار کرتا ہے۔ ایجابی اور سلبی دونوں قسم کی منتقلی سے باپ کی طرف سے ابتدائی روش، کی حالتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ تحلیل جیسے جیسے اپنی منزل مقصود کے قریب ہوتی جاتی ہے ایجابی انتقال زیادہ پیش پیش ہوتا ہے۔ اگر دوسرا قدم نہ اٹھایا جائے تو مریض محلل پر بچوں کی سی بھروسے کی حالت میں رہ جائے۔ یہ قدم مریض کو انتقال سے الگ

کرنے پر مشتمل ہوتا ہے۔ انتقال کے ذریعے سے بچے کی خواہشیں غیر شعوری عالم سے پھسلا کر نکالی گئیں اور انھیں ان کے بچپن کے معروضات سے چھڑایا گیا۔ اب انھیں محلل پر قایم نہ رہنے دینا چاہیے، بلکہ مریض کی، اس کی عاقل بالغ زندگی کے حالات کے لحاظ سے ان کے لیئے مناسب مخرج تلاش کرنے میں مدد کرنی چاہیے۔ محلل کو آخر میں تمثیل سے علیحدہ ہو جانا چاہیے اور مریض کو اس حالت میں چھوڑنا چاہیے کہ وہ اپنا کام تنہا انجام دے۔

اس طرح سے ایسے شخص کی طباعی کی بدولت جو صرف یہی نہیں کہ عمدہ نظریہ ساز تھا، بلکہ اپنے کام کے حقائق سے بھی بہت ہی قریبی تعلق رکھتا تھا تحلیل نفسی کی وہ دشواریاں اس کی کامیابی کا موجب ہوگئیں۔ آزاد ائتلاف جو ابتدائی واقعات کی حقیقی یادیں نسبتہً ۱۴۶
بہت ہی کم کامیاب ہو سکتا تھا اس سے جذبی احیا کا کام لیا گیا۔ اور انتقال جس سے کل عمل ہی کے برباد ہو جانے کا اندیشہ تھا کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ بنایا گیا۔

خود فرائڈ نے اپنے طریقے کی ترقی کا ایک مختصر سا خاکا بیان کیا ہے۔ اپنی بعد کی تحریرات میں سے ایک میں وہ اپنی ترقی کی تین منزلیں بیان کرتا ہے۔

شروع میں تحلیلی طبیب کی کوششیں ان غیر شعوری امور کے پتا چلانے تک محدود رہیں، جن سے خود مریض بھی ناواقف ہوتا تھا۔ اس کے بعد وہ اس کے اجزائے ترکیبی کو جوڑتا تھا، اور مناسب وقت میں مریض کو اس سے آگاہ کرتا تھا......

چوں کہ اس سے علاجی کام مکمل نہیں ہوتا تھا اس لیے دوسرا مقصد یہ ہوتا تھا کہ مریض کو اس بات پر مجبور کیا جائے، کہ اپنی یاد کے ذریعے سے ان واقعات کی تصدیق کرے۔ اس کوشش میں زیادہ زور مریض کی مزاحمتوں پر دیا جاتا تھا۔ اب ہنرمندی اور قابلیت کا کام یہ تھا، کہ انھیں تا بہ امکان جلد ظاہر کر دے، اور مریض کی توجہ ان کی طرف منعطف کرائے، اور اُسے یہ تعلیم دے کہ وہ مزاحمتوں کو چھوڑ دے۔

لیکن رفتہ رفتہ یہ واضح ہوتا گیا، کہ پیش نظر مقصد یعنی غیر شعوری کا شعوری بنا دینا، اس طریقے سے بھی حاصل نہ ہوتا تھا۔ مریض جو کچھ دبا ہوا ہوتا ہے، اس سب کو یاد نہیں کر سکتا، اور شاید وہ اس کے ضروری جز و کو بھی یاد میں نہ لا سکے...... بلکہ اسے ایک معمولی تجربے کی حیثیت سے اس کے دہرانے پر مجبور کیا جاتا ہے، جو دبا ہوا ہے...... اصولاً طبیب مریض کو علاج کے اس حصے سے فایدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اسے چاہیے کہ مریض کو اپنی بھولی ہوئی

زندگی کے ایک خاص حصے میں رہنے دے۔
قابل محلل نفسی کے طریق عمل کے اس بیان سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ غیر پیشہ ور
کا کام نہیں ہے۔ فرائڈ کہتا ہے کہ محلل کو کم از کم دو سال کے شدید مطالعے اور استاد کی
نگرانی میں مشق کی ضرورت ہے، اس کے بعد جا کر کہیں وہ اپنے طور پر کام شروع کر سکتا ہے۔ ١٤٧
اس زمانے کے طبی مدارس اس قسم کی کوئی معقول تربیت نہیں دیتے، وہ ایسے بہت سے
مضامین کی تعلیم دیتے ہیں جن کی محلل نفسی کو اپنے کام میں کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ بعض
نہایت ہی ضروری مضامین کو نظر انداز کر دیتے ہیں، مثلاً انسانیات، تاریخ تمدن، صنمیات،
نفسیات مذہب، علم عوام، ادب اور ان سب سے زیادہ اہم لاشعوری نفسیات یا نفسیات عمیق۔
اور یہ طبی طالب علم کو تحلیل نفسی کے لیے نہیں بلکہ اس کے خلاف تربیت دیتے ہیں جس کی
وجہ سے وہ بیماری کے صرف خارجی اور طبیعی اسباب کا لحاظ کر سکتا ہے۔ ایسا فاضل طب
اگر یہ فرض کرتا ہو کہ وہ تحلیل نفسی کے طریق علاج سے کام لے سکتا ہے خطرناک حد تک عطائی ہونے
کے قریب آجاتا ہے۔ چوں کہ مستند محللین نفس کی بہت ضرورت ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ
تحلیل نفسی کے طریق علاج کو صرف طبی پیشے تک محدود نہ رکھا جائے۔ محلل کی شدید تربیت کا پہلا
قدم یہ ہے کہ وہ خود اپنی تحلیل کرائے، جو شخص خود اپنے دبے ہوئے اختلالات سے آزاد ہو چکا ہے
دوسرے شخص کے اختلالات کا علاج کر سکتا ہے ورنہ دوران تحلیل میں خود اس کے اختلالات نمایاں
ہو جائیں گے، اور انتقال بجائے اس کے کہ مریض سے کلیۃً محلل کی جانب ہو، دوسری جہتوں میں
بھی واقع ہو جائے گا، اور ہمارے پاس غیر شخصی صورت نہیں بلکہ ایک شخصی صورت حال ہو گی۔ فرائڈ
کو توقع ہے کہ تحلیل نفسی بچپن اور جوانی میں انطباقات ناقص کے ابتدائی علاج میں بہت مفید ثابت ہو گی۔

فرائڈ کی نفسیات

اب تک ہم عصبی اختلالات کے طریق علاج اور ایک مذہب یا تحریک کی حیثیت
سے تحلیل نفسی کا مطالعہ کرتے رہے ہیں، اور ہم نے فرائڈ کے نفسیاتی نظریوں کو پس منظر
میں چھوڑ دیا ہے۔ فرائڈ کے واقعات کو نظریوں کی آمیزش کے بغیر بیان کرنا آسان نہیں ہے، ١٤٨
کیوں کہ واقعات کو نظریے کے لباس میں پیش کیا جاتا ہے۔

خود فرائڈ نے اپنے اصل واقعات کو مختصراً بیان کیا ہے[1]

"نظریۂ تحلیل نفسی دو تجربوں کی تشریح کی کوشش کرتا ہے، جو حیرت انگیز اور غیر متوقع طور پر عصبی اختلال کے مریض کی سوانح حیات میں علامات مرض کی اصل دریافت کرتے وقت ہوتے ہیں، ان میں ایک انتقال ہے اور دوسرا مزاحمت۔"

واقعۂ انتقال کی کافی طور پر تشریح ہو چکی ہے، اگرچہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ درحقیقت واقعات مریض کی ایجابی اور سلبی روشیں ہیں، جو اس سے دوران تحلیل میں محلل کے متعلق ظاہر ہوتی ہیں۔ اس دعوے میں کہ یہ روشیں اپنے اصل معروضوں سے محلل کی جانب منتقل ہو جاتی ہیں، نظریے کا بہت بڑا عنصر ہے۔ واقعۂ مزاحمت اس معنیٰ میں قطعی طور پر ایک واقعہ ہے، کہ مریض اپنے تجربات کو کامل بے تکلفی کے ساتھ محلل کو سنانے سے گریز کرتا ہے۔ بعض یادیں جو آزاد ائتلاف کے دوران میں تازہ ہو جاتی ہیں، اس قدر معمولی ہوتی ہیں کہ بیان کرنے کے لائق نہیں ہوتیں، اور بعض ایسی ہوتی ہیں جنھیں وہ بتانا نہیں چاہتا۔ لیکن مزاحمت اس شعوری روک سے آگے بھی ہوتی ہے کیوں کہ اکثر ایسی یاد جو پوری طرح سے تازہ ہو جاتی ہے، اور مریض جس کو پہچان لیتا ہے، نہایت ہی مشتبہ طریق پر ظاہر ہونے سے باز رہتی ہے۔ بار بار اس تک پہنچا جاتا ہے، لیکن یہ گریز کر جاتی ہے، مریض اس کا پوری طرح سے اعادہ نہیں کر سکتا، لیکن جب یہ آخر کار واضح اور مکمل طور پر آجاتی ہے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع کے ذہن میں ہمیشہ سے موجود تھی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسے غیر شعوری مزاحمت نے روکے رکھا تھا نہ کہ ائتلافی آلات کے خامیوں نے۔ پھر نظریے کا ایک عنصر ہے۔ پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرائڈ کے بنیادی واقعات بھی نظریے کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ یہ دوران تحلیل میں موضوع کے کردار کے واقعات کی تعبیریں ہیں ایسی تعبیریں جو کردار کے اس طرح سے مناسب ہو جاتی ہیں کہ محلل ان کے اختیار کرنے پر تقریباً مجبور ہو جاتا ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ تعبیریں غلط ہوں یا واقعات کے صرف جزوًا مطابق ہوں۔ ۱۴۹

نظریے کے قلمرو میں مگر واقعات سے بہت ہی قریب، فرائڈ دباؤ اور طفلی جنسیت کو

[1] ایس فرائڈ تاریخ تحریک تحلیل نفسی (عصبی و ذہنی امراض کی اشاعت کرنے والی کمپنی ۱۹۱۷ء) صفحہ ۹۔

جگہ دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

"دباؤ کا نظریہ وہ ستون ہے جس پر تحلیل نفسی کی عمارت قایم ہے۔ درحقیقت یہ اس کا نہایت ہی اہم جزو ہے، اور بجائے خود ایک ایسے تجربے کا نظری اظہار ہے، جسے جب چاہے اس وقت دہرایا جا سکتا ہے جب ایک عصبانی مریض کی تنویم کی مدد کے بغیر تحلیل کی جائے۔ اس وقت ایسی مزاحمت کا سامنا ہوتا ہے، جو تحلیلی کام کو روکنے کے لیے حافظے کو ناکام کر کے مخالفت کرتی ہے......

ایسی ہی اہم کامیابی...... (جو بہت سے تجربات کا نظری خلاصہ ہے).... لیکن جو بہت بعد کے زمانے کی ہے، طفلی جنسیت کا نظریہ ہے...... ابتداً صرف یہ دیکھا گیا کہ حقیقی ارتسامات کے اثر کا ماضی میں پتا چلانا پڑتا ہے..... راستے اور بھی پیچھے بچپن اور اس کے بھی بہت ہی ابتدائی سالوں تک لے گئے.... خیالی ضربوں تک... اس کے بعد جلد ہی یہ یقین ہو گیا، کہ یہ وہمی شبیہ بچپن کے ابتدائی برسوں کی خود عشقی فعلیتوں کے چھپانے کا کام دیتے ہیں..... اور اب ان وہمی شبیہوں کی تہ میں بچوں کی کل جنسی زندگی ظاہر ہو گئی...... کئی برس بعد میرے انکشافات کی کامیابی کے ساتھ تصدیق ہو گئی اور بہت ہی چھوٹے بچوں کے بلا واسطہ مشاہدے اور تحلیلوں سے ان کا بیشتر حصہ صحیح ثابت ہوا۔"

دباؤ اور طفلی جنسیت کا ذکر اگرچہ یہاں پر واقعات کی حیثیت سے نہیں بلکہ نظریوں کی حیثیت سے کیا گیا ہے، مگر فرائڈ ان کو ذرا سا بھی نظری خیال نہیں کرتا۔ وہ اسے ایسے نظریے معلوم ہوتے ہیں، جن کی نفسی محلل کو اپنے مریضوں پر روزمرہ کے تجربے سے کافی تصدیق ہوتی ہے، اور وہ عملی طور پر ان کے ماننے پر مجبور ہوتا ہے۔ بہرحال یہ ایسی تعبیریں ہیں، جنھیں وہ خود اپنے فکر اور اپنے مریضوں کے سمجھانے کے لیے بہت مفید پاتا ہے۔ اگر ہم ان دونوں نظریوں کو یکجا کر دیں، تو ہمیں فرائڈ کی نفسیات کے اساسی اصولوں کا خلاصہ دستیاب ہو جائے گا۔ دبی ہوئی طفلی جنسیت...... ہمیں یہ بات فوراً معلوم ہو جاتی ہے کہ ان تین لفظوں کو کسی طرح سے دو میں تحویل نہیں کیا جا سکتا، اور عمارت دو کے بجائے تین ستونوں پر قایم ہے۔ فرائڈ تین باتوں پر دراصل زور دیتا ہے، دباؤ، جنسی خواہش اور طفلی دور۔

ہمیں اس بات کو اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیے، جسے فرائڈ نے کئی بار دہرایا ہے کہ اس کا نظریہ کل ذہنی زندگی پر حاوی ہونے کا مدعی نہیں ہے بلکہ یہ خاص طور پر اس رخ کی تشریح کرنا چاہتا ہے، جسے تمام دوسرے نظریوں میں تاریک چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کا نظریہ خوابوں، لغزشوں اور خاص طور پر عصبانی اختلالات سے متعلق ہے۔ عصبانیت کی ابتدا دبی ہوئی طفلی جنسیت سے ہوتی ہے —— یہ ہے اس کا اصل دعویٰ۔ لیکن دبی ہوئی طفلی جنسیت صرف ان افراد سے مخصوص نہیں ہے، جن پر اپنی زندگی کے کسی زمانے میں عصبانیت کا حملہ ہو بلکہ یہ سب میں موجود ہوتی ہے، اور سب کی زندگی میں ایک اہم جزو ہوتی ہے۔

اگر ہمیں وہ طریقے معلوم ہو سکتے، جن سے فرائڈ جیسا زرخیز مفکر اپنے نظریوں تک پہنچتا ہے، تو یہ نفسیات کا ایک عمدہ ٹکڑا ہوتا ہے۔ غالباً ہم اس جہت میں صرف تھوڑا سا آگے بڑھ سکتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب اس نے اپنے عصبانی مریضوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو وہ پہلے سے دس سالہ حکمی کام کی بنیاد رکھتا تھا۔ لڑکپن سے وہ شوقین اور ذہین طالب علم تھا، اور اس کا رجحان علمی بلکہ حکمی تھا۔ لیکن اس کی تحریرات کے پیش نظر مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اس کا مزاج ٹھیک ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک حکمی آدمی کا ہونا چاہیے۔ وہ محقق نہیں، بلکہ ایک روشن ضمیر معلوم ہوتا ہے۔ اور مفروضوں کا سنگدل نقاد نہیں بلکہ ان کا زرخیز موجد زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اصول کی پابندی کرتا تھا، جو اُسے شارکو سے ملا تھا، یعنی خود کو واقعات اور خصوصاً چکرا دینے والے واقعات کے اندر اس امید میں غرق کر دینا چاہیے کہ ان پر روشنی پڑے گی۔ روشنی پڑی اور یہ فرائڈ پر اکثر پڑتی تھی۔ مگر یہ اتنی شدت اور یقین کے ساتھ پڑتی تھی، کہ اسے مفروضہ ایسا معلوم ہونے لگتا تھا، کہ اس کے لیے آئندہ جانچ کی ضرورت ہی نہ ہو۔ فرائڈ کی کتابیں پڑھتے ہوئے تمھیں اس چیز کی کثرت پر حیرت ہوگی، جس پر اگر تم ایک لمحے کے لیے غور کرو تو یہ مفروضہ معلوم ہوگی۔ بعض صفحوں پر تمھیں اتنے مفروضے ملیں گے، جن کی جانچ کے لیے تحقیقی کام کرنے والوں کو ایک سال لگ جائے۔ لیکن فرائڈ سنجیدگی کے ساتھ آگے بڑھ جاتا ہے، اور اگلے صفحے پر تقریباً اتنے ہی مفروضے اور بیان کر دیتا ہے۔ بلا شبہ اس کا ذہن نہایت ہی زرخیز ہے۔ ۱۵۱

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرائڈ قول محال کو پسند کرتا تھا۔ کم از کم وہ نہایت کامیابی

کے ساتھ عامیانہ باتوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یقیناً وہ چند اصول ایسے رکھتا ہے جو اس کے فکر کو صریح اور پیش پا افتادہ چیزوں سے دورر کھتے ہیں۔ ایک ایسا ہی اصول رہبر یہ ہے کہ جس چیز کی ممانعت ہے، اس کی خواہش ہونی چاہیے۔ اگر لوگوں نے ایک چیز کے کرنے کی خواہش نہ کی ہوتی، تو اس چیز کے خلاف قانون و رواج میں ممانعتیں کبھی نہ ہوسکتی تھیں۔ جس چیز کی سب سے زیادہ سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے اس کی اسی سختی کے ساتھ خواہش بھی ہونی چاہیے۔ جو چیز قابل نفرت اور دہلا دینے والی ہو اس کی اتنی ہی شدت سے خواہش ہوتی چاہیے۔ اپنے باپ کا مار ڈالنا خاص طور پر قابل نفرت فعل ہے اور اس قسم کے کردار کے خلاف قوانین میں غیر معمولی سزائیں رکھی گئی ہیں، اس لیے اس خاص جرم کرنے کی خاص طور پر شدید اور عام خواہش ہونی چاہیے۔ ازدواج بالمحرمات یا قریبی اعزہ میں جنسی تعلقات بہت ہی قابل نفرت جرم معلوم ہوتا ہے۔ ایسا کیوں معلوم ہونا چاہیے؟ فرائڈ کا اصول رہبر اسے یہ فرض کرنے پر آمادہ کرتا ہے، کہ فرد میں ازدواج بالمحرمات کی شدید خواہش ہونی چاہیے، جس کے روکنے کے لیے معاشرے کو شدید مذمت اور سزا کی دھمکیوں کی ضرورت پڑی ہے۔ اس طرح پر چھپی ہوئی ابتدائی خواہشوں کا پتا چلایا جاسکتا ہے، اور عمقی نفسیات کی جانب قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔

اسی قسم کا ایک اصول رہبر یہ ہے، کہ جس چیز کا ڈر ہوتا ہے، غالباً اس کی خواہش ہوتی ہے اور خوف خواہش کا نقاب ہوتا ہے۔ تکلیف و الم اور بلا واسطہ ضرر سے بچنا یقیناً معقول ہے۔ لیکن مہذب زندگی میں جو خوف ہم پاتے ہیں، وہ اگر تم ان پر غور کرو، تو اکثر عجیب وغریب ہوتے ہیں۔ یہ بات خصوصیت سے عصبانی اشخاص کے خوفوں کے متعلق صحیح ہے۔ بجائے یہ کہنے کے کہ یہ احوالی خوف ہے، جیسا کہ کردار یتی کہہ دیتا، فرائڈ ان پر نا قابل قبول خواہشوں کے پردہ پوش ہونے کا شبہہ کرتا ہے۔ اسی طرح سے کسی شخص کی عافیت کے متعلق غیر معمولی پریشانی ممکن ہے کہ اُسے مضرت پہنچانے کی غیر شعوری خواہش کا نقاب ہو۔ ١٥٢

فرائڈ کا اساسی مسلمہ تحریک اور دیرپا گرہیں

اس سے مختلف قسم کے بعض اساسی مسلمے فرائڈ کے فکر میں مضمر ہیں۔ اگرچہ وہ

خود جبر کو تحلیل نفسی کا اساسی ستون کہتا ہے، یا دوسری عبارتوں میں نظریہ لاشعور کو (جو جبر کا نتیجہ ہے) عمقی نفسیات کی اصل روح کہتا ہے مگر یہ مسلمات اس سے بھی زیادہ اساسی معلوم ہوتے ہیں۔ ان مسلمات میں سب سے بڑا یہ ہے کہ ہر قسم کا کردار محرک پر مبنی ہوتا ہے۔ ارادی افعال کے علاوہ جو صراحتہً محرکوں یا خواہشوں کا نتیجہ ہوتے ہیں، ایسے افعال بھی ہیں جو ہمیں غیر ارادی اتفاقی، یا ارادہ و نیت کے مخالف معلوم ہوتے ہیں، وہ بھی خواہش کو پورا کرتے ہیں خصوصاً عصبانیتوں کے متعلق اس کی یہ رائے ہے۔ میک ڈوگل نے غیر معمولی نفسیات کو مذہبوں کا بہت ہی قابل قدر خلاصہ لکھا ہے اس میں وہ کہتا ہے، کہ فرائڈ اپنے متقدمین سے علیحدہ ہو کر اپنے عصبانیتوں کے نظریے کو تحریک پر مبنی کرتا ہے۔ اس کے متقدمین اور حتی کہ اس کے معاصر ژانے نے بھی عصبانیت کو موضوع کی کمزوری کی علامت قرار دیا تھا۔ ژانے ادنیٰ ذہنی تناؤ کو عصبانیتی کی اساسی کمزوری کہتا ہے، ایسی کمزوری جس کا تجربہ موضوع کو ناکافی پن کے احساس سے ہوتا ہے، اور جس سے وہ خاص ڈر یا خبط پیدا ہوتا ہے، جسے موضوع اپنی کمزوری کی تعبیر کے طور پر پیش کرتا ہے۔ لیکن فرائڈ نے عصبانیتوں کی یہ تعبیر کی کہ یہ خواہشوں اور ان کے دبا دینے پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس کے نزدیک عصبانی علامات محض کمزوری ہی کے آثار نہیں، بلکہ قطعی طور پر خواہش کی تکمیلیں ہوتی ہیں۔ اگر موضوع اپنے ڈر یا فالج کو شعوری طور پر نہیں چاہتا تو یقیناً وہ اس کی غیر شعوری طور پر خواہش رکھتا ہوگا۔ ہر قسم کی فعلیت خواہش کی تکمیل ہوتی ہے، خواہ یہ براہ راست
۱۵۳ ہو یا ہیر پھیر کر کے۔

یہ بات مشکل ہی سے ممکن معلوم ہوگی، کہ کوری یا فالج اگرچہ وہ اختناقی یا فعلی ہو، اور دماغ کے کسی عضوی نقصان کی بنا پر نہ ہو، اس کی خواہش ہو سکتی ہے یا یہ کسی طرح سے موضوع کی خواہش کو پورا کر سکتی ہے۔ ژانے ان حالات کی تشریح اپنے پست ذہنی تناؤ کے عام اصول کے مطابق کرتا ہے، اور انھیں انشقاق شعور کی مثالیں قرار دیتا ہے۔ یہ آنکھیں یا ٹانگیں چوں کہ موضوع کے ذہن میں کسی ایسے جذبی صدمے کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہیں، جس کے شخصی وجود کے اصل چشمے کے ساتھ ملا لینے کی فرد میں قوت نہیں ہوتی، اس لیے یہ پھٹ کر الگ ہو جاتی ہے، اور موضوع کے قابو سے نکل جاتی ہے، فرائڈ کی

تعبیر بالکل مختلف ہے۔ کوری یا فالج ممکن ہے کہ کسی دشوار صورت حال سے بچنے کا راستہ ہو، مریض ذمہ داریوں سے بری ہوتا ہے، لیکن فرائڈ کی تعبیر اس سے بھی کم واضح ہے۔ فرض کرو ایک نوجوان عورت ہے، جس کی ٹانگیں اختناقی فالج سے متاثر ہیں، ایک یا دو برس ہوئے کہ وہ اپنے باپ کی تیمار داری کر رہی تھی۔ بیماری بہت طویل تھی اور اس تمام عرصے میں اس نے نہایت سعادت مندی اور محبت کے ساتھ خدمت انجام دی۔ وہ اپنے لاچار باپ کو اٹھایا کرتی تھی اور اپنی ٹانگوں سے جتنا بھی اس سے ہو سکتا تھا کام لیا کرتی تھی اس کی زندگی اس زمانے میں اس واقعے سے بھی پیچیدہ ہو گئی تھی کہ اسے ایک نوجوان سے محبت تھی اور وہ اس سے شادی کرنے کے لیے بالکل تیار تھی، مگر یہی واقعہ یعنی اس کے باپ کی علالت اس میں حایل تھا۔ وہ باوجود اپنی محبت و خدمت گزاری کے یہ خواہش کیے بغیر نہ رہ سکتی تھی، کہ یہ بیماری ادھر یا اُدھر جلد ختم ہو جائے۔ اس قسم کی خواہش، اگرچہ نہایت ہی شدید ہوتی تھی، مگر اُسے خوف و نفرت کے ساتھ رد کر دیا جاتا تھا، وہ اس سے ذہنی طور پر بھاگتی تھی، یا یوں کہو کہ اس کو دباتی تھی۔ لیکن غیر شعوری زندگی پر اس نے اپنی قوت کو باقی رکھا اور اندھا دھند فالج کی صورت میں تکمیل کا راستہ دریافت کر لیا۔ فرائڈ اس امر کو خواہش کا جسمانی علالت میں منتقل ہو جانا کہتا ہے۔ وہ خواہش کی نسبت یہ کہتا ہے کہ اس کے اندر ایک خاص مقدار میں توانائی بھری ہوئی ہوتی ہے، جو دبانے کے باوجود نظام میں باقی رہتی ہے، اور جس کا کسی بگڑی ہوئی صورت میں اس بنا پر محسوس ہونا ضروری ہے، کہ اُسے براہ راست اظہار کا موقع نہیں دیا گیا۔

آؤ اب فرائڈ کے مسلمہ تحریک کو کسی اور میدان میں دیکھیں۔ یہ اس کی روزمرہ کی زندگی کی نفسی مرضیات کا اصل جزو ہے۔ پہلے طالب علموں نے زبان اور قلم کی لغزشوں کو ترک بدل یا بے ترتیبی وغیرہ کی خطائیں قرار دیا تھا، اور یہ کہا تھا، کہ اتلافات مبہم طور پر راستے سے ہٹ جاتے ہیں۔ لیکن فرائڈ یہ پوچھتا ہے، کہ یہ لغزشیں صرف خاص مواقع ہی پر کیوں ہوتی ہیں اور ہمیشہ کیوں نہیں ہوتیں۔ اسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متقدمین نے لغزش کو در اصل ایک اتفاقی واقعہ خیال کیا تھا، ایسا واقعہ جس کی کوئی علت نہ ہو، اور اسے اس امر پر اصرار ہے کہ ذہنی عالم تک میں ہر واقعے کی کافی علت ہوتی ہے، وہ لغزشوں کی علیحدہ علیحدہ مثالوں کی تحلیل کرتا ہے، اور اس نتیجے پر پہنچ کر کہ

ہر لغزش خواہش کی تکمیل ہوتی ہے، خود کو مطمئن اور موضوع کو حیران کر دیتا ہے۔

میں ایک مثال درج کرتا ہوں جس میں خود فرائڈ سے لغزش حافظہ ظاہر ہوئی تھی، اور جس کی اس نے نہایت محنت کے ساتھ تحلیل کی ہے۔ اپنی تحلیل نفسی کے ابتدا ہی میں وہ ایک مریضہ کا نام بھول گیا جو اس کے زیر علاج تھی۔ اسے مریضہ کا نام یاد نہ آتا تھا، باوجودے کہ اس نے ایک عرصے تک اس کا علاج کیا تھا۔ یہ بھول اسے بہت ہی عجیب معلوم ہوئی۔ اتفاق یہ ہوا تھا، کہ اس مریضہ کی فرائڈ نے غلط تشخیص کی تھی، اور اس کا عصبیائیت کا علاج کیا تھا، حالاں کہ وہ درحقیقت معدے کے زخم میں مبتلا تھی۔ ٹھیک اس قسم کے واقعے کو طبیب اپنے حافظے سے مٹا دینا پسند کرتا ہے، اور فرائڈ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس نے مریضہ کے نام اور سب باتوں کو اپنے حافظے سے مٹا دیا تھا۔ اس قسم کی مثالوں سے، جن کی تعبیر اُس نے اپنے مخصوص انداز میں کی تھی، فرائڈ تحریکی فراموشی کے تصور تک پہنچ گیا۔ اگرچہ اُس نے ہر قسم کی فراموشی کو اس سے منسوب کرنے کی جرأت نہیں کی، لیکن اپنے اس نظریے میں کہ جو شے ایک بار علم میں آچکتی ہے، وہ کبھی کلیتہً فراموش نہیں ہوتی، یا نظام سے حذف نہیں ہو سکتی، گو اس کا بہت سا حصہ دب جائے یا عملی طور پر دسترس سے باہر ہو جائے وہ اس کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔

فرائڈ سے اپنی کتابوں کے ناموں میں بھی ادبی ہنرمندی اور جرأت کا اظہار ہوتا ہے۔
اس کی پہلی مشہور کتاب کا نام تعبیرات رویا ہے۔ یہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ یہاں ۱۵۵
ہمارے پاس ڈاکٹر فرائڈ کی کتاب رویا ہے۔ اس سے اس پرانی دلچسپی کا پتا چلتا ہے، جو لوگوں کو تعبیر رویا کے متعلق تھی، اور ابھی ختم نہ ہوئی تھی۔ قدیم زمانے سے خواب کی تعبیر اس طرح سے کی جاتی تھی، کہ گویا اس کے اندر کوئی الہامی اہمیت ہو، لیکن فرائڈ اس کی تعبیر فرد کے ماضی کے انکشاف کی حیثیت سے کرتا ہے۔ پہلے نفسیاتیوں نے خوابوں کی توجیہ محض بے قابو ائتلاف کے بے ترتیب سلاسل کی حیثیت سے کی تھی۔ فرائڈ کے خیال کے مطابق انھوں نے اس بات کی توجیہ نہیں کی تھی، کہ فرد کو ایک شے کیوں خواب میں آتی ہے، اور دوسری کیوں نہیں آتی۔ انھوں نے بہت سی چیزیں اتفاق پر مبنی کر دی تھیں۔ اور بقیہ کی نسبت یہ کہہ دیا تھا، کہ خواب ائتلافی کل پرزوں کی محض میکانیکی حرکت ہے۔ لیکن فرائڈ اپنی بحث کا آغاز اس واقعے سے کرتا ہے، کہ بچے اکثر ان چیزوں کو خواب میں

دیکھتے ہیں، جنھیں وہ بیداری کی حالت میں لینا چاہتے ہیں۔ مجھے یاد ہے، کہ میں قلم تراش چاقوؤں کے گٹھے کے گٹھے خواب میں دیکھا کرتا تھا، اور جاگنے پر مجھے یہ دیکھ کر کس قدر کوفت ہوتی تھی، کہ وہ چاقو غائب ہو گئے ہیں۔ بڑے ہو کر بھی میں نے یہ خواب دیکھا ہے، کہ کہیں ایک پینی مل گئی ہے، اور پھر ادھر اُدھر کریدتے ہوئے چھ پنس یا شلنگ اور آخر میں کوئی رقم مل گئی۔ اگر کوئی فرائڈی اس خواب کو سنے تو وہ یقیناً اس کی ایسی تعبیر کرے گا، جس سے میری تعریف نہ نکلے گی۔ اکثر بالغوں کے خواب یقیناً صریح طور پر خواہشوں کی تکمیل نہیں ہوتے۔ لیکن فرائڈ کہتا ہے کہ یہ اس کے باوجود بھی خواہشوں کی تکمیل ہی ہوتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ان سے متعلق خواہشیں ایسی ہیں جن کو دبا دیا گیا ہے۔ خواہش خواب میں صرف علامتہً ظاہر ہوتی اور تشفی پاتی ہے۔ ظاہر خواب اس خیال اور خواہش کی بگڑی ہوئی شکل ہوتا ہے جو اس کی تہ میں ہوتے ہیں۔ خواب کا مخفی مافیہ جیسے آزاد ائتلاف کے عمل سے بعد کو دریافت کیا گیا ہے، دبی ہوئی خواہش کی تلاش اور اس کی تشفی کی کوشش ہے۔ مخفی مافیہ عالم بیداری میں فرد کے لیے قابل نفرت ہوگا۔ جیسے ہی یہ شعور میں آنا شروع ہوگا، اس کی مزاحمت کی جائے گی اور اسے فوراً غیر شعوری حالت میں بھیج دیا جائے گا۔ نیند کی حالت میں مخفی مافیہ کو ذرا بہتر موقع ہوتا ہے، لیکن پھر بھی اس کی مزاحمت کی جاتی ہے، اور اُسے بھیس بدل کر آنے کی اجازت دی جاتی ہے جو عموماً بہت ہی مکمل بہروپ ہوتا ہے۔

ہم نے فرائڈ کا اتنا مطالعہ کر لیا ہے، کہ میرے خیال میں اب اس امر میں کوئی شک باقی نہیں رہا کہ اس کا مسلمہ اصول یہ ہے، کہ ہر قسم کی فعلیت تحریکی ہوتی ہے، عملاً اس کے نزدیک تحریک ہی کل نفسیات ہے۔ ہر وہ کام جو اختیاری نفسیاتیوں نے فکر، حافظے وغیرہ کے متعلق کیا ہے، اسے بہت ہی غیر اہم معلوم ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک ان میں سے کسی کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تو اس مسلّمے پر چلتا ہے کہ ذہنی واقعات اسباب کے بغیر ہوتے ہیں۔ اس الزام نے مجھے عرصے تک پریشان رکھا، کیوں کہ درحقیقت اختیاری نفسیاتی عام طور پر علت و معلول کا مطالعہ کر رہے تھے۔ آخر میں میری سمجھ میں آیا کہ علت سے فرائڈ کی مراد نفسیاتی عالم میں صرف خواہش ہے، اور اس کے علاوہ کچھ نہیں، وہ کہتا ہے کہ نفسیات میں علت نفسی ہونی چاہیے اور نفسی علت خواہش یا محرک

ہونا چاہیے۔ ائتلافی کل پرزوں یا دماغی میکانیت کے ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں، کہ ہم نے نفسی تعلیل کے عالم کو چھوڑ دیا۔ وہ بعض اوقات کال نفسی فعل کی ترکیب استعمال کرتا ہے۔ ایک خواب یا لغزش کال نفسی فعل ہے۔ لہٰذا اساسی طور پر یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فعل ارادی یعنی ایک خواہش کی تکمیل۔

پس میں تم سے یہ کہتا ہوں، کہ فرائڈ کا عام نفسی تعلیل کا مسلمہ یعنی اس کا یہ مسلمہ کہ ہر فعلیت تحریکی ہوتی ہے، اس کی نفسیات میں اس کے دباؤ کے نظریے سے زیادہ اساسی ہے۔ اس کا زیادہ اساسی ہونا، اس وقت واضح ہو جاتا ہے، جب ہم یہ خیال کرتے ہیں، کہ وہ اپنے دباؤ کے نظریے تک کس طرح سے پہنچتا ہے۔ دباؤ مزاحمت کے واقعے کا نظری اظہار ہے۔ اور یہ واقعہ اس واقعے کے مساوی ہے، کہ مریض تحلیل کے دوران میں بعض یادوں سے اس طرح سے گریز کرتا ہے، جیسے وہ ان سے ڈرتا ہو۔ نفسیاتیوں نے یاد نہ آنے کی توجیہ یہ کی ہے، کہ ائتلافی میکانیت میں رکاوٹیں واقع ہو جاتی ہیں۔ لیکن فرائڈ اس قسم کی کسی توجیہ کو نہیں مانتا۔ یاد نہ آنا تحریکی ہونا چاہیے، جس کے معنی مزاحمت کے ہیں، اور جو سابقہ دباؤ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

دوسرا اساسی مسلمہ جو مجھے فرائڈ میں ملتا ہے، یہ ہے، کہ اسباب یعنی خواہشوں کی جستجو ماضی میں کرنی چاہیے، اور یہ کہ لغزش یا خواب موجودہ لمحے کی خواہش کو پورا نہیں
کرتا، بلکہ زمانۂ ماضی کی خواہش کو پورا کرتا ہے اور یہ کہ عصبانیت کی اصل ماضی میں ہوتی ۱۵۷
ہے۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں، کہ اس راستے پر چلتے ہوئے کس طرح سے فرائڈ ماضی قریب سے بچپن کے ابتدائی برسوں تک پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوا تھا۔ تم کہہ سکتے ہو کہ ہر شخص لازماً یہ فرض کرتا ہے کہ حال کی توجیہ ماضی سے ہوتی ہے، لیکن میں ابھی بتاؤں گا کہ یونگ اور آڈلر دونوں فرائڈ سے ٹھیک اسی بات میں اختلاف کرتے ہیں۔ فرائڈ کا یہ مسلمہ کہ ماضی حال کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس حقیقت سے آگے بڑھ جاتا ہے، کہ جو کچھ ہو چکا ہے، وہ اپنے پیچھے اپنے اثرات چھوڑ جاتا ہے۔ اس کی مراد اس سے زیادہ قطعی شے ہے، اس کی یہ مراد ہے یا وہ یقیناً اس کو بدیہی مانتا ہے، کہ ہر خاص صورت جس کا ایک بار تجربہ ہو جاتا ہے، فرد میں زندہ رہتی ہے، اور وقتاً فوقتاً خوابوں کے مخفی مافیہ کے طور پر، اور دوسرے طریقوں سے ظاہر ہوتی رہتی ہے، خصوصاً اس کی مراد یہ ہے کہ خاص خاص خواہشیں جو ایک بار کبھی ہوتی ہیں وہ فرد کے اندر

زندہ رہتی ہیں۔

اس سلسلے میں انتقال پر غور کرو۔ یہاں پر واقعہ ایجابی یا سلبی جذبی روش ہوتی ہے، جو مریض محلل کی طرف اختیار کرتا ہے۔ لیکن فرائڈ کے ذہن میں یہ منتقلی کا واقعہ ہے۔ اس واقعے کو وہ اس طرح سے سمجھتا ہے کہ قدیم خواہشیں جو کبھی ابتدائی بچپن میں ہوئی تھیں، باقی رہ گئی ہیں؛ اور انھوں نے محلل کی ذات میں ایک نیا معروض پا لیا ہے، جو باپ کا بدل ہے۔ اب فرض کرو کہ ہم محلل کی طرف موضوع کی جذبی روش کی ترجمانی یہ فرض کیے بغیر کر رہے ہیں کہ بعینہ بچپن کی صورتیں اور خواہشیں بالغ زندگی میں باقی رہ گئی ہیں۔ اس صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں؛ کہ موضوع کی موجودہ بے بسی اور تابع ہونے کی حالت اس حالت کے مشابہ ہے، جو اس کی بچپن میں تھی؛ اور موجودہ صورت میں محلل کی جگہ ایسی ہی ہے، جیسی بچپن کی صورت میں باپ کی تھی، اور یہ کہ آزاد اتلاف نے بچپن کی بعض یادوں کو تازہ کر کے موضوع میں اس کے بچپن کے جذبے کا احیا کر دیا ہے لہذا ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ موضوع کی صورت اور حالت چوں کہ اس زمانے کی حالت کے مشابہ ہے، جب وہ بچہ تھا، اس لئے وہ محلل سے اس طرح سے پیش آتا ہے، جس طرح وہ اپنے باپ کے ساتھ پیش آنے کا عادی تھا۔ یہ فرائڈ کے معنی میں منتقلی نہ ہوگی۔ اس میں بعینہ ایک ہی خواہش کا ایک معروض سے دوسرے کی طرف انتقال نہ ہوگا۔ فرائڈ کی تعبیر بہتر ہو سکتی ہے، مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ تعبیر ہے، اور یہ اس مسلمے پر مبنی ہے، کہ زمانۂ ماضی کی خواہشیں بعینہ اسی طرح سے زندہ رہتی ہیں؛ اور انھیں نئے معروض جو وقتاً فوقتاً ملتے رہتے ہیں؛ وہ محض بدل ہوتے ہیں، جن کی طرف خواہشیں منتقل ہو جاتی ہیں۔ پس میں تمھیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اولاً منتقلی فرائڈ کے بنیادی واقعات ہی میں سے نہیں ہے، بلکہ اس کے نظریے کا ایک ستون ہے۔ اور دوسرے یہ کہ یہ ستون ایک مسلمے پر قایم ہے کہ صورتیں اور خاص خاص خواہشیں دائمی اور مستقل ہوتی ہیں۔

فرائڈ کا خلقی ثنویت یا فرد کی تضادیت کا مسلمہ

ہم نے تین لفظوں کا ذکر کیا تھا، یعنی دبی ہوئی طفلی جنسیت اور یہ کہا تھا کہ

یہ فرائڈ کی نفسیات کے تین ستون ہیں۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ عام تحریک کا مسلمہ دباؤ کے ستون کی تہ میں ہے، اور مستقل خواہشوں یا اختلالوں کا مسلمہ طفلی ستون کی تہ میں ہے اب تیسرے ستون کی تہ میں کسی مسلمے کے تلاش کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ کیا ہم اس خواہش کو پورا کریں اور جنسیت کے اصول کی تہ میں کسی چھپے ہوئے مسلمے کا پتا چلائیں۔ غالباً یہ بات تو باقاعدگی اور ترتیب میں مبالغہ کرنے کے مساوی ہوگی لیکن جنسی زندگی کے عرض کا جو تصور فرائڈ کرتا ہے اس سے کسی چھپے ہوئے مسلمے کا اشارہ ضرور ملتا ہے۔ وہ انگوٹھا چوسنے کو جنسی تشفی کی ایک ظاہر صورت کہتا ہے۔ اسی طرح سے بچے کے چیزوں کے کاٹنے، اور ان کو منھ میں رکھنے کو نیز ملنے یا ملوانے یا تھپکوانے کو جنسی تشفی کا مظہر قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک ٹانگوں اور ہاتھوں کی باترتیب حرکات، طفلی لذت کا باعث ہوتی ہیں، پاخانہ پیشاب چیزوں کی طرف دیکھنا اور منھ پھیر لینا، چیزوں کو پھاڑنا یا نیچے پھینک دینا، مختصر یہ کہ ہر وہ فعلیت جو بچے کے لیے حسی اور از خود لذت کا باعث ہو، اس کے نزدیک جنسی ہے۔ بلند تر سطح پر وہ جنسی تشفی کے ذیل میں ہر قسم
۱۵۹ کے محبت آمیز کردار، رفاقت و دوستی، حتیٰ کہ فن اور موسیقی کے شوق کو بھی جنسی لذت کے تحت داخل کر لیتا ہے۔ روزمرہ کی بول چال میں ہم اگر کسی شے سے محبت کرنے یا کسی کام کے کرنے کے شوق کا ذکر کرتے ہیں وہ بھی جنسی تسویق سے متعلق ہوتا ہے۔ اچھا تو تم کہہ سکتے ہو کہ یہ محض اصطلاحات کا استعمال ہے۔ وہ محض جنسیت کو وسیع ترین معنیٰ میں محبت کے بجائے استعمال کرتا ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ فرائڈ نہایت شدت کے ساتھ ہر ایسی کوشش پر اعتراض کرتا ہے، جو اس کی جنسیت کو غیر جنسی بنانے کے لیے کی جاتی ہے۔ اسے اس امر پر اصرار ہے کہ محبت حقیقی معنیٰ میں جنسی ہوتی ہے، اور بچے کو اپنا انگوٹھا چوسنے سے اگرچہ ابتدائی مگر حقیقی جنسی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اسے اس امر پر اصرار ہے، کہ اس کا تصور جنسیت سخت، اور وسیع دونوں ہے اور اسے اس کے اندر کوئی تضاد معلوم نہیں ہوتا جس بات کو یہاں پر صریح اور بدیہی قرار دیا گیا ہے، ممکن ہے کہ اس کی تہ میں ایک مسلمہ چھپا ہوا ہو۔

یہ بالکل ممکن ہے کہ ذہنی زندگی کے متعلق اساسی ثنویت یا تضادیت کا مسلمہ اس واضح اور بدیہی بات کی تہ میں ہو۔ فرائڈ اپنے بہت سے نظریوں کی دوگونہ تقسیم پر مائل ہے

اس کی نہایت ہی معروف تقسیم شعوری اور غیر شعوری کی ہے۔ وہ ماقبل شعوری کا بھی ذکر کرتا ہے، لیکن ماقبل شعوری کا شعوری سے بہت ہی تعلق ہے۔ یہ وہ ہوتا ہے جسے نہایت ہی آسانی کے ساتھ شعوری بنایا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس کو کسی خاص لمحے میں فی الحقیقت شعوری بنانا ممکن نہ ہو۔ ماقبل شعوری مسلسل پیمانے میں، سب سے زیادہ شعوری سے سب سے کم شعوری تک کوئی بین بین حیثیت نہیں ہے، اور نہ یہ سب سے زیادہ قابل یاد اور سب سے کم قابل یاد کے مابین کوئی درمیانی صورت ہے۔ لاشعوری وہ ہوتا ہے جو دبایا جاچکا ہے، ماقبل شعوری اس واقعے کی مانند جو ذرا دیر کے لیے شعوری ہے دبایا نہیں گیا۔ ماقبل شعوری کو زیادہ سے زیادہ شعوری اور زیادہ سے زیادہ غیر شعوری کے مابین ایک درمیانی درجہ قرار دینے کے معنیٰ فرائڈ کے لاشعور کے کل تصور کو الٹ دینے کے مساوی ہوں گے۔ وہ یہاں تسلسل نہیں دیکھتا بلکہ تضادیت دیکھتا ہے۔

لیکن تضادیت کو فرائڈ کے مخصوص تصور جنسیت سے کیا تعلق ہے۔ مجھے تو یہ بالکل ممکن معلوم ہوتا ہے کہ جب فرائڈ نے اپنے تضادیت کے مسلکے کے ساتھ بچے کے کردار اور
احساس پر غور کرنا شروع کیا تو جس تقسیم سے وہ سب سے زیادہ متاثر ہوا، وہ از خود اور ۱۶۰
فوری طور پر لذت بخش عمل اور ایسے عمل کی تھی، جو ضرورت یا غایت کا وسیلہ ہونے کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ تمام وہ افعال جو لذت کی خاطر کیے جاتے ہیں اسے ایک قسم کے معلوم ہوئے۔ یعنی فی نفسہٖ ایک قسم نہ کہ محض استلطاف کی خاطر۔ بالغ آدمی کا جنسی احساس و فعلیت چوں کہ محبت اور لذت بخش رجحان کے واضح ترین اور اور کامل ترین مظہر معلوم ہوتے تھے، اس لیے اُن سے کل میلان کے لیے مناسب نام دستیاب ہوگیا۔ پس بچے کا انگوٹھا چوسنا محض مبہم یا سطحی معنیٰ میں جنسی فعلیت کے مشابہ نہیں ہے، بلکہ درحقیقت غیر پختہ قسم کی جنسی فعلیت ہے۔ ظاہر ہے کہ انسانی کردار کا مختلف قسم کے متفرق افعال کے مجموعے کے طور پر یا ایک ہی فعلیت کے مختلف مدارج کے طور پر تصور کرنا، فرائڈ کے بنیادی مسلمات کے بالکل خلاف ہوتا۔

یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ فرائڈ نے پہلے اس سرے کی تعریف نہیں کی اور نہ کسی نام سے موسوم کیا، جو جنسیت کے مخالف ہے۔ اپنی ابتدائی تصانیف میں اگرچہ اس نے دباؤ، مزاحمت، ممانعت، تصادم اور مصالحت کا ذکر کیا ہے، جو سب کے سب

کسی ایسی مخالف قوت کا پتا دیتے ہیں، جو نفس پرستی کے جذبے کو دباتی ہے، مگر اس نے اس مخالف قوت کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ بعض اوقات وہ ایغو یا میلان ایغو کا ذکر کرتا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ وہ اس کے متعلق بہت ہی کم واقف ہے، اور یقین کے ساتھ کہتا ہے، کہ اس وقت تک اس کے متعلق کوئی علم نہیں ہو سکتا، جب تک تحلیل نفسی کے لیے اختلالات ایغو کی تحلیل اور علاج ممکن نہ ہو جائے۔ اس قسم کے اختلال اس کے خیال کے بموجب جنون میں بکثرت ملتے ہیں لیکن اب تک مجنون تحلیل نفسی کے لیے اچھے موضوع ثابت نہیں ہوئے ہیں پس فی الحال ایغو کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اس رجحان کا نام ہے جو نفس پرستی کے خلاف ہے۔

لیکن اس نے اصول لذت اور اصول حقیقت کے متضاد ہونے کا ذکر ضرور کیا تھا۔ فطرۃً انسان اصول لذت پر عمل کرتا ہے، وہ فوری لذت اور اپنی خواہشوں کی فوری اور براہ راست تشفی کی کوشش کرتا ہے، لیکن وہ خود کو فطرت جسمانی اور ۱۶۱
معاشری ماحول کے حقایق کے مقابل پاتا ہے، جو اس کی خواہشوں میں بہت زیادہ خلل انداز ہوتے ہیں۔ وہ ایسی لذتوں سے بچنا سیکھ لیتا ہے، جو کہیں بڑے آلام کا باعث ہوتی ہیں، اور خواہشوں کی تشفی کو بعد کی اور کامل تر تشفی کی خاطر ملتوی کر دیتا ہے۔ اپنے مخیلہ اور غیر شعوری حالت میں وہ اصول لذت پر چلتا ہے، لیکن اپنی مرتب اور بیدار زندگی میں وہ اصول حقیقت کے تابع ہوتا ہے۔ یہ ثنویت در اصل فرد اور ماحول کے مابین ہوتی ہے، لیکن فرد ماحول کے کچھ اثر کو اپنی ذات کے اندر داخل کر لیتا ہے، اس لیے خود اس کے اندر ایک قوت یا عامل ایسا ہوتا ہے، جو تسویق لذت کو روکے رکھتا ہے۔ لیکن چوں کہ یہ فرد کے اندر ہوتا ہے، اس لیے اصول حقیقت ہوس کا خادم ہوتا ہے، نہ کہ اس کا مخالف اور اسی لیے یہ فرد کے اندر اساسی تضاد کے لیے، فرائڈ کے مطالبے کو اچھی طرح سے پورا نہیں کرتا۔

فی الحال ایغو اور نفس پرستی کا تضاد اچھی طرح سے قایم نہ تھا، ایسے افراد بھی پائے گئے، جو خود اپنی ذات سے محبت کرتے تھے۔ حیات جنسی کی اس غیر یکسانی کا نام نرجسیت رکھا گیا، اور یہ نام اس افسانوی نوجوان نرجس پر ہے، جو اپنے عکس کو

پانی میں دیکھ کر خود اپنے پر عاشق ہو گیا تھا۔ چھوٹے بچے میں بھی ایک ابتدائی قسم کی نرجسیت ہوتی ہے، اور جو اس وقت ہوتی ہے، جب وہ خارجی اشخاص اور اشیا کو محبت کے معروضوں اور لذات کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے صاف طور پر نہیں پہچان سکتا بہر حال جب بچے کو اپنے کسی معروض محبت میں ناکامی ہوئی تو وہ اپنی ذات کی طرف مائل ہو گیا، اور اس نے اپنی محبت کو خود اپنے الیغو پر مرکوز کر دیا۔ اگر الیغو معروض محبت ہو سکتا ہے تو جزوی طور پر اس کا عالم ہوس میں ہونا بھی ضروری ہوگا، اور بقائے نفس کی جبلتیں جنھیں شروع میں ہوس کے مخالف سمجھا جاتا تھا، اس کی صف میں آ جانی چاہییں، کیوں کہ یہ اس معروض محبت کو بچانے کی کوشش کرتی ہیں۔ الیغو میں دوسرے ایسے رجحان بھی ہو سکتے ہیں جو ہوس کے ہم صف نہ ہوں، لیکن ظاہر ہے کہ اب اسے ایسا وجود یا رجحان نہیں خیال کیا جا سکتا جو ہوس کے مخالف ہو۔

۱۶۲ ہوس یا خواہش بقائے نفس کی جبلتوں کے شامل ہو جانے سے وسعت و عظمت حاصل کر لیتی ہے اور اس کا اقتضائے حیات نام رکھ دیا جاتا ہے، اور یہ سوال باقی رہ جاتا ہے، کہ آیا اب اس میں تمام اقتضا داخل ہیں، یا اس کے اور کسی اور دوسری شے کے مابین تضاد دریافت ہو سکتا ہے۔ بعض ایسے واقعات کی بنا پر جن کی کسی طرح سے توجیہ نہ ہو سکی، فرائڈ نے مخالف جہت کے طور پر جبلت موت کو فرض کیا۔ اس قسم کے واقعات میں سے ایک خودکشی کا رجحان ہے، جو بعض اشخاص میں پایا جاتا ہے۔ دوسرے کو سادیت کہتے ہیں جس کا تعلق ایسے جنسی اختلال سے ہے، جس میں فعل جنسی کے ساتھ محبوب کو تکلیف بھی پہنچائی جاتی ہے۔ اس اصطلاح کو وسعت دے کر فرائڈ نے اس کے ذیل میں بے رحمی اور تباہ کاری کے تمام مظاہر کو داخل کر لیا۔ اس کے بعد فرائڈ تمام جانداروں اور نسیجوں کے نشو و نما اور انحطاط کے تسلسل سے بہت متاثر ہوا سوائے ان جرثومی خلیوں کے جو بالقوہ لافانی ہیں مگر جن کا تعلق ایروز یا اقتضائے حیات سے ہے۔ اور اس کے علاوہ تحریکیتی ہونے کے لحاظ سے فرائڈ اس واقعے کو کہ موت زندگی کا انجام ہے، اس معنی میں لیتا ہے، موت فرد کی داخلی خواہش کا مقصد ہے۔ تروان یا کولنا کی آرزو جبلت موت کا مظہر ہے۔ تباہ کاری اور بے رحمی بھی اس جبلت کے مظہر ہیں، فرق یہ ہوتا ہے کہ ان میں جبلت باہر کی جانب سے دوسرے اشخاص یا اشیا پر مائل

ہوتی ہے۔

اس طرح پر طویل گردش اور تفلسفی فکر کی مدد سے فرائڈ آخر کار ایک تشفی بخش اور اساسی تضاد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی یہ نیت نہیں ہے کہ یہ اصلی اور اساسی تضاد ان کمتر تضادوں کی جگہ لے لے جنھیں اُس نے کردار انسانی کی مقرون امثلہ کی ترجمانی کے لیے استعمال کیا ہے۔ ایغو اور ہوس کی مخالفت اپنے حلقے میں اب بھی ہے۔

فرائڈ کی بعد کی تصانیف کے کہیں کہیں سے جملے نقل کرتا ہوں، ممکن ہے ان سے تم اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ جاؤ جس کے سمجھانے کی میں اب تک کوشش کرتا رہا ہوں۔

" یہاں پر ہمیں اپنے نظریۂ ہوس کی تدریجی ترقی پر نظر ڈالنے کا موقع ہے۔ انتقالی
۱۶۳ عصبانیت کی تحلیل نے ہمیں اولاً تو اس مخالفت پر متوجہ ہونے کے لیے مجبور کیا جو جنسی جبلتوں میں جو ایک معروض پر مبذول ہوتی ہیں، اور ایسی دوسری جبلتوں کے مابین ہوتی ہے، جن پر ہم نے ابھی کافی غور نہیں کیا ہے، اور جنھیں ہم نے عارضی طور پر ایغو کی جبلتوں کے نام سے موسوم کیا ہے۔ آخر الذکر جبلتوں میں وہ جو فرد کی بقائے ذات کے لیے معین ہوتی ہیں، ان کا دعویٰ مقدم ہے.....

جب زیادہ غور و فکر کے ساتھ آگے بڑھے تو تحلیل نفسی کے تحت یہ مشاہدہ ہوا کہ اکثر ہوس معروض سے ہٹ کر ایغو کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے...... ایغو جنسی معروضات میں جگہ لے لیتا ہے، اور جگہ لینے کے ساتھ ہی ان میں سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے..... اس بنا پر ایغو کی جبلتوں اور جنسی جبلتوں میں اصل تضاد ناکافی ہو جاتا ہے۔ ایغو کی جبلتوں کا ایک حصہ ہوسی معلوم ہونے لگتا ہے.........

اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھانے کی جرأت کرتے ہیں اور جنسی جبلت کو اقتضائے حیات یا ایروز کی حیثیت سے پہچانتے ہیں جو ہر شے کو قایم رکھتا ہے.......
ہمارا نقطۂ نظر شروع سے ثنویتی تھا اور آج بھی پہلے سے زیادہ ثنویتی ہے، کیوں کہ اب ہم مخالف رجحانوں کو ایغوئی اور جنسی جبلتیں نہیں کہتے بلکہ حیاتی اور موتی جبلتیں کہتے ہیں۔

اپنی بعد کی تصانیف میں میں نے میلان تفلسف کی جسے اب تک روکے رکھا تھا، باگ ڈھیلی چھوڑ دی ہے..... میں نے بقائے نفس اور بقائے نوع کی جبلتوں کو ایک واحد تصور اقتضائے حیات کے تحت جمع کر دیا ہے، اور اس کا مقابلہ موت یا

یا تباہی کی جبلت سے کیا ہے، جو خموشی کے ساتھ عمل کرتا ہے .... زندگی ہمارے سامنے جو تصویر پیش کرتی ہے، وہ اقتضائے حیات اور جبلت موت کے باہم اور ایک دوسرے کے خلاف عمل کرنے کا نتیجہ ہے۔

جبلی تسویقات کی اصل کا پتا چلاتے وقت بار بار ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ خود کو اقتضائے حیات کی فروع کی حیثیت سے ظاہر کرتی ہیں۔ اگر سادیتی اجزا اقتضائے حیات سے وابستہ نہ ہو گئے ہوتے، تو ہمیں اپنے اساسی ثنویتی نقطۂ نظر پر قایم رہنا مشکل ہوتا۔ لیکن چوں کہ ہم اس نظریے سے نہیں بچ سکتے، اس لیے ہم کو یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ موتی جبلتیں فطرۃً خاموش ہوتی ہیں، اور حیات کا شور زیادہ تر اقتضائے حیات سے اور اس کشمکش سے ہوتا ہے، جو اقتضائے حیات کے خلاف ہوتی ہے۔

لاشعور کے متعلق فرائڈ کے قدیم اور جدید خیالات ۱۶۴

اسی طرح سے فرائڈ اپنے شعوری غیر شعوری تضاد پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ ابتداً یہ بات کافی واضح معلوم ہوتی تھی، کہ ایغو باشعور ہے اور زندگی کا شعوری رخ وہ ہے، جو ان خواہشوں کو دباتا ہے جو ایغو کے لیے ناقابل قبول ہوتی ہیں، اور انھیں مزاحمت کے ذریعے سے غیر شعوری رکھتا ہے۔ لیکن یہ دیکھا گیا، کہ جن مریضوں پر تحلیل ہوتی تھی، اُنھیں خود اپنی مزاحمتوں کا احساس نہ ہوتا تھا۔ شعوری طور پر وہ گزشتہ تجربات کے اچھی طرح سے یاد آنے میں کوئی مزاحمت نہ کرتے تھے لہٰذا مزاحمت غیر شعوری تھی، اور ایسا ہی بلاشبہ اصل دباؤ تھا۔ اس طرح سے ایغو دباؤ اور مزاحمت کو عمل میں لاتے ہوئے غیر شعوری طور پر عمل کر رہا تھا۔ پس ایغو کچھ تو شعوری ہے اور کچھ غیر شعوری۔ شعوری رخ پر یہ ماحول سے ملا رہتا ہے، جس کا یہ حواس کے ذریعے سے ادراک کرتا ہے، اور عضلات کے استعمال سے انتظام کرتا ہے شعوری الم اور لذت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ داخلی جسم اور نفس سے بھی تعلق رکھتا ہے، اگرچہ یہ داخلی حصہ زیادہ تر غیر شعوری ہے۔ نفس کا غیر شعوری داخلی حصہ کیا تھا؟ اعتبار سے جبلتوں

اور بعض ایسی خاص خواہشوں اور تجربوں پر مشتمل ہوتا ہے جنھیں دبا دیا گیا ہے، اور جواب مخل ہوتے ہیں۔ تضاد یہاں نفس کی سطح جو کہ ماحول کے ساتھ ربط رکھتی ہے، اور داخل کے مابین ہوتا ہے جو بلا واسطہ ماحول سے تعلق نہیں رکھتا۔ اب اس داخل کو فرائڈ "یہ" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ ایغو ماحول سے ربط رکھتا ہے لیکن اس کا "یہ" سے بھی ارتقا ہوا ہے، اور اس کے ساتھ (یہاں تک کہ ایغو غیر شعوری ہوتا ہے) داخل میں ملا جلا رہتا ہے۔ "یہ" کے اندر فرد کے وجود کی جبلی مسوقہ قوتیں ہوتی ہیں جن میں حیاتی جبلتیں اور موتی جبلتیں دونوں ہوتی ہیں، جو جیسے جیسے یہ باہر کی طرف ماحول کی جانب نکلنے اور اس طرح سے شعوری زندگی کو متاثر کرنے کی کوشش کرتی ہیں، خاص خاص خواہشوں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ جب کبھی ایغو ان جزوی خواہشوں کو دبا دیتا ہے تو "یہ" کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔ ایغو عالم اور "یہ" کے درمیان واسطہ بننے کی کوشش کرتا ہے، ۱۶۵
اور اس امر کی کوشش کرتا ہے، کہ یہ عالم کے مطالبات کو پورا کرے اور عضوی فعلیت کے ذریعے سے ایغو عالم کو "یہ" کی خواہشوں کے مناسب بنانا چاہتا ہے۔ "یہ" اندھا دھند اصول لذت کے مطابق کوشش کرتا ہے لیکن اسے ایغو کے واسطے سے عمل کرنا ہوتا ہے، جو اصول حقیقت کو سیکھ چکا ہے۔ شروع میں ایغو کمزور اور صرف خفیف طور پر ترقی یافتہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے اُسے "یہ" کے احکام کی تعمیل کرنے میں بہت سی شکستوں کا سامنا ہوتا ہے "یہ" ایسی بہت سی چیزوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، جنھیں ماحول اس کو دینے سے انکار کرتا ہے۔ جب ایغو کو کسی معروض محبت کو چھوڑنا پڑتا ہے، تو یہ اس معروض کی تمثال کو محفوظ رکھتا ہے، اور اس تمثال کو دل سے لگائے رکھتا ہے، اور خود کو معروض کے مطابق بنا لیتا ہے اور اس طرح سے ایغو ان معروضات کی خصوصیت حاصل کر کے جنھیں اس کو چھوڑنا پڑا تھا نشو و نما حاصل کرتا ہے۔ اگر ایغو کامیابی کے ساتھ ترقی کرتا ہے، تو "یہ" مربوط و منظم ہو جاتا ہے، اور اُسے اپنے ماحول کے ساتھ مطابقت حاصل ہو جاتی ہے۔ "یہ" ابتدائی اور غیر منظم حالت میں رہتا ہے۔

"یہ" اور ایغو کی یہ تمثیل ایک تیسرے وجود سے اور بھی پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ یہ فوق الغیو یا معیاری ایغو ہے۔ فوق الغیو اس شے کے مطابق ہوتا ہے جسے ہم معمولی طور پر ضمیر کہتے ہیں، اور محلل نفسی تمثیل کے اندر اس ادا کار کا اس وجہ سے اضافہ کرنے پر مجبور

ہوتا ہے، کہ دوران تحلیل میں اس کے اکثر مریضوں سے نہایت ہی شدید احساس گناہ کا اظہار ہوتا ہے۔ فوقِ الیغو کے پاس اوامر بھی ہوتے ہیں، اور نواہی بھی، جن کو یہ الیغو پر نافذ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ مصلحت کے احکام نہیں ہوتے، جو ماحول کے حقایق سے ماخوذ ہوں، بلکہ مطلق احکام ہوتے ہیں، جو داخلی عالم یعنی "یہ" اور اس کے داخلی تصادموں سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ الیغو کے متعلق تو یہ فرض کرنا پڑتا ہے کہ یہ کسی نہ کسی حد تک تمام حیوانات میں ان کے ماحول سے تصادم ہونے کی بنا پر ترقی کر جاتا ہے، لیکن فوقِ الیغو انسان سے مخصوص ہے، اور یہ اس کے طویل بچپن اور اس تاخیر کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، جو اس کی ہوس کو اس سے پہلے کہ یہ بالغ جنسی زندگی میں اپنے صحیح مقصد تک پہنچ سکے، برداشت کرنی پڑتی ہے۔ فوق الیغو کے متعلق یہ فرض کیا جاتا ہے کہ اس کی ابتدا قدیم زمانے کے انسان میں ہوئی تھی، اور اس کے متروک مبادی ہر فرد کو میراثاً ملتے ہیں، لیکن زیادہ تر فوق الیغو ہر بچے میں از سر نو پیدا ہوتا ہے۔ یہ چھوٹے بچے کی ناکام جنسی خواہش سے پیدا ہوتا ہے۔ فرائڈ کے نزدیک بچے کی جنسیت اس حد تک حقیقی جنسیت ہوتی ہے کہ یہ ایک معروض محبت کی طالب ہوتی ہے، خصوصاً دوسرے جنس کی اور اسے یہ معروض محبت والدین میں سے ایک میں مل جاتا ہے۔ ایسا گرہ اوڈیپس کی بنا پر ہوتا ہے۔ اور گرہ اوڈیپس فرائڈ کی سب سے مشہور تعمیر ہے، جس کے سمجھنے کی فوق الیغو کی مزید تشریح سے پہلے ضرورت ہے۔ ۱۶۶

تمھیں یاد ہوگا کہ اوڈیپس یونانیوں کا لنگڑا بہادر تھا، اسے اس کے باپ شاہ تھیبز نے اس کے پیروں میں میخ گاڑ کر پھینک دیا تھا کیوں کہ ہاتف نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ یہ بچہ اپنے باپ کو قتل کرے گا، اور اپنی ماں سے شادی کرے گا۔ قریب کی سلطنت کے ایک بادشاہ نے اس کو بچا لیا اور اس کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ اب وہ جوان ہوا لیکن وہ اپنے اصلی والدین اور اپنے متعلق پیشین گوئی سے ناواقف تھا لیکن ایک موقع پر جب وہ ہاتف کے پاس گیا تو اسے بتایا گیا، کہ وہ اپنے باپ کو قتل کرے گا اور اپنی ماں سے شادی۔ اس مصیبت سے بچنے کے لیے وہ اپنے اختیار کیے ہوئے وطن سے دور رہنے لگا لیکن ان آوارہ گردیوں میں، اسے اس کا اصلی باپ مل گیا، جس کے ساتھ اس کا جھگڑا ہوا، اور اس نے اس کو قتل کر دیا۔ اسی سلسلے میں وہ تھیبز پہنچ گیا جہاں ابوالہول کی پہیلی بوجھ کر اس نے تھیبز کو ایک عرصہ دراز کی وبا سے نجات دلائی۔ اس خدمت کی بنا پر اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا، اور بیوہ ملکہ سے اس کی شادی کر دی گئی۔ برسوں بعد

جب کہ بے قصور گنہگار جوڑے کے چار بچے بھی ہو چکے تھے، حقیقت معلوم ہوئی اور غریب
اوڈیپس نے غم و غصے کی شدت سے اپنی آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ مصائب میں
مبتلا رہا۔

اس افسانے میں سے فرائڈ نے صرف خاکا لیا ہے۔ اوڈیپس نے لاعلمی کی حالت
میں اپنے باپ کو قتل کر ڈالا تھا، اور ماں سے شادی کر لی تھی اور اس طرح سے وہ باپ کے
قتل اور ازدواج بالأم دو جرموں کا مرتکب ہوا تھا، جو انتہا درجے کے قابل نفرت ہیں، مگر
جن کی اسی بنا پر سب کا شدت کے ساتھ خواہش کرنا لازمی ہے۔ فرائڈ اس افسانے کے متعلق
یہ خیال کرتا تھا کہ یہ ایسے اختلال کو ظاہر کرتا ہے، جو ہر شخص میں ہوتا ہے، اور جس کی اصل لڑکے
کی اپنی ماں سے محبت اور ماں کی محبت کے لیے باپ سے رقابت ہے۔ بچے کی ہوس جو ۱۶۷
ماں سے وابستہ ہوتی ہے، کچھ عرصے تک تو اس کی ہمت افزائی ہوتی ہے، لیکن دودھ چھوٹنے
اور دوسرے بچے کی ممکنہ آمد سے، سزا و تادیب سے، اس کی پہلی سچی محبت کا راستہ بالکل صاف
نہیں ہوتا۔ اس اثنا میں بچہ اپنے آپ کو اپنے باپ کے ساتھ اس کے نمونے یا معیار کی
حیثیت سے وابستہ کر لیتا ہے جس کی وہ ہر شے میں تقلید کرتا ہے۔ وہ خود کو اور اپنے
باپ کو ایک ہی سمجھتا ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر اُسے حیرانی اور غصہ آتا ہے، کہ تمام وہ باتیں جو
اس کا باپ کرتا ہے، وہ نہیں کر سکتا۔ یا اس کو نہ کرنی چاہییں خصوصاً اسے اپنی ماں سے
اس طرح سے محبت نہیں کرنی چاہیے جس طرح سے کہ اس کا باپ کرتا ہے۔ وہ اپنے
باپ کو ایک دراندازر قیب پاتا ہے اور تسویقی طور پر اس کے اپنے راستے سے ہٹ
جانے کی خواہش کرتا ہے۔ اس کا قابل پرستش معیار اب اس کا قابل نفرت رقیب بھی
بن جاتا ہے اور وہ اپنا معروض محبت نہیں پاتا۔ اس کے اندر خوفناک کشمکش
ہوتی ہے اور یہ تقریباً چوتھے یا پانچویں برس میں فرائڈ کے خیال کے مطابق اپنی انتہا
کو پہنچ جاتی ہے۔ جب بچے کی ہوس اپنی ذہنی اور مبرزی تشفی کی منزلوں سے گزر کر آلات جنسی
پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ اب اسے اپنے دونوں والدین کی سخت مخالفت سے سابقہ پڑتا ہے
اور اس کی حیات محبت کی مزید ترقی رک جاتی ہے۔ خود عشقی اعمال پر کم و بیش وحشیانہ
حد تک مجوم کو دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ اب اس کے لیے چھوڑنے اور دبانے کے علاوہ
کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ بہادرانہ کام وہ اپنے نصب العین کو خود اپنے اندر لے کر انجام

دیتا ہے، وہ خود کو اپنے باپ کے اس حد تک مطابق کر لیتا ہے کہ اس امر ایجابی کہ "تو اپنے
باپ کے مانند بنے گا" اور نہی مطلق کہ "تو اپنے باپ کو قتل نہ کرے گا اور نہ اس کی بیوی کا آرزومند
ہوگا، دونوں کو اپنے بنا لیتا ہے۔ یہ قوانین جن کو لڑکا اختیار کر لیتا ہے، اس کے فوق الغو
کا مغز ہوتے ہیں۔

گرہ اوڈیپس سادہ، اور اس کے دبانے کا یہ طریقہ ہے لیکن معمولاً تمثیل میں بچے
کی خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی دو جنسیتی سے پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بچے کی ہوس باپ اور
ماں دونوں کی طرف جا سکتی ہے، اور ماں کسی حد تک ایسا معیار بن سکتی ہے جو بعد کو
رقیب معلوم ہو، اور آخر میں مطابقت کے ذریعے سے ذات کے اندر شامل کر لی جائے،
اور اس کو فوق الغو میں عمل کرنے کا موقع ملے۔ لڑکے کی مطابقت ممکن ہے باپ کی نسبت ۱۶۸
ماں سے زیادہ ہو، جس کی وجہ سے اس کی سیرت میں نسوانی اثر آ جائے۔ اسی قسم کی
تمثیل مع اپنی تمام پیچیدگیوں کے مناسب بدلوں کے ساتھ لڑکی کے لیے بھی ہوتی
ہے۔ اگرچہ اس کے نسبتہً زیادہ مبہم اور کم تمثیلی ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ گرہ اوڈیپس
پر کامیابی کے ساتھ غالب آ جانے کے بعد تقریباً پانچ سال کے سن میں بچے کی جنسی
ترقی بلوغ تک رک جاتی ہے۔ یہ امر کہ آیا نوجوان پختہ محبت کے مطالبات اور مواقع کا
کامیابی سے مقابلہ کرے گا بڑی حد تک اس پر مبنی ہے کہ بچپن میں صورت اوڈیپس سے
اس نے کس طرح سے مطابقت کی تھی۔

اگر بچے کی اوڈیپس کی کہانی ایسی ہی خرافاتی معلوم ہوتی ہے، جیسی کہ یونانی کہانی
ہے، تو ہم اسے فرد کی زندگی کی دشواریوں کے خاکے یا شکل کے طور پر سمجھ سکتے ہیں براہ راست
بچے میں اس کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا، اگرچہ ایسے کردار کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے
جس کا مقام شکل کے اندر آسانی سے متعین ہو سکے۔ محلل نفسی کے لیے تصور اوڈیپس
زیادہ تر عملی قدر و قیمت رکھتا ہے، کیوں کہ ایک عصبانی مریض کے اس تصور کے قبول
کر لینے سے، اسے مزاحمتوں پر غالب آنے اور اپنی کشمکشوں کے متعلق ایک سنجیدہ رائے
قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اگر کشمکش اس طور پر پیش کی جا سکے، کہ اس کی ابتدا شیر خواری
کے زمانے سے ہوئی تھی، تو مریض اس کی جانب زیادہ معروضی طور پر رجوع ہو سکتا ہے۔
خود فرائڈ اپنی بعد کی تصانیف میں اس کو تسلیم کرتا ہے، کہ حقیقی تصویر اس سے زیادہ مبہم ہے،

جتنا کہ خاکے میں اس کو پیش کیا گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"پڑھنے والے کو یہ احساس ہوتا ہے، کہ سادہ گرہ اوڈیپس اس کی سب سے زیادہ عام صورت نہیں ہے، بلکہ یہ ایک طرح کی تسہیل یا خاکہ ہے جو یقیناً عملی اغراض کے لیے اکثر کافی ہوتا ہے...... لڑکا اپنے باپ کی جانب محض حریفانہ اور اپنی ماں کی جانب مہر و محبت ہی کی روش نہیں رکھتا، بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ لڑکی کی طرح سے بھی عمل کرتا
۳۶۹ ہے، اور اپنے باپ کے لیے محبت کی نسوانی روش اور اپنی ماں کی نسبت اسی لحاظ سے مخالفت و رشک کا اظہار کرتا ہے۔ دوجنسیتی سے یہ پیچیدگی پیدا کرنے والا عنصر داخل ہو جاتا ہے، جس کی بنا پر واقعات کو واضح طور پر دیکھنا اور بھی دشوار ہو جاتا ہے...... ممکن ہے کہ والدین کے تعلقات میں جس مخالفت کا اظہار ہوتا ہے، وہ کلیتہً دوجنسی کی بنا پر ہو، اور یہ رقابت کی بنا پر خود کو والدین میں سے ایک کے مطابق بنا لینے سے پیدا نہ ہوئی ہو۔"

اب اگر باپ کے ساتھ بچے کی رقابت کے مسئلے کو کہانی سے خارج کر دیا جائے تو تمثیلی وضاحت تشریف لے جاتی ہے، اور اگر دوجنسی کو جنسیت کے خاصے وسیع تصور کے مطابق سمجھا جائے، تو یہ دونوں جنسوں کے اشخاص کے ساتھ مہر و محبت کے برتاؤ تک آ جاتی ہے۔ بچے کے والدین میں سے کسی ایک کی جانب مخالفانہ روش (ایجابی و سلبی، محبت و نفرت) اس واقعے کا نتیجہ ہو سکتی ہے، کہ بچے سے صرف نرمی ہی کا برتاؤ نہیں کیا جاتا، بلکہ بعض اوقات سختی کا بھی کیا جاتا ہے۔ "وہ" کی کور قوتوں کے داخل کرنے کی ضرورت نہ ہوگی، اور کل کہانی، اگرچہ صحیح معلوم ہو مگر عمیق نفسیات سے مشکل ہی سے تعلق رکھے گی۔

خلاصہ اور تبصرہ

عام تحریک خاص خاص خواہشوں کا استقلال اور ثنویت یا تضادیہ مسلمات تھے، جن کی فرائڈ کی نفسیات کے موٹے موٹے نقوش پر غور کرتے ہوئے ہمیں جھلک

دکھائی دی تھی۔ اگر تم مجھے دوسرے مسلکے کو زیادہ تعمیمی حدود میں ظاہر کرنے کی اجازت دو، تو ہم خاص مستقل خواہشوں کو حقیقی وجود کہہ سکتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی خود کو یہ بھی یاد دلا سکتے ہیں، کہ فرائڈ کی نفسیات میں اور بھی ایسے وجود ہیں۔ یہ اور ایغو فوق الغو اقتضائے حیات اور جبلتِ موت ایسے وجود ہیں، جنھیں آخر کار قایم کر لیا گیا ہے۔ لیکن ان سب کے دوران میں ایسے وجود بھی رہے ہیں، جیسے کہ ہوس اور محتسب ہیں۔ ایک خاص خواہش جسے دبا دیا گیا ہے، لیکن جو نئے معروض کی طرف منتقل ہو جانے کے باوجود بھی وہی خواہش رہتی ہے، اس کے اندر وجود کی سی خصوصیت ہوتی ہے۔ جب فرائڈ یہ فرض کرتا ہے کہ ہر قسم کا کردار تحریکی یا خواہش کی تکمیل ہوتا ہے، تو وہ یہ بھی مانتا ہے، کہ تحریک ان وجودوں کا نتیجہ ہے، جو فرد کے اندر ہیں۔ ایسے وجود جو خواہش مقصد اور خواہشی قوتیں رکھتے ١٧٠
ہیں۔ پس اگر اس کے نفسیاتی نظام کی عمارت کا خلاصہ دبی ہوئی طفلی جنسیت میں کیا جا سکتا ہے تو اس کی بنیاد کا پتا خواہش رکھنے والے مخالف وجودوں سے چلتا ہے۔

فرائڈ کے نظریے کی بلند تر چوٹیوں کی سیر دلچسپ تو ضرور ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا اپنی توجہ کو صرف انھی کی طرف مرکوز رکھ کر ہم اس کی نفسیات کے ساتھ انصاف کر رہے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ فرائڈ کے کام کا سب سے زیادہ اہم حصہ وہ ہو جہاں وہ حقایق سے قریبی تعلق رکھتا ہے، جہاں اس نے جنسی زندگی کے مطالعے پر اصرار کر کے، شخصی مسایل پر عقلی غور کے لیے دروازہ کھولنے میں عظیم الشان کام انجام دیا ہے۔ فرائڈ کی تحلیل کے وہ طریقے بھی نہایت ہی اہم ہیں، جنھیں کم و بیش ترمیم کے ساتھ رہبر اطفال شفاخانوں اور دوسرے ایسے اداروں نے اختیار کر لیا ہے، جو زندگی میں بہتر ترتیب پیدا کرنا چاہتے ہیں، تاکہ عصبانیتوں کا سدباب ہو سکے۔ فرائڈ کی ذہنی میکانیتیں یا مدافعتی میکانیتیں جن کا بہتر نام حرکیت ہے، کیوں کہ ان کے اندر کوئی بات میکانیکی نہیں ہوتی) نفسیات شخصیت میں مفید تصور ہیں۔ خواہش کو خوف سے چھپانا، اسی قسم کی حرکیت ہے۔ ایسی ہی ناقابل قبول خواہش کی معقولیت ہے۔ سب سے زیادہ مشہور تصور تصفیہ ہے یعنی ایسی خواہش کے لیے جس کو براہ راست موقع نہیں دیا جا سکتا، معاشری لحاظ سے قابلِ قبول ذریعہ تلاش کرنا۔ ٹھیک کس طرح سے کب اور کس حد تک تصفیے میں کامیابی ہو سکتی ہے، یہ سوال باقی رہتا ہے، لیکن

دوسری بہت سی مثالوں کی طرح سے یہاں بھی فرائڈ کا تصور کم از کم بعض ایسے واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہے، جنھیں نظر انداز کر دیا گیا تھا، اور آیندہ مشاہدے کو تحریک دیتا ہے۔ کرداریت کی طرح سے، اور اس سے بھی زیادہ، تحلیل نفسی نے اپنے اثر کو معاشری مسایل کے میدان میں بڑھانے کی کوشش کی ہے؛ اور اس نے معاشری تحریک بلکہ مذہب کی نوعیت اختیار کر لی ہے۔

۱۷۱ لیکن موجودہ زمانے کی حکمی اور طبی ترقی میں فرائڈ کی پوری اہمیت کے سمجھنے کے لیے ہمیں اس بات کے یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس کی سب سے بڑی کوششیں تمام کی تمام عصبانیتوں کے سمجھنے اور ان کے علاج پر صرف ہوئی ہیں۔ میرے خیال میں اس بارے میں سب کو اتفاق ہوگا، کہ اس کے اس پسندیدہ میدان میں اس کا کام ٹھوس اور دیرپا ہے۔ اس نے یہ ثابت کر کے کہ عصبانیت اساسی طور پر کسی جذبی صدمے یا خارج سے کسی ضرب پر مبنی نہیں ہے بلکہ موضوع کی ان بے ڈھنگی کوششوں پر مبنی ہے جو وہ خود اپنی خواہشوں اور حالات زندگی کے مابین کسی قسم کی مطابقت پیدا کرنے کے لیے کرتا ہے۔ اور نیز یہ کہ عصبانیتی خود اپنی ناقص مطابقت کو بہتر مطابقت کی خاطر چھوڑ دینے پر مجبور ہوتا ہے جب طبیب اس خاص صورت کے تحت جو عصبانیت اس کے زیر اثر اختیار کر لیتی ہے، یعنی عصبانیت انتقال کے واسطے سے اس کی مدد کرتا ہے۔ فرائڈ ہمیں فرد کی نسبت یہ خیال کرنے کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ حلوے کی طرح سے ماحولی دباؤ کے آگے آگے ہو جاتا ہے، یا ہر معاشری صورت حال کے بلا مزاحمت مطابق ہو جاتا ہے۔ معاشرے کے مطالبات کو فرد کے مطالبات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے تصادم ہوتا ہے، اور تطابق کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس میں دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ چوں کہ بڑی اور چھوٹی بدترتیبیاں ہم میں سب میں ہوتی ہیں، اور چوں کہ جو کچھ فرائڈ نے زیادہ شدید قسم کی عصبانیتوں کے متعلق دریافت کیا ہے، وہ خفیف قسم کی بدترتیبیوں کے متعلق بھی صحیح ہو سکتا ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ نفسیات شخصیت میں اس نے بہت بڑا اضافہ کیا ہے۔

اگر فرائڈ کی نفسیات کے متعلق میری ذاتی رائے لی جائے، تو مجھے یہ کہنا پڑے گا، کہ میں اس کے نظام کو کسی مطلق معنی میں صحیح نہیں سمجھ سکتا، اور نہ اس کو ان عظیم الشان

حکمی نظریات کا ہم پلہ مان سکتا ہوں، جو موجودہ علم میں ربط پیدا کرتے ہیں اور مزید انکشاف کے لیے رہبروں کا کام دیتے ہیں۔ اپنے وجودوں اور اپنی ثنویت کے لحاظ سے یہ ترقی نہیں، بلکہ ترقی معکوس ہے۔ لیکن فرائڈ کے نسبتہً محدود نظریوں کی حیثیت دوسری
ہے۔ یہ تحقیق کے تیز کرنے کی امید دلاتے ہیں، اگرچہ ممکن ہے کہ یہ تحقیق ان کو مسترد ۱۷۲
کردے۔ فرائڈ کی حقیقی عظمت ان ضابطوں سے نہیں معلوم ہوتی جن کے اندر اس نے اپنی فکر کو ڈھالا ہے، بلکہ خود فکر اور جستجو کی ندرت سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کی بڑائی ان نتائج پر مبنی نہیں ہے جو اب تک حاصل ہوئے ہیں بلکہ اس کے پیش رو ہونے پر مبنی ہے۔

تحلیل نفسی کی ترمیمیں

آلفریڈ آڈلر کی انفرادی نفسیات

تقریباً ۱۹۱۲ء میں اس کے تقریباً دس سال بعد جب تحلیل نفسی نے عالم میں ہلچل پیدا کرنی شروع کی تھی اور متبعین جمع ہونے لگے تھے، کہ اس جماعت میں جو فرائڈ کے گرد جمع ہو گئی تھی اختلافات ظاہر ہونے لگے۔ ان پرجوش نوجوانوں سے اگرچہ فرائڈ کے جرأت آمیز ابتداعات سے کتنے ہی جوش و خروش میں کیوں نہ آئے ہوں یہ امید کرنی صحیح نہ تھی کہ وہ ٹھیک اسی جگہ ٹھہر جائیں جہاں تک فرائڈ نے انھیں پہنچا دیا تھا۔ ولہیلم اسٹیکل اور فرٹس وائٹیلز جو فرائڈ کی وی آنا والی جماعت کے سربرآوردہ ارکان تھے، طریقوں اور نظریوں کے خفیف اختلافات کی بنا پر علیحدہ ہو گئے۔ آڈلر اور یُنگ فرائڈ سے اس لیے علیحدہ ہو گئے یا علیحدہ کر دیے گئے کہ وہ فرائڈ سے مختلف نفسیات کی تعلیم دیتے تھے۔

آلفریڈ آڈلر ساکن وی آنا (پیدائش ۱۸۷۰ء) بہت ہی ابتدا میں فرائڈ کے

خود فرد کی ذکاوتِ حس سے زیادہ صدمہ پہنچنے کا امکان ہوتا ہے۔ اس طرح سے ایک طرف تو یہ کامیابی کا ذریعہ ہے اور دوسری طرف بدکرداری اور بدترتیبی کا۔

فرائڈ نے ایغو کی نسبت یہ خیال کیا تھا کہ یہ اصول حقیقت سے مناسبت رکھتا ہے۔ آڈلر کا یہ خیال تھا، کہ یہ خصوصیت کے ساتھ حقیقت کی تردید کرنے پر مائل ہے۔ فرد کے مخیلے اُس کے خیال میں، زیادہ تر ہوس کی خیالی تشفیوں پر مشتمل نہیں، بلکہ خیالی ہونے کی وجہ سے یہ احساس کمتری سے بچنے کے آسان راستوں پر مشتمل ہیں۔ کمزور فرد کے اپنے لیے ایسی ترتیبوں کے ایجاد کر لینے کا اور زندگی کا ایسا طرز یا کردار کے ایسے نمونے کے اختیار کر لینے کا امکان ہوتا ہے، کہ وہ ماحول کے مطالبات سے بچ سکے اور خود اپنے اندازے کے مطابق کامیابی حاصل کر سکے۔ اس قسم کا عصبانی فرد اپنے لیے ایک افسانوی مقصد مقرر کر لیتا ہے، جس کے معنی کسی حقیقی کامیابی کے نہیں ہیں۔ چنانچہ آڈلر کہتا ہے۔

"ہر عصبانیت کا مسئلہ مریض کے لیے یہ ہوتا ہے کہ عمل فکر و ادراک کے ایسے ۴
دشوار طرز کو جو حقیقت کے مطالبات کو بگاڑتا اور ان کے پورا کرنے سے انکار کرتا ہے، کس طرح سے باقی رکھے.... ہر عصبانیت میں تفوق کا انفرادی مقصد فیصلہ کن جزو ہوتا ہے، انفرادی نفسیاتیوں کی تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے، لیکن خود مقصد ہمیشہ کمتری کے حقیقی تجربات میں پیدا ہوتا ہے....." اگر میں اس قدر پریشان نہ ہوتا، اگر میں اس قدر علیل نہ ہوتا تو میں بھی اتنی ہی اچھی طرح سے عمل کر سکتا تھا، جتنا کہ اور لوگ کرتے ہیں۔ اگر میری زندگی ایسی خوفناک مشکلات سے پر نہ ہوتی تو میں اول آتا" اس روش کو اختیار کر کے ایک شخص پھر بھی خود کو بالاتر محسوس کر سکتا ہے...... اس کا سب سے بڑا مشغلہ یہ ہوتا ہے، کہ دشواریوں کی تلاش کرے..... وہ ایسا دوسروں کی نسبت زیادہ تر اپنے کو متاثر کرنے کے لیے کرتا ہے لیکن فطرۃً دوسرے لوگ بھی اس کی ذمہ داریوں کا لحاظ کرتے ہیں، اور..... دوسروں کے مقابلے میں ذرا نرم معیار سے اگر اس کو جانچا جائے، تو وہ زندگی میں قابل لحاظ حیثیت حاصل کر لیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس کی قیمت اپنی عصبانیت سے ادا کرتا ہے۔"

طرز زندگی بچہ اپنی عمر کے ابتدائی چند سال میں اختیار کر لیتا ہے اور اس کے

حلقے سے وابستہ ہوگیا تھا، اور فرائڈ کے ایغو کے ابتدائی تصورات پر اس کا بڑا اثر پڑا ہے۔ لیکن ۱۹۱۲ء تک یہ بات واضح ہوگئی تھی، کہ اس کا ہوس کے مقابلے میں ایغو پر زور دینا اسے فرائڈ کے قریبی اتباع کے لیے غیر موزوں بنا رہا ہے، اس لیے اس نے ایک مخالف مذہب کا آغاز کیا، اور اس کا انفرادی نفسیات نام رکھا۔ آڈلر کو شروع ہی سے یہ خیال تھا، کہ فرائڈ جنسیت پر ضرورت سے زیادہ زور دے رہا ہے۔ وہ عصبانیتوں میں جنسی دشواریوں کی کثرت کو تو تسلیم کرتا تھا، لیکن اُسے اس سے بھی زیادہ کوئی اساسی چیز نظر آرہی تھی۔

اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عصبانیت میں اساسی واقعہ احساس کمتری ہے۔ ممکن ہے کہ جسمانی قسم کی بھی کوئی حقیقی کمتری ہو، لیکن احساس کمتری ضرور ہوتا ہے۔ ۱۷۳
اس قسم کے احساس کو کوئی شخص محض اس وجہ سے گوارا نہیں کر سکتا کہ ہر شخص میں قوت کے لیے ایک اساسی ارادہ یعنی غلبے اور تفوق کی ایک اندرونی خواہش ہوتی ہے۔ اگر فرد اپنے اندر کچھ کمتر یا مفقود پاتا ہے تو وہ خود کو ہلاک کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، ورنہ کسی نہ کسی طرح سے اپنے آپ کو بالاتر بناتا ہے، یا کم سے کم خود کو اور دوسروں کو اپنی بالاتری کا یقین دلاتا ہے۔ وہ حقیقۃً اپنی کمتری کی معقول کوشش سے تلافی کر سکتا ہے جس طرح سے ڈی ماستھینز نے اپنے ہکلے پن کی اس طرح تلافی کی کہ منہ میں کنکریاں رکھ کر سمندر کے کنارے پر بولتا تھا، اور اس طرح سے یونان میں سب سے بڑا خطیب بن گیا تھا، یا جس طرح سے روز ولٹ نے اپنے جسم کی کمزوری کو مویشی خانے کی زندگی سے مغلوب کیا اور پکا سوار اور محقق بن گیا۔ اکثر تلافی جس بارے میں کمتری ہوتی ہے اس سے علیٰحدہ ہوتی ہے مثلاً ایک لڑکا جسمانی قوت میں کمزور ہے، مگر وہ دیکھتا ہے کہ مدرسے میں امتیاز حاصل کر سکتا ہے، اور وہاں کامیاب ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اکثر لوگ جن کی زندگی میں کامیابی کی بنا پر ہم یہ فرض کرنے لگتے ہیں، کہ وہ مغرور ہیں اور انھیں خود پر کامل اعتماد ہے، اگر ہم ان سے گہری واقفیت پیدا کریں، تو یہ معلوم ہوگا کہ انھوں نے کمتری کے سخت احساسات کی تکلیف اٹھائی ہے اور جن پر ابھی انھیں کامل غلبہ حاصل نہیں ہوا۔ مختصر یہ کہ آڈلر ادعائے نفس کی تسویق کو جنسی تسویق کی بجائے زندگی میں قطعی طور پر غالب قوت سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہی وہ تسویق ہے جسے ماحول اور

اصل خطوط مدت العمر غیر متغیر رہتے ہیں۔ پس ہر فرد کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے جس کی طرف وہ ہر نئی صورت حال میں مایل ہوتا ہے خصوصاً زندگی کے تین بڑے مسایل سے مقابل ہوتے وقت یعنی زندگی کا معاشرتی اور قومی مسئلہ پیشے کا مسئلہ اور مسئلۂ محبت۔ طرز زندگی فرد پر توارث سے عاید نہیں ہوتا، بلکہ اس کا تعین زیادہ تر خاندانی صورت حال سے ہوتا ہے، جس کے اندر بچہ اپنے آپ کو پاتا ہے۔ اس لیے بہت کامیاب آدمیوں کی اولاد کو اس بنا پر مایوسی کا سامنا ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ جیسی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے، اور اس لیے ان کے زندگی کا ایسا طرز اختیار کر لینے کا امکان ہوتا ہے، جس کے لیے کسی شدید کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی بہت غریب والدین کی اولاد مگر اچھی شکل وصورت والی ممکن ہے کہ التجائی روش اختیار کرے جو بعد کو ہر قسم کی حالتوں میں باقی رہے۔ بگڑا ہوا بچہ اپنا مقصد اس کو بناتا ہے کہ وہ توجہ کا مرکز بنا رہے۔ جس بچے سے نفرت کی گئی ہو، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے، کہ بچ کر ذرا فاصلے پر رہے۔ سب سے بڑی اولاد میں یہ روش پیدا ہو جاتی ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اسی کے پاس رہے، یعنی تنگ نظری کی روش۔ دوسری اولاد ہمیشہ دوڑ میں پیچھے رہتی ہے، اور اس کے اندر آگے بڑھ جانے کی کوشش کی روش نشوونما پاتی ہے۔ سب سے چھوٹی اولاد کی بھی یہی روش ہو سکتی ہے، اگرچہ اس میں بگڑے ہوئے بچے کی روش کے پیدا ہو جانے کا بھی امکان ہوتا ہے۔ جس بچے کو مقابلے کا کبھی سامنا نہیں ہوتا، وہ یہ فرض کرتا ہے، کہ دوسرے خدمت کریں گے اور وہ حکومت۔ آڈلر کی یہ مراد نہیں ہے، کہ پیدایش کے اعتبار سے محض ترتیب بچے کی طرز زندگی متعین کرتی ہے۔ لیکن بچہ ایک خاص صورت حال میں اس اعتبار سے بھی پیدا ہوتا ہے، کہ وہ سب سے بڑا ہے، یا نسبتہً چھوٹا ہے اور زندگی کے متعلق اس کی روش زندگی سے اس کی توقعات شروع ہی سے ممکن ہے کہ اس مقابلے کی صورت حال سے متعین ہوں، جس میں کہ وہ اپنے آپ کو پاتا ہے۔ اس طرح سے فرائڈ کی طرح سے آڈلر بھی اس امر پر زور دیتا ہے، کہ خاندانی صورت حال فرد کو بناتی ہے، لیکن وہ بہت ہی مختلف طریق پر زور دیتا ہے۔

آڈلر جنسی تسویق کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا، لیکن اس کے نزدیک اِسے بچے

کی زندگی میں اتنی اہمیت حاصل نہیں ہے، جتنی کہ فرائڈ اس سے منسوب کرتا ہے۔ زندگی کے مجموعی خاکے یا طرز میں اس کو اس کی جگہ مل جاتی ہے، جو ہمیشہ تفوق کی طرف دوڑنے یا کم از کم کمتری سے بھاگنے پر مشتمل ہوتی ہے۔ فرد کی زندگی اور مسایل کی ایسی تحلیل جو ہر شے کو جنسی خواہش پر مرکوز کردے ایک بگڑی ہوئی تصویر پیش کرتی ہے، "جنسی اجزائے ترکیبی کا فرد کے طرز زندگی کا لحاظ کیے بغیر صحیح طور پر اندازہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہم اس کی زندگی اس کی ضد، تذبذب اور اس کی سمجھ میں نہ آنے والی نزاکتوں کے متعلق صرف اس حد تک بصیرت حاصل کر سکتے ہیں، جس حد تک ہم فرد کے طرز زندگی کو سمجھتے ہیں۔" زندگی کے تین بڑے مسئلوں یعنی معاشری زندگی، پیشے اور محبت میں سے بچے کو پہلے پہل معاشری مسئلے سے سابقہ پڑتا ہے اور بچے کی حیثیت سے اس کا معاشری تطابق اس کے دیگر مسایل سے مقابلے کے لیے نمونے کا کام دیتا ہے۔ اگر بچے کی معاشری روش میں شجاعت اور دوسرے لوگوں میں دلچسپی داخل ہے اور وہ دینے اور لینے دونوں میں پُر از امید ہے، تو وہ بعد کو جنسی تسویق کو بھی زندگی کے اس طرز میں شروع کرے گا، اور محبت اور شادی میں کامیاب ہوگا۔ اگر بچے کی معاشری ۱۷۶
روش اپنے ساتھیوں سے بازی لے جانے کے لیے پریشانی کے ساتھ تلاش و جستجو کی ہے تو بعد کو جنسیت بھی اسی غایت کے لیے وسیلے کے طور پر استعمال کی جائے گی۔

کسی مریض کے مطالعے اور تحلیل میں اصل کام یہ ہوتا ہے، کہ اس کا طرز زندگی اور اس کے تفوق کے خاص مقصد کو دریافت کیا جائے جو اس نے اپنے لیے بچپن میں مقرر کیا تھا، اور جس پر کسی نہ کسی صورت میں وہ اب بھی عمل کرتا ہے۔ خاندان میں بچے کی حیثیت سے ایک عام اشارہ ملتا ہے۔ اس کی پسند و ناپسند تاریخ یا افسانے میں اس کے ابطال، زندگی میں ابتداً اور بعد کو اس کے پیشے کے انتخابات ان سب سے اشارے ملتے ہیں۔ اس کے کھڑے ہونے بیٹھنے اور چلنے کے طریق سے بھی اساسی روشوں کا انکشاف ہو سکتا ہے، اور اسی طرح سے اس کے ہاتھ ملانے اور حتیٰ کہ اس انداز سے بھی اساسی روشوں کا انکشاف ہوتا ہے جو وہ سوتے وقت اختیار کرتا ہے۔ جب ہم ایک شخص کو اس طرح سے چت لیٹا ہوا دیکھیں، جس طرح سے حالت توجہ میں سپاہی ہوتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ لوگوں کی

نظروں میں بڑا دکھائی دینا چاہتا ہے۔ جو شخص جنگلی چوہے کی طرح سے لپٹا پیٹا یا سر پر چادر تانے ہوئے لیٹتا ہو تو وہ کوئی محنتی یا شجاع سیرت کا آدمی نہ ہوگا...... جو شخص پیٹ کے بل اوندھا ہو کر سوتا ہو اس کی اس روش سے اس کی استقامت اور درشتی[1] کا پتا چلتا ہے۔ طرز زندگی ہر جگہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ خیال کیا جا سکتا ہے، کہ اس قسم کی آسان تمثیلیں اکثر محلل کو گمراہ کر دیتی ہیں۔ عملاً انفرادی نفسیاتی اپنے نتایج کو بہت سی کرداری خصوصیات کے جامع نظریے پر مبنی کرتا ہے۔ چنانچہ سب سے بڑا بچہ ہونا بجائے خود فیصلہ کن واقعہ نہیں ہوتا۔ ہر خاندان کی بجائے خود ایک صورت ہوتی ہے...... خاندانی گروہ کے اندر کوئی حیثیت ایسی نہیں، جو تمام حالات میں بہتر ہی رہتی ہو، اور نہ کوئی حیثیت ایسی ہوتی ہے جو لازمی طور پر ناموافق نشوونما ہی کا باعث ہو[2]"

تحلیل رویا سے آڈلر تقریباً اسی طرح سے کام لیتا ہے، جس طرح سے فرائڈ
۱۷۷ لیتا ہے، صرف فرق یہ ہے کہ آڈلر ان کو پرانی خواہشوں کی تکمیل نہیں خیال کرتا، بلکہ اس کے نزدیک ان کا تعلق ماضی سے نہیں بلکہ مستقبل سے ہوتا ہے۔ خواب کسی اہم عمل کی نقل ہوتا ہے، جو حقیقت میں جلد ہی ہونے والا ہوتا ہے۔ نفسیاتی کے لیے خواب اس وجہ سے اہم ہوتا ہے، کہ اس سے آنے والے اہم واقعے کی نسبت سے فرد کے طرز زندگی کا پتا چلتا ہے۔ شادی کے قریب ہی مذبذب شخص یہ خواب دیکھتا ہے کہ وہ دو ملکوں کی سرحد پر روک لیا گیا ہے، اور اُسے قید کی دھمکی دی جا رہی ہے۔ خواب کا تعلق بیداری کی حالت کے غیر تصفیہ شدہ مسائل سے ہے، اور اس سے ایسے مسایل کی جانب اساسی روش کا پتا چلتا ہے، وہ روش جو بچپن میں قایم ہوئی تھی، اور جواب تک مقررہ انفرادی خصوصیت رہی ہے۔

بد ترتیب فرد کا علاج اس طرح سے کیا جائے کہ اُسے اپنی کمتری کی گرہ اور اپنے تفوق حاصل کرنے کے راسخ طریقے کو آہستہ آہستہ دکھایا جائے تاکہ وہ صاف طور پر دیکھ لے، کہ

۱۔ اے آڈلر مسایل عصبانیت صفحہ ۲۱۵۔

۲۔ ای دیکیین برگ انفرادی نفسیات، ترجمہ ڈبلیو بی ولفے (کاسمو پالیٹن بک کارپوریشن ۱۹۲۹ء) صفحہ ۱۹۶۔

وہ کس چیز کے کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اور کس چیز سے ڈرتا اور گریز کرتا ہے۔ اگرچہ فرد کا اساسی طرزِ زندگی ابتدائی بچپن کے بعد بدل نہیں سکتا، لیکن اس کو زیادہ عملی اور زیادہ معاشرتی صورتوں کی ترغیب دی جا سکتی ہے۔

ایک نظام یا نظریے کی حیثیت سے آڈلر کی نفسیات یقیناً مربوط ہے۔ یہ اس قدر سادہ معلوم ہوتی ہے، کہ اسے عمقی نفسیات کہنا مشکل ہے۔ اس کے اندر لاشعوری مقابلۃً بہت کم حصہ لیتی ہے، اور اُسے شعوری زندگی کی ایک علیحدہ صورت خیال نہیں کیا جاتا۔ فرد کے لیے طرزِ زندگی ایسا معمولی واقعہ ہوتا ہے، اور وہ اسے اس قدر کم سمجھتا ہے کہ ہم اسے خاص طرح سے لاشعوری کہہ سکتے ہیں۔ مگر جس حد تک یہ سمجھا جاتا ہے، اس حد تک شعوری بنتا جاتا ہے۔ فرائڈ کے دو اصل واقعوں یعنی مزاحمت اور انتقال سے بھی آڈلر اور اس کے گروہ کو عصبانی اشخاص کے علاج میں سابقہ پڑتا ہے لیکن وہ اس کی تعبیر غیر فرائڈی طریقے پر کرتے ہیں۔ مزاحمت کو قدیم دبی ہوئی خواہشوں کے ابھرنے کی غیر شعوری مخالفت نہیں کہتے، بلکہ خود علاج کے خلاف مدافعت قرار دیتے ہیں، یعنی مریض تندرست ہونے سے ڈرتا ہے، کیوں کہ اگر وہ تندرست ہو گیا، تو وہ ایسے کام کرنے شروع کرے گا، جن میں ممکن ہے وہ ناکام ہو جائے۔ اسی طرح سے انتقال
کے واقعے کی نسبت وہ کہتے ہیں کہ اگر مریض معالج پر عاشق ہو جائے، تو یہ حقیقی عشق نہیں ہوتا ۱۷۸
بلکہ اس پر فتح یاب ہونے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ شعوری اور لاشعوری دو علیحدہ علیحدہ وجود یا فرد کے دو مخالف نصف حصے نہیں ہیں، بلکہ ان میں باہم اس طرح سے ربط ہوتا ہے کہ ایک ہی قسم کی خواہشیں اور میلانات رکھتے ہیں۔ لاشعوری گرہ کمتری اور قوت کی شعوری کوشش ایک حرکیاتی وحدت قائم کرتے ہیں ہمیں بقول آڈلر مخالف اور ہر آن کشمکش میں مبتلا رہنے والے وجودوں کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر تمھیں وہ ترکیب یاد ہو، جس میں ہم نے اپنے خیال کے مطابق فرائڈ کے تین بنیادی مسلمات کا خلاصہ لیا تھا، یعنی مخالف خواہش رکھنے والے وجود تو ہم دیکھتے ہیں کہ آڈلر نے ان تین مسلموں میں سے دو کو رد کر دیا ہے۔ وہ وجودوں اور اساسی مخالفت کے بغیر کام چلا لیتا ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ اسی قدر تحریکی ہے جس قدر کہ فرائڈ اور نفسی تحلیل کے اصول کو پوری طرح سے تسلیم کرتا ہے جن نفسیاتی

علتوں کی وہ تحقیق کرتا ہے، وہ فرائڈ سے مختلف ہیں، لیکن احساس کمتری اور مقصد فوقیت یقیناً عضویاتی نہیں، بلکہ نفسیاتی تصور ہیں۔ بچپن کے زمانے کو بننے کے زمانہ کہنے میں فرائڈ اور آڈلر دونوں متفق ہیں، باوجودے کہ ان میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ بچپن میں وہ کونسی بات واقع ہوتی ہے جو بعد کی زندگی میں اس قدر اہم ہوتی ہے۔

آڈلر کی نفسیات انتہائی معنیٰ میں صحیح اور تشفی بخش ہو یا نہ ہو مگر اس میں تو شک نہیں کہ اس کے اندر ایسی بہت سی قریبی صداقت موجود ہے جس کو براہ راست زندگی پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے تصورات فرائڈ کے تصورات کے مقابلے میں آسان ہیں، یعنی سمجھنے میں بھی آسان اور استعمال کرنے میں بھی آسان۔ آڈلر کا طریق تحقیق خصوصیت کے ساتھ بچوں کی اپنے مسایل پر قابو پانے میں مدد کرتا ہے۔ یہاں اس کی قدر و قیمت ثابت ہو چکی ہے، اور اسے تعلیمی میدان میں ایک باوقعت رتبہ حاصل ہو گیا ہے۔

یُنگ کی تحلیلی نفسیات

سی۔ جی۔ یُنگ ساکن زیورچ (پیدائش ۱۸۷۵ء) فرائڈ سے شخصی طور پر تحلیل نفسی
کی چند سال کی مشق و مطالعے کے بعد واقف ہوا اور چند سال تک ان دونوں آدمیوں ۱۷۹
میں مجلسوں اور خط و کتابت کے ذریعے سے گہرا تعلق رہا۔ فرائڈ کی اس نوجوان اور لایق رنگروٹ کے متعلق ایسی عمدہ رائے تھی، کہ اس نے اسے تحلیل نفسی کی بین الاقوامی مجلس کا صدر بنا دیا، اور خیال اس کا یہ تھا (اور یہ بلا شبہ غلط تھا) کہ اگر وہ خود پس منظر میں رہے تو نئی تحریک کا عوام اور اہل حکمت میں زیادہ بہتر استقبال ہوگا۔ لیکن جلد ہی یہ بات ظاہر ہو گئی، کہ یُنگ فرائڈ کے تصورات کو قیمتی اور انقلاب انگیز تو ضرور خیال کرتا ہے، لیکن وہ انھیں یک رخہ اور کسی حد تک خام بھی سمجھتا ہے۔ اس نے نسبتہً زیادہ مکمل نظریے کو پیش کرنا شروع کر دیا ہے۔ جسے وہ تحلیلی نفسیات کہتا ہے۔

ینگ کی اصلاحات عصبانیتوں اور ہوس سے متعلق تھیں۔ پہلی کی نسبت فرائڈ نے بالغ آدمی کی عصبانیت کا بچے کی گرہ او ڈیپس میں پتا چلا کر میلان پیدا کرنے والی علت کو ظاہر کر دیا تھا، لیکن اس نے علت مہیجہ کا کوئی لحاظ نہیں کیا تھا۔ ممکن ہے کہ ایک فرد اپنے ساتھ بری قسم کی گرہیں رکھتا ہو جو بچپن میں ناقص تطابقات کی وجہ سے باقی رہ گئی ہوں مگر اس کے باوجود وہ اس وقت تک عصبانیت میں مبتلا نہ ہو جب تک زندگی کے کسی دشوار مسئلے سے سابقہ نہ پڑے۔ عصبانیت کی علت مہیجہ ایسی صورت ہوتی ہے جو فرد سے نئے تطابق کی طالب ہوتی ہے، وہ نئی صورت حال سے مقابلہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، مگر اس میں کافی قوت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے نئے تطابق میں ناکام ہو جاتا ہے اور اپنی ان ابتدائی عادتوں کی طرف لوٹ جاتا ہے، جن سے وہ دشوار صورتوں کا مقابلہ کیا کرتا تھا۔ وہ اپنے اس طریق کی طرف لوٹ جاتا ہے جو وہ قانونی صورت حال سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے بچپن میں اختیار کیا کرتا تھا۔ ممکن ہے اس کا بچپن کا تطابق ناقص رہا ہو اور اب اس کا ایسا کرنا اس کے لیے مفید نہ ہوتا ہو۔ بچپن میں ممکن ہے وہ تخیلوں میں پناہ لیا کرتا ہو اور اب وہ اسی خیالی حل کی طرف لوٹ جاتا ہو۔ یہ پسپائی اسے حقیقی مسئلے اور اسی کے حل سے اور بھی دور کر دیتی ہے۔ اگر موجودہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے تو اس کا طفلانہ کردار بھی فوراً رفع ہو جاتا ہے، لہٰذا تطابق کی موجودہ دشواری عصبانیت کی حقیقی علت ہوتی ہے۔

"زندگی کے راستے میں جو رکاوٹ آگئی ہے، اگر اس کو دور کر دو تو بچپن کے اوہام و خیالات کا یہ کل نظام فوراً ٹوٹ جائے اور اسی طرح سے پھر بیکار اور غیر موثر ہو جائے جیسا کہ پہلے تھا۔ لیکن ہمیں یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ ایک حد تک یہ ہمیشہ اور ہر جگہ ہم کو متاثر کرتا رہتا ہے...... لہٰذا میں اب عصبانیت کی علت کی تلاش ماضی میں نہیں بلکہ حال میں کرتا ہوں۔ میں یہ تحقیق کرتا ہوں کہ وہ ضروری کام کونسا ہے جو مریض انجام نہیں دیتا۔"[1]

[1] سی۔ جی۔ ینگ Collected Papers on Analytical Psychology، ترجمہ مس ای لانگ صفحہ ۲۲۳ وہ خاص مضمون جس کا اقتباس متعلق ہے سنہ ۱۹۱۳ء کا ہے۔

عصبانیتوں کا علاج کرنے میں ینگ فرائڈ کے آزاد ائتلاف اور تحلیل رویا کے اصول پر قایم رہتا ہے۔ لیکن وہ مریض کے موجودہ مسئلے سے ابتدا کرتا ہے اور یہ تحقیق کرتا ہے کہ اس سے مقابلہ کرتے وقت، مریض میں کمزوری کے کون کون سے عناصر ہیں؟ وہ مریض کے خوابوں کی تعبیر محض اس طرح سے نہیں کرتا، کہ ان سے قدیم دبی ہوئی جنسی خواہشوں کا اظہار ہوتا ہے، مثلاً گرہ اودیپس بلکہ اس کے نزدیک خواب سے مریض کی اپنے موجودہ مسئلے کی نسبت غیر شعوری روش کا اظہار ہوتا ہے تحلیل کے ذریعے سے مریض کو مسئلے پر اپنے ابتدائی حملے کا شعور ہوتا ہے، اور وہ شعوری اور غیر شعوری کے مابین ربط قایم کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اس طرح یہ تحلیل سے مریض اپنی موجودہ حالت اور اپنے بچپن دونوں کو سمجھ لیتا ہے، اور وہ تحلیل کے بعد بہتر اور مربوط شخصیت کا انسان بن جاتا ہے۔ فرائڈ کو ینگ کے کام کے اس اخلاقی میلان پر اعتراض تھا۔

ہوس کے متعلق یہ ہے، کہ ینگ نے اس کو فرائڈ سے بھی زیادہ وسیع معنی پہنا دیے۔ لیکن ایسا کرنے میں اس نے اس امر سے انکار کر دیا، کہ یہ امتیازی طور پر جنسی ہے۔ اس نے اس کے اندر فرائڈ کی ہوس اور آڈلر کی سعی تفوق یا قوت ارادی کو شامل کر لیا۔ ینگ جو وحدت پرستانہ ہمنوائی پیدا کرنے والا ہے، ابتدائی ہوس کو عام خواہش سمجھتا ہے، جو شوپنہائر کے ارادۂ زندگی یا برگسان کے جوش حیات کے مساوی ہے۔ یہ مجموعی حیات توانائی ہے، جو نشوونما، فعلیت اور توالد و تناسل کے
مقاصد کے لیے عمل کرتی ہے بچے میں یہ سب سے پہلے تغذیے کے افعال میں ظاہر ۱۸۱
پاتی ہے۔ غذا کے حاصل ہونے سے بچے کو جو خوشی ہوتی ہے، وہ ہوس کی بنا پر ہوتی ہے لیکن اس کو کسی معنی میں جنسی لذت نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ جنسی خواہش ابھی ابتدائی خواہش زندگی سے علٰحدہ نہیں ہوئی ہے۔ ینگ نے فرائڈ کے طفلی جنسیت کے تصور کے متعلق اپنے خیالات کا کافی قوت کے ساتھ اظہار کیا ہے۔[1]

[1] سی، جی، ینگ Contributions to Analytical Psychology
ترجمہ ایچ، جی اور سی ایف بینز (ہارکورٹ بریس اینڈ کو) ۱۹۲۸ء صفحہ ۳۳۹، ۳۴۰۔

صحیح معنیٰ میں فرائڈی تحلیل....... قطعی طور پر جنسی تحلیل ہے جو اس مسلے پر قایم ہے کہ بچے اور ماں کا تعلق لازمی طور پر جنسی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر فرائڈی تمھیں یہ یقین دلائے گا کہ اس سے کثیف جنسیت مراد نہیں ہے، بلکہ نفسی جنسیت مراد ہے، جو ایک غیر حکمی اور منطقی اعتبار سے اس لفظ کی ناقابل قبول توسیع ہے....... بچے کا رجعت پسندانہ میلان صرف استعاری طور پر قربت مادری کی ناجایز خواہش کہا جا سکتا ہے...... یہی حال گرہ اودیپس کا ہے، یہ بھی محض استعاری ہے...... مباشرت بالمحرمات کے خاص معنیٰ ہیں... اسی لفظ کو بچے کی دشواریوں کے لیے استعمال کرنا لغو سے بھی بدتر ہے۔"

فرائڈ نے ینگ کے ہوس کو اس طرح سے پاک کرنے کے متعلق کہ اس سے جنسی فضا کو دور کر دیا ہے، اپنے خیالات کا صفائی کے ساتھ اظہار کیا ہے۔ ینگ کے خیال کے مطابق فرائڈ کا جنسیت پر زور یک رخہ پن تھا، اور فرائڈ کے خیال کے مطابق ینگ ان بڑی کامیابیوں کو قربان کر رہا تھا جو فرائڈ نے جنسی نفسیات میں حاصل کی تھیں۔

ینگ نے اپنے تصور ہوس کو طبیعیات کے تصور توانائی کی صف میں لانے کی کوشش کی۔ توانائی کی ہیئت بدل جاتی ہے، لیکن حقیقۃً یہ وہی رہتی ہے خواہ یہ حرارت کی صورت میں ہو، یا بجلی کی صورت میں، یا کمیتوں کی حرکت کی صورت میں۔ پس ایک ہی نفسی توانائی ایک ہی ہوس ہے، جو خود کو کسی وقت ادعائے نفس میں، اور کسی وقت خواہش جنسی میں ظاہر کرتی ہے۔ فرائڈ نے ان صورتوں میں سے ایک کو توانائی مانا تھا، اور آڈلر نے دوسری کو۔ اور ان میں سے ہر ایک نے یک رخے پن سے ہر قسم کی توانائی کو ایک صورت قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ اگر توانائی کا رخ جنسی فعلیت سے کسی فن یا کمال کی طرف پھیر دیا جائے، تو اس کی ہیئت بدل جاتی ہے، اور یہ دراصل جنسی خواہش نہیں رہتی اگرچہ توانائی کے اصل ذریعے کے کچھ آثار بدلی ہوئی فعلیت میں باقی رہ سکتے ہیں۔ ینگ کے نظریۂ توانائی کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ توانائی کو توازن کی غایتی حالت کی جانب مایل خیال کیا جا سکتا ہے فرائڈ فرد کے موجودہ کردار کے سمجھنے کے لیے ہمیشہ اس کے ماضی کی طرف جاتا تھا،

اور آڈلر نے اگرچہ مقاصد کا ذکر کیا تھا، لیکن اُن مقاصد کے دریافت کرنے کے لیے جو فرد نے طفلی صورت حال کے نتیجے کے طور پر اختیار کر لیے تھے، بچپن کی طرف لوٹا تھا۔ دونوں نے توجیہ کی علّی میکانیکی قسم کی تقلید کی ہے، جو علم طبیعی میں عام ہے۔ ہم طبیعیات میں توانائی کے تصور کو پاتے ہیں، جس کو علّی میکانیکی تصور کے کبھی ہم آہنگ نہیں بنایا گیا، اور جو نظری طور پر بھی اس کے منافی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن توانائی کا تصور طبیعیات کے جدید رجحانات کا لحاظ کرتے ہوئے زیادہ موزوں ہے، خصوصاً اس اعتبار سے کہ یہ کمّی ہے۔ نفسیات میں بلاشبہ ہم ٹھیٹ کمّی انداز میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔ لیکن کم از کم غیر معمولی نفسیات میں ہمیں ایسی قیمتوں سے دلچسپی ہوتی ہے جو معمولی طور پر کمّی ہوتی ہیں، کیوں کہ ایک قیمت دوسرے کے مقابلے میں بڑی ہوتی ہے۔ اس لیے تحلیلی نفسیات میں توانائی کا تصور کردار کی علّی میکانیکی توجیہہ کے مقابلے میں زیادہ قرین صحت ہے عصبانیت زندگی سے تطابق پیدا کرنے کی موجودہ کوشش ہوتی ہے، اگرچہ یہ کوشش ناقص ہوتی ہے، مگر کم از کم تبدیل ہیئت اور نئی ترکیب کی کوشش ضرور ہوتی ہے۔ پس عصبانیت کا علاج محلل کے اس نئی ترکیب میں مدد دینے سے ہو سکتا ہے نہ کہ محض سابقہ اسباب کے بے نقاب کرنے سے، اگرچہ یہ بعد کا طریقہ، علاج کی ابتدائی منزل کی حیثیت سے مفید ہوتا ہے۔

ینگ نے اس موضوع[1] پر جو وسیع بحثیں کی ہیں ان کے متعلق میرا ملخص بیان

۱۸۳ بلاشبہہ ناکافی ہے، اور ممکن ہے، کہ اس سے مصنف کا اصل تصور واضح نہ ہو۔ میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں، کہ ینگ کے عصبانیت کے متعلق تصور توانائی یا ایک نئی ترکیب کی حیثیت سے کسی تطابق میں، اور تشکیلیہ کے تصور بصیرت یا رخنہ پُر ہو کر توازن تک پہنچنے میں، ایک طرح کی تمثیل پائی جاتی ہے۔

---

[1] مثلاً دیکھو سی۔ جی۔ ینگ Collected Papers on Analytical Psychologg ترجمہ سی۔ ای لانگ طبع ثانی سنہ ۱۹۲۰ء صفحہ ۲۹۶، ۴۰۱، ۴۱۱، ۴۱۳ اور Contributions to Analytical Psychology ترجمہ ایچ۔ جی۔ اور ایف۔ اسی۔ بینز سنہ ۱۹۲۸ء صفحہ ۱-۷۰۔

ہمارے تین بڑے نفسی مرضیاتیوں کے مابین جو اختلافات ہیں، وہ ایک لمحے کے لیے تعبیر خواب کے معاملے کی طرف لوٹنے سے واضح ہو جائیں گے۔ ینگ نے اپنی اور فرائڈی تعبیرات کے فرق کو ایک نوجوان کے خواب کی مثال سے واضح کیا ہے۔ اس نوجوان نے تھوڑے ہی عرصے پہلے سند فضیلت حاصل کی تھی، اور کسی پیشے کا تصفیہ نہ کر سکا تھا اور عصبانیت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ خواب حسب ذیل ہے۔

"میں اپنی ماں اور بہن کے ساتھ سیڑھیوں پر جا رہا ہوں جب میں اوپر پہنچا تو مجھے بتایا گیا، کہ میری بہن کے جلد ہی بچہ ہونے والا ہے۔"

فرائڈی کے لیے اس کی تعبیر آسان ہوگی۔ سیڑھیوں پر چلنا باقاعدہ طور پر جنسی فعلیت کی علامت مانا جاتا ہے، ماں اور بہن طفلی خواہشوں کے باقاعدہ معروض ہیں۔ خواب صاف طور پر دبی ہوئی طفلی خواہش کی تکمیل ہوگا۔ ینگ اس نہی بنائی تعبیر سے مطمئن نہیں ہے اس لیے وہ خواب کے ہر عنصر سے آزاد ارتباطات کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ماں فرائض سے غفلت برتنے کی طرف اشارہ کرتی ہے، کیوں کہ اس نے عرصے سے اپنی ماں سے بے پروائی اختیار کر رکھی تھی۔ بہن عورت کی سچی محبت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ سیڑھیوں پر چڑھنا زندگی کے کامیاب بنانے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ہونے والا بچہ خود اس کے لیے نئی پیدائش یا نئی زندگی کا اشارہ ہے۔ ینگ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ خواب سے نوجوان کی موجودہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے غیر شعوری توانائیوں کے ہیجان کا پتا چلتا ہے۔ آڈلر اس خواب کی کس طرح پر تعبیر کرے گا یہ ہم نہیں بتا سکتے۔ یہ تو معلوم نہیں کہ خواب دیکھنے والا سب سے بڑا لڑکا تھا یا اپنی بہن سے عمر میں کم تھا، لیکن چوں کہ خواب دیکھنے والا سیڑھیوں پر تنہا نہیں چڑھتا ہے، اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس کا طرز زندگی دوسرے اشخاص کے سہارے پر مبنی ہے۔ یہ واقعہ کہ ایک ہی خواب کی چند مختلف تعبیریں دی جا سکتی ہیں، جن میں سے ہر ایک محلل کے ہاتھوں میں مفید ہوتی ہے، آدمی کو ٹھیرنے اور سوچنے پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، کہ نپولین کی زندگی پر کتنی تمثیلیں تعمیر کی گئیں۔ یہ سب اپنے طریق پر اچھی تعبیریں ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی نپولین کی زندگی کو

ظاہر نہیں کرتی۔ درحقیقت کسی تعبیر سے بھی پوری طرح سے خواب کا پتا نہیں چلتا۔ میں اپنی جانب سے تو یہ کہہ سکتا ہوں، کہ مجھے تو خواب کی کسی تعبیر کی صحت کے متعلق سخت شبہہ ہے۔ کسی خواب کے اندر جو کچھ مضمر ہوتا ہے، وہ یقیناً اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، جتنا کہ کسی تعبیر سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ خوش قسمتی سے خواب کی تعبیر کرتے وقت مقصد اس خاص خواب کا سمجھنا نہیں ہوتا، بلکہ اس شخص کی جس نے خواب دیکھا ہے، کسی گرہ، خواہش آرزو یا طرز زندگی کا دریافت کرنا ہوتا ہے۔ اگر ہمیں اس کے متعلق کوئی حقیقی شے مل جائے تو ہم نے خود خواب کی کتنی ہی غلط تعبیر کیوں نہ کی ہو، ہمارا عملی مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر عملی طور پر نہیں، تو حکمی اعتبار سے یہ امتیاز ضرور قابل لحاظ ہے۔

ینگ کی داخلی بینی اور خارج بینی

فرائڈ اور آڈلر کے کام کی ینگ تحقیر نہیں کرتا، بلکہ اُسے تو فکر ہے کہ ان دونوں نے جو کچھ کام کیا ہے اُسے خود اپنے نظام کے اندر داخل کرلے، لیکن ایسے نظریوں میں جو ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہوں، کس طرح سے ہمنوائی پیدا کی جائے اور انھیں باہم کیوں کر ترتیب دیا جائے۔ فرائڈ خواب یا عصبانیت کے متعلق یہ خیال کرتا تھا، کہ یہ دبی ہوئی جنسی خواہشوں کی تحریک پر مبنی ہے۔ آڈلر کے نزدیک یہ ارادۂ قوت کا نتیجہ ہے۔ ہر محرک بجائے خود کافی معلوم ہوتا ہے لیکن دونوں میں توافق ناممکن ہے۔ ینگ نے اس مسئلے کو اپنے نفسیاتی نمونوں کے مشہور نظریے سے حل کیا۔ ممکن ہے ایک شخص کو فرائڈی طریق پر تحریک ہوتی ہو اور دوسرے کو آڈلری طریق پر۔ جس شخص کو ارادۂ قوت سے تحریک ملتی ہے ینگ کے خیال کے مطابق اس کی دلچسپیاں ذات پر مرکوز ہوں گی، اور جس شخص کو تحریک جنس سے ملتی ہے، اس کی دلچسپیاں معروض محبت پر مرکوز ہوں گی، ینگ کے
نزدیک دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ایک قسم وہ ہوتی ہے۔ جس کی دلچسپی و توجہ ۱۸۵

خود اس کی ذات میں مرکوز ہوتی ہے اور دوسری قسم وہ ہوتی ہے جن کی دلچسپی اور توجہ ذات سے باہر معاشری اور طبیعی ماحول پر مرکوز ہوتی ہے۔ داخل بیں اندر کی طرف مڑا ہوا ہوتا ہے اور خارج بیں باہر کی طرف۔ خارج بیں کو تحریک فرائڈ کی ہوس سے ملتی ہے اور اس پر احساس کا غلبہ ہوتا ہے۔ داخل بیں کو تحریک آڈلر کے ارادۂ قوت سے ملتی ہے اور اس پر فکر کا غلبہ ہوتا ہے، اور یہ مخیلے اور تدبر پر مائل ہوتا ہے۔ ہوس کے متعلق خود اپنا تصور استعمال کرتے ہوئے یعنی اسے زندگی کی توانائی کہتے ہوئے ینگ یہ بتا سکتا ہے کہ خارج بینی میں ہوس باہر کی جانب معروضات کی طرف حرکت کرتی ہے اور داخل بینی میں اندر کی جانب خود اس کی ذات کی طرف۔

ینگ کے نظریوں میں سے عام طور پر اتنی دلچسپی کسی نظریے سے بھی نہیں ہوئی ہے، جتنی کہ اس کے داخل بینی اور خارج بینی کے نظریے سے۔ لوگوں کی قسمیں کرنا اور بعض کو ایک قسم کا اور بعض کو دوسری قسم کا قرار دینا دلچسپ کام ہے۔ قدما انسانوں کو چار مزاجوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ دموی، صفراوی، بلغمی اور سوداوی۔ گزشتہ صدی کے ختم پر گالٹن کے ذہنی مخیلے کے مطالعوں کی تقلید میں نفسیاتی لوگوں کی بصری، سمعی، اور حرکی تقسیم کیا کرتے تھے، اور شاذ و نادر اشخاص کو شامّہ اور دوسری قسموں سے منسوب کیا کرتے تھے اور یہ کہا جاتا تھا، کہ اس قسم کی تقسیم تعلیم کے لیے بہت اہم ہے، کیوں کہ اگر بچہ سمعی قسم کا ہوگا، تو بصری تعلیم اسے سمجھنے سے وہ قاصر رہے گا۔ پس بچوں سے مخیلے کی جانچ کی گئی، لیکن فوراً ہی یہ حیرت انگیز نتیجہ ظاہر ہوا، کہ وہ سب مخلوط قسم سے تعلق رکھتے ہیں جہاں کہیں ہم کسی خصوصیت کی پیمائش کر سکتے ہیں، وہاں نتیجہ ہمیشہ یہی نکلا ہے ہم افراد کو علیحدہ علیحدہ مجموعوں میں تقسیم ہوتے ہوئے نہیں دیکھتے بلکہ سب کو ایک اوسط کے اعتبار سے پھیلا ہوا پاتے ہیں۔ جو لوگ اوسط کے قریب ہوتے ہیں ان کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے، اور جیسے جیسے انتہاؤں کی طرف بڑھتے جاتے ہیں تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔

اس قسم کے واقعات نے لوگوں کی قسموں کے متعلق نفسیاتیوں میں

شک پیدا کر دیا۔ اسی وجہ سے داخل بیں اور خارج بیں قسموں کے متعلق بھی
۱۸۶ اگر اس سے یہ مراد ہو کہ نوع انسان کے یہ دو گروہ ہیں شک ہوتا ہے۔ ینگ نے ایک حد تک اس دشواری کو تسلیم کیا ہے اور اس نے داخل خارج بیں کا بھی ذکر کیا ہے، جس کی ہوس خارج و داخل دونوں طرف رجوع ہوتی ہے، اور جس کی دلچسپیاں نہ تو زیادہ تر ذات سے وابستہ ہوتی ہیں اور نہ معروض سے۔ نفسیاتیوں نے ینگ کے قسموں کے تصور کو لے کر امتحانات کیے ہیں ایسی میزان پر جس کا ایک سرا داخل بینی کی انتہا ہو اور دوسرا سرا خارج بینی کی، کسی فرد کا پتا چلانے کی کوشش کی ہے اور یہ ممکن بھی معلوم ہوا ہے، اگرچہ یہ تسلیم ہے کہ اکثر افراد اس میزان کے وسط کے قریب آتے ہیں۔

جس طرح سے نفسیاتیوں نے داخل بینی اور خارج بینی کی میزان پر لوگوں کی پیمایش کا کام کیا ہے، وہ داخل بینی یا خارج بینی کے متعلق تا بہ امکان زیادہ سے زیادہ مختلف علامات، یا آثار کے جمع کرنے پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد ہر قسم کی علامات کو شمار کیا گیا ہے، جو ایک فرد سے ظاہر ہوتی ہے، یا جنھیں وہ اپنی تسلیم کرتا ہے۔ اس سے اس قسم کے سوالات کیے جاتے ہیں۔

کیا تم زیادہ تر تنہائی پسند ہو؟
کیا تم دوسروں پر بھروسا کرتے ہو؟
کیا تم مجمع عام میں تقریر کرنا پسند کرتے ہو؟
کیا تم ہمیشہ خاموش اور خاطر جمع رہنا چاہتے ہو؟
کیا تم ایک ہی قسم کا کام پسند کرتے ہو؟
کیا تم فیصلہ کرنے سے پہلے بہت زیادہ سوچتے ہو؟
کیا تم خیالی پلاؤ پکانا پسند کرتے ہو؟
کیا تم شخصی روزنامچہ رکھتے ہو؟
کیا تم جاں بازی کے قصوں کے پڑھنے یا جاں بازی کے کاموں کے کرنے کو ترجیح دیتے ہو؟

اب اس بات کا تصفیہ تم خود کر سکتے ہو کہ ان سوالوں میں سے کس کا جواب

داخل بینی پر مبنی ہوگا، اگرچہ یہ بعض اوقات بالکل ظاہر نہیں ہے۔ خود میری رائے میں داخل بینی اور خارج بینی کی میزان میں جیسا جسے فی الحال استعمال کیا جاتا ہے کم از کم دو متغیروں کو گڈ مڈ کر دیا گیا ہے، اور ینگ کے اصلی بیان میں بھی یہی ہوا ہے۔ ایک متغیر تو فوری اور ظاہری عمل کا میلان ہوگا، اس کے مقابلے میں سوچنے غور کرنے اور شاید خیالی پلاؤ پکانے کا رجحان ہوگا۔ دوسرا متغیر دوسرے لوگوں میں اور معاشری فعلیت میں دلچسپی لینا ہوگا۔ میرے نزدیک دونوں متغیر غالباً ۱۸۷
ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ مثلاً مجھے یقین ہے، کہ ہمیں ایسے لوگ مل سکتے ہیں، جو سوچنے، غور کرنے اور خیالی پلاؤ پکانے پر مائل ہوتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی انھیں معاشری فعلیت سے بھی بہت دلچسپی ہوتی ہے۔ نیز یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں، کہ حکمی مشاہدین موجد میکانیک عموماً داخل بینی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ وہ خارجی اشیا میں منہمک رہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ داخل بینیوں اور خارج بینیوں کے امتیاز میں دو مستقل متغیروں سے زیادہ ملے جلے ہوئے ہوں۔

ینگ نے اپنے نظریۂ قسم کو کئی جہتوں میں ترقی دی ہے۔ وہ فرق کی ایک اور بنیاد بھی تسلیم کرتا ہے، جس کی رو سے افراد کو حسّی قسم، فکری قسم، احساسی قسم اور وجدانی قسم میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے زیادہ دلچسپ شاید اس کا یہ خیال ہے کہ جو اشخاص اپنی شعوری زندگی میں خارج بیں ہوتے ہیں، وہ اپنی غیر شعوری زندگی میں داخل بیں ہوتے ہیں، اور اسی طرح سے اس کا عکس ہے۔ مثلاً ایک داخل بیں کی صورت میں اس کی شعوری روش کے ساتھ ساتھ یا اس کی تہ میں ایک غیر شعوری خارج بینی روش ہوتی ہے، جو خود بخود اس کے شعوری ایک رخے پن کی تلافی کر دیتی ہے ..... جہاں تک اب ہم سمجھ سکتے ہیں غیر شعوری حالت کا، شعور کے بارے میں ایک تلافی کرنے والا عمل ہوتا ہے۔

لاشعور ینگ دوسرے اربابِ فکر کی نظر میں

لاشعور کا تصور ینگ کے نزدیک بھی اتنا ہی اہم ہے، جتنا کہ فرائڈ کے نزدیک۔

اگر کوئی فرق ہے تو یہ کہ ینگ اُسے اور بھی اہم بنا دیتا ہے۔ اس نے شخصی اور مجموعی یعنی نسلی لاشعوری کے مابین امتیاز کیا ہے۔ شخصی لاشعوری ایک حد تک شعوری حالت سے دباؤ کی بنا پر بنتی ہے، جیسا کہ فرائڈ نے کہا تھا۔ لیکن ینگ کے نزدیک اس میں دوسرے تجربات اور علم بھی شامل ہوتے ہیں جو فراموش یا شعور سے
۱۸۸ بے تعلق ہو گئے ہیں، اور ایسا مواد بھی، جو غیر شعوری طور پر حاصل ہوتا ہے اس سے زیادہ اساسی مجموعی لاشعوری ہے، جس سے فرد کی شعوری اور غیر شعوری دونوں قسم کی زندگی ترقی کرتی ہے۔ شاذونادر ہی یہ عمیق ترین لاشعوری خود کو خوابوں یا عصبانیتوں میں ظاہر کرتی ہے، لیکن ایسے اشخاص کے اوہام جو درحقیقت مجنون ہوتے ہیں، بعض اوقات ان بھیانک تصورات اور فکر کے طریقوں کو سطح پر لے آتے ہیں جو نسل کے ابتدائی فکر کے آثار کے مانند معلوم ہوتے ہیں۔

مجموعی یا نسلی لاشعوری موروثی ہوتی ہے، ہر شے کی طرح سے یہ بھی عضویے کی ساخت کی حیثیت سے میراث میں ملتی ہے۔ موروثی دماغی ساخت فرد کو اس طرح سے سوچنے اور عمل کرنے پر مایل کرتی ہے، جس طرح سے نسل ابتدائی زندگی کی لاتعداد پشتوں سے سوچنے اور عمل کرنے کی عادی رہی ہے۔ مجموعی لاشعوری کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے، کہ یہ جبلتوں اولین تصوروں یا اولین نمونوں پر مشتمل ہے جبلتیں عمل کے ابتدائی طریقے اور اولین نمونے ابتدائی طریق فکر ہوتے ہیں لیکن دونوں کو کامل طور پر علیحدہ نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ فکر و عمل خصوصاً زندگی کی ابتدائی صورتوں میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

اولین نمونوں یا اولین تصوروں کے نظریے کو خلقی تصورات کے نظریے سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے، جسے عرصہ ہوا کہ چھوڑا جا چکا ہے۔ مجموعی لاشعوری میں صحیح معنیٰ میں تصورات نہیں ہوتے۔ بلکہ تصورات جیسی صاف ترشی ہوئی شے تو کوئی ہوتی ہی نہیں۔ بلکہ اس میں فطری طریق فکر، کم سے کم مزاحمت کے خطوط، اور تصورات کے ایسے رجحانات ہوتے ہیں، جو فکر کی ابتدائی صورتوں کی طرف مایل ہوتے ہیں خوابوں، بچوں کے رات کے ڈر اور مجنونوں کے اوہام اور دھوکوں، اور تندرست آدمیوں کی حالت بیداری میں بھی اس وقت جب کہ کوئی شے اچانک ہم کو

آلیتی ہے مثلاً زلزلے میں فطری اعمال کے نئے حاصل کیے ہوئے تصورات رخصت ہو جاتے ہیں، اور ہم غیر متمدن زمانے کے انسان کی طرح سے ارواح پرستی کا خیال کرنے لگتے ہیں یا ہمدردانہ سحر، بھوت پریت، پریوں، جادوگریوں، اژدہوں اور شیطانوں کا خیال کرنے لگتے ہیں، باپ ماں اور بچہ، مرد و عورت، نسل، نشوونما و انحطاط، یہ
قدیم واقعات ہیں، جنھوں نے نسلی فکر کو اس قدر متاثر کیا ہے، کہ یہ اس زمانۂ فکر ١٨٩
میں علامات کے طور پر بار بار ظاہر ہوتے رہتے ہیں ہم ان کی طرف آسان اور توجیہی تصورات کی حیثیت سے مایل ہوتے ہیں، اور ایک قوم کی پیدایش اور ایک کے انحطاط کا اس طرح سے ذکر کرتے ہیں، کہ ان کے استعاری ہونے کا خیال تک نہیں آتا۔ بعض اولین نمونوں، مثلاً توانائی کو حکمی فکر نے اپنا لیا ہے اور فرد کی ذہنی صحت کے لیے اپنے بعض نسلی اولین نمونوں سے واقف ہونا اسی قدر مفید ہوتا ہے، جس قدر کہ اپنی بعض جبلتوں سے واقف ہونا، اور ان کو اپنے شعوری فکر و عمل میں مربوط کرنا۔ خرافات اور قدیم ترین رواجوں کا مطالعہ بھی تحلیلی نفسیات کے لیے اس روشنی کے لحاظ سے جو اس سے مجموعی لاشعوری پر پڑتی ہے، قابل قدر ہوتا ہے۔

لاشعور کے متعلق ینگ کے بعض بیانات حیرت انگیز ہیں، اور ان سے لاشعوری کے اس تصور کے علاوہ جس کو ہم بیان کرتے آئے ہیں کسی اور تصور کا پتا چلتا ہے۔ اس قسم کی عبارتوں سے جیسی کہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں آخر ہم کیا سمجھیں؟[١]

"شعوری حالت صرف ان تصوری گرہوں پر مشتمل ہوتی ہے جو براہ راست الیغو سے تعلق رکھتی ہیں..... زندگی کے ابتدائی برسوں میں اول تو کوئی شعوری حالت مشکل ہی سے ہوتی ہے، اگرچہ نفسی اعمال کا وجود بہت ہی ابتدا سے ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ لیکن ان اعمال کا تمسک ایک منظم الیغو سے نہیں ہوتا۔ یہ کوئی مرکزیت نہیں رکھتے اس لیے تسلسل سے بھی خالی ہوتے ہیں جس کے بغیر شعوری شخصیت ناممکن

---

[١] سی، جی، ینگ Collected papers of Analytical Psychologg
١٩٢٨ء صفحہ ٣١٥۔

ہوتی ہے ...... صرف جب بچہ "میں" کہنا شروع کرتا ہے، اس وقت شعور میں قابل ادراک تسلسل ہوتا ہے۔

اب اگر ہم سے یہ پوچھا جائے کہ اگر مدرسے نہ ہوں اور بچوں کو کلیتہً ان کی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو کیا ہوگا، تو ہمیں اس کا یہ جواب دینا چاہیے کہ بچے بڑی حد تک بے شعور رہیں گے......

بچہ لاشعوری اور جانور جیسی حالت سے شعور تک ترقی کرتا ہے۔ شروع میں قدیم زمانے کے انسان کا سا شعور ہوتا ہے، اور رفتہ رفتہ متمدن شعور پیدا ہوتا ہے۔ زندگی کے پہلے دو یا تین سال میں جب بچے کو اپنے آپ کا شعور نہیں ہوتا، اس کی جو حالت ہوتی ہے، اس کو حیوانی حالت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔"

یہ سن کر حیرت ہوتی ہے، کہ بچے کو اپنا اس وقت تک شعور نہیں ہوتا جب تک ۱۹۰
وہ اپنے آپ کو "میں" نہیں کہنے لگتا۔ اس کے معنیٰ تو شعور کے زمانے کو واٹسن سے زیادہ موخر کر دینے کے ہیں، کیوں کہ وہ تو اسے گویائی سے متعلق کہتا ہے، اور اسی وجہ سے ایسے بچوں سے شعور کے منسوب کرنے سے انکار کرتا ہے، جنھیں ابھی بولنا نہیں آیا۔ اگر چند ماہ یا دو سال کا بچہ بے ہوش ہوتا ہے، تو یہ ان معنیٰ میں بے ہوش نہیں ہوتا جن معنیٰ میں ایک مریض کلوروفارم کے زیر اثر بے ہوش ہوتا ہے۔

لاشعوری بھی شعور کے مختلف استعمالوں میں شریک ہے، جس کے معنیٰ ایک شے کے شعور، یا شعور ذات، یا محض باشعور یا ہوش یا بیداری کی حالت کے ہوتے ہیں۔ ٹچنر اگرچہ نہایت ہی سرگرم تالی ہے، مگر اس نے شعور کے استعمال کو ترک کر دیا تھا، کیوں کہ اس نے دیکھا کہ اس کو ایک محدود و متعین معنیٰ میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ لاشعوری کے ایک عام معنیٰ جو شاید ینگ کے ان معنیٰ سے قریب تر ہیں، جو اوپر کے اقتباس میں ہیں، فقدان بصیرت یا پہلے سے غور کر لینے کے فقدان کے ہیں، جو ہر شخص کے بیشتر افعال کی خصوصیت ہے۔ ہم ایک عمل کو اس وقت غیر شعوری کہتے ہیں، جب کرنے والا اس کی تحلیل نہیں کرتا۔ ممکن ہے اس نے اپنے عمل کے محرکات یا ان کے نتایج کی تحلیل نہ کی ہو۔ اس طرح سے ممکن ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر کسی کو نقصان پہنچا رہا ہو، یا نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہو، ممکن ہے کہ وہ شعوری طور پر کسی شخص کی

امداد کی کوشش کرتا ہو، مگر ایک شخص کی مدد کرنا، اس کی کمتری ثابت کرنے کی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ محرکات ایسے مرکبوں کی صورت میں آتے ہیں کہ اکثر ان کی تحلیل کرنا مشکل ہوتا ہے، لہذا وہ علیحدہ علیحدہ محرک جو ایک فعل سے ینگ، فرائڈ یا آڈلر تحلیل کرکے نکالتے ہیں، وہ اس معنی میں فعل کے عامل کے لیے غیر شعوری ہوتے ہیں۔ اس معنی میں بچہ غیر شعوری طور پر عمل کرے گا، اگرچہ شاید اس سے زیادہ غیر شعوری طور پر نہیں، جتنا کہ ایک بالغ آدمی کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ اس قسم کے ینگ کے معنی ہوں، لیکن اگر خود اسی کی عبارت کو اپنے الفاظ میں بیان کردیں تو شاید اس کے لیے زیادہ اطمینان کا باعث ہوگا۔ بچہ پہلے پہل ماحول پر جبلی یا تسویقی طور پر ردعمل کرتا ہے، اور صرف رفتہ رفتہ ہی نسبۃً مستقل وحدت بنتا ہے۔ اس کے بعد ینگ کہتا ہے کہ چھوٹے بچے کی شعوری حالت گرد و پیش کے حالات سے کامل امتزاج کی سی ہوتی ہے، اور ابتدائی بچپن کا نفس بڑی حد تک نفس مادری کا جزو ہوتا ہے، اور اس کے بعد جلد ہی پدری نفس کا بھی جزو بن جاتا ہے۔ عملاً ان الفاظ کے یہ معنی ہیں کہ عصبی تکلیفیں اور کردار کی دشواریاں چھوٹے بچوں میں والدین کی زندگی سے ناقص تطابق کی علامتیں ہوتی ہیں اور بچے کی امداد کے لیے انھی کی تحلیل اور علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ 191

نفسی مرضیاتی کے لیے لاشعوری محض مدرسی تصور یا ایسا کمی مفروضہ نہیں ہے جسے جانچ کے لیے پیش کیا جائے۔ اس کے نزدیک یہ ایسا آلہ ہے جسے وہ چھوڑ نہیں سکتا۔ رائی، پرنس، فرائڈ، آڈلر، ینگ اور بہت سے دوسرے حضرات سب کے سب اس کی جانب مائل ہیں اور اس کی مختلف طور پر تعریف کرتے ہیں۔ اس سے وہ کونسا حقیقی کام لیتے ہیں۔ میکڈوگل کے بیان کے مطابق انھیں اس کی اس لیے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ شعور کی تنگ حدود سے باہر جاتے ہوئے بھی نفسیاتی اصطلاحات پر جمے رہیں۔ یہ کیوں نہ تسلیم کرلیا جائے کہ شعور سے باہر جتنے اعمال ہوتے ہیں، وہ خالص عضویاتی ہیں، اور ان کا عضویاتی اصطلاحات ہی میں ذکر کیا جائے۔ اچھا ایک بار اس کی کوشش کردیکھو۔ غیر شعوری محرک کا عضویاتی اصطلاحات میں ذکر کرو۔ تمھارا عضویات کا علم کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو تم ایسا نہایت ہی مبہم طریق پر کرسکتے ہو، اور اگر تم اپنے عضویاتی کام کو سنجیدگی کے ساتھ پورا کرنا چاہو، تو تم عصبیوں اور بہت ہی دقیق اور تفصیلی اعمال کی

اصطلاحات میں گفتگو کرنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر جب کبھی تم اس بات کا حوالہ دینا چاہو، تو اس تمام تفصیل کو دہرا نہ سکو گے، اور اس طرح سے تم مجبوراً اپنی نفسیاتی اصطلاح غیر شعوری محرک کی طرف لوٹو گے۔ یہی بات غیر شعوری فکر وغیرہ کے متعلق بھی صحیح ہو گی اگر دار کا کرداری اصطلاح میں ذکر کرنا کسی شخص کو جو کر سکے عضویاتی اصطلاح میں بیان کرنے سے باز نہیں رکھتا۔ تمام نفسیاتی اعمال ساتھ ہی ساتھ عضویاتی اعمال بھی ہوتے ہیں صرف یہ سوال ہوتا ہے کہ بیانی اصطلاحات کے کونسے مجموعے کو تم ان پر عاید کرنے والے ہو۔ ۱۹۲
لاشعوری پر ہم اور غور کر سکتے تھے اور نفسی مرضیاتیوں پر تو ہمارا بیان غیر محدود ہو سکتا تھا لیکن ہم ٹھیر بھی سکتے ہیں اور ایک آخری بات بیان کر سکتے ہیں۔ فرائڈ، آڈلر اور ینگ کے پیروؤں کے علاوہ بہت سے ایسے جنونیاتی ہیں، جو کسی ایک مذہب سے تعلق نہیں رکھتے اور جو سب کے طریقوں اور نظریوں کے اختیار کرنے اور اس طرح سے اپنا ایک علیحدہ نظام بنانے میں کوئی حرج نہیں پاتے۔ چند نفسی مرضیاتیوں نے چالیس سال سے عصبانیت کے ذہنی عاملوں پر جو زور دیا ہے، اس سے جنونیاتیوں کی عام جماعت بہت متاثر ہوئی ہے اب عصبانیتوں کے نفسی الاصل ہونے کا خیال بہت عام ہے اور ایسی نفسی حالتوں میں جیسی کہ عتاہت متبادرہ اور ماینیائی انخفاضی جنون ہیں اس زمانے میں نفسی عاملوں پر زور دینے کا بہت رجحان پایا جاتا ہے۔ اس طرح سے فرائڈ اور ژانے اور دوسرے لوگوں نے اپنے مختلف طریقوں سے جنونیات کی نفسی قسم کو جسمی قسم کے مقابلے میں تقویت پہنچائی ہے اور اس کل ترقی سے نفسیات کو بھی بیحد دلچسپی رہی ہے۔ علاج کرنے والا نفسیاتی جنونیاتی کی طرح سے تحلیل نفسی تحلیلی نفسیات اور انفرادی نفسیات کے بہت سے تصورات کو نتائجی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے، اور اگر ان میں سے کوئی بچوں کے علاج کے مسئلے میں اچھی طرح سے کام دیتا ہے، تو خوش ہوتا ہے۔ مدرسی نفسیاتی بھی چوں کہ کسی حد تک خود اپنے میدان میں نتائجی ہوتا ہے، یہ دریافت کرتا ہے کہ آیا "یہ" جیسا تصور جس میں فرائڈ نے ینگ کے مجموعی لاشعور کے تصور کے لیے جگہ رکھی ہے حکمی نظریے کی حیثیت سے مفید کام انجام دے سکتا ہے۔ فی الحال مدرسی نفسیاتی کو یہ دلچسپ نظریے اور تصورات ایسے ہالے سے گھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جو قریب تر مشاہدے پر علامت سوال کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

باب ۶

مقصدیت یا اقتضائی نفسیات

جس طرح سے موجودیت حس کو کرداریت جسمانی حرکت کو اور تشکیلی نفسیات ادراک کے نمونوں کو نفسیات کا اساسی واقعہ قرار دیتی ہے اسی طرح سے، ایک ایسی نفسیات بھی ہے، جو آغاز بحث مقصد کے واقعے سے کرتی ہے۔ انسانی فعلیت سے یہ اور شاید ان کے علاوہ اور بہت سے مختلف پہلو ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ دیکھ کر تعجب نہیں ہونا چاہیئے کہ ان میں سے کوئی ایک پہلو کسی نفسیاتی کی خاص دلچسپی کا موجب ہو اور وہ اپنا نفسیاتی نظام فعلیت کے اسی خاص رخ پر تعمیر کرے، جو اسے سب سے زیادہ اہم معلوم ہو۔

واقعۂ مقصد

انسانی مقصد کے واقعے سے انکار نہیں ہوسکتا۔ وہ نفسیاتی جو اسے نفسیات سے خارج کر دینا چاہتے ہیں، خود بہت بامقصد افراد ہیں۔ کوئی شخص ٹچنر کا مطالعہ

کرتے وقت یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ ایک صاحب مقصد شخص کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ مقصد، معنی اور قدر کو صرف اس لیے خارج کر دینا چاہتا ہے، چوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ نفسیات صرف اسی طرح سے معمولی بیان کی سطح تک نیچے آسکتی ہے اپنے مقدمے کو ختم کرتے ہوئے، وہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے، کہ قابل حصول معطیات سے کام لیتے ہوئے موجودیتی نفسیات کا کیا مقصد ہونا چاہیے "ہم نفسیاتی معطیات پر ایک نیا نمونہ بھی ثبت نہیں کرنا چاہتے" بلکہ ہم ان سب کو مناسبت کے ساتھ ایسے نمونے میں ترکیب دینا چاہتے ہیں، جس کی ایک حد تک پہلے سے طرح پڑ چکی ہے۔ واٹسن یقیناً ایک بامقصد فرد ہے، اگرچہ اس کی نفسیات میں مقصد کا کوئی کام نہیں۔

"سنہ ۱۹۱۲ء میں حامیان کرداریت نے یہ فیصلہ کیا کہ یا تو نفسیات کو چھوڑ دیں یا اُسے ایک علم طبیعی بنائیں ..... کرداریتی کو انسان کے افعال سے اس سے زیادہ دلچسپی ہے، جتنی کہ محض ایک دیکھنے والے کو ہوتی ہے، یعنی وہ انسان کے ردات عمل کو قابو میں رکھنا چاہتا ہے۔" میں ان مصنفین کے اقتباسات ان پر تناقض کا الزام لگانے کی خاطر پیش نہیں کرتا۔ وہ ان عبارتوں میں انسانوں کی طرح سے بول رہے ہیں، نہ کہ نفسیاتیوں کی حیثیت سے۔ وہ نفسیات بیان نہیں کر رہے ہیں، بلکہ نفسیات کے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن ایک شخص ان کا اقتباس معمولی سمجھ کے واقعے یعنی مقصد کے ظاہر کرنے کے لیے بھی پیش کر سکتا ہے۔ اب یہ بات دوسری ہے کہ اس واقعے کی توجیہ کر کے اسے نظر انداز کر دیا جائے یا اسے نفسیات کا اساسی واقعہ بنایا جائے۔ ۱۹۴

پروفیسر زیڈ وائی کو جو جامعۂ فوہ تان چین کے استاد اور امریکی کرداریتی گروہ کے حامی ہیں، یہ خیال کرتے ہیں کہ ابھی کرداریت نے خود کو روایتی نفسیات کے ذہنیتی تصورات سے آزاد کرنے کے لیے صرف آدھا راستہ طے کیا ہے۔ وہ مقصد کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں، وہ ایک پر زور بیان اور نفسیات میں اس تصور کے استعمال کے خلاف انتہائی مخالفانہ رکش ہونے کی حیثیت سے قابل اقتباس ہے۔

"تصور مقصد محتاط اور تفصیلی تحلیل کا نہایت ہی سست بدل ہے ..... ابتدائی مہیجوں اور مہیجی نمونے کے زیادہ اچھی طرح سے سمجھ میں آجانے، عضویاتی واقعات کے بہتر علم، اور کرداری تاریخ کے متعلق واضح تر بصیرت سے تصور مقصد (اب وہ جس قسم کا بھی ہو)

آخر کار مٹ جائے گا...... کردار یتی کا فرض ہے کردار کو ٹھیک اسی طرح سے بیان کرے جس طرح سے طبیعیاتی مشین کی حرکت کو بیان کرتا ہے۔ یہ انسانی مشین اس وجہ سے ایک خاص طریق پر عمل کرتی ہے کہ ماحولی مہیج نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے......

تصورِ مقصد کی تردید سے حیوانوں میں آزمایش وخطا سے سیکھنے کے مروجہ نظریے کی تردید بھی ہو جائے گی، کیوں کہ یہ نظریہ اس خیال پر مبنی ہے، کہ حیوان کا ایک مقصد ہے

195 یا یہ ایک مسئلے کے حل کرنے کے لیے کوئی کوشش کر رہا ہے...... اگر ہم اس خیال کو تسلیم کریں، کہ حیوان کی ہر حرکت انفعالی اور ماحولی مہیجوں کی بنا پر ہوتی ہے...... تو آزمایش وخطا کے اس تصور کو چھوڑنا ضروری ہوگا...... مقصد کا تصور اختیار کرنے والے کو پہلے سے ہوتا ہے، یا یوں کہو کہ مقصد اختیار کرنے والا پیدا کرتا ہے خود جانور کا نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور نہ کوئی منتہیٰ...... ایک فعل کا کامیاب یا ناکام ہونا اختیار کرنے والے کے مقصد پر مبنی ہوتا ہے۔ معروضی نقطۂ نظر سے ایک فعل اتنا ہی کامیاب یا اتنا ہی ناکام ہوتا ہے جتنا کہ دوسرا۔"

یقیناً کو ایک بامقصد فرد کی طرح سے کہہ رہا ہے، بلکہ وہ تو یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اختیار کرنے والے کا مقصد ہو سکتا ہے، لیکن جس جانور پر اختبار ہوتا ہے، اس کا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا، اور نہ اس انسان کا جس کا ماہرِ نفسیات مطالعہ کرتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر مقصد کو ہمارے فہمِ عام کے عالم میں تو رہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے، لیکن اس کا نفسیاتی مطالعے کے میدان سے خارج کر دینا ضروری ہے۔ اس کے اخراج کے لیے جن وجوہ پر زور دیا جاتا ہے، وہ یہ ہیں کہ یہ معروضی تصور نہیں، بلکہ ذہنی ہے۔ نیز یہ تصور بے ڈھنگا اور غیر تحلیل شدہ ہے، اور اسے زیادہ تفصیلی اور عضویاتی بیان کے لیے جگہ خالی کر دینی چاہیے۔

پس مقصد خود کو ایک واقعے کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، اور سوال یہ ہے کہ اس پر کس طرح سے بحث کی جائے۔ ہم اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنے سے انکار کر سکتے ہیں، ہم اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتے ہیں، اور ٹکڑوں کو محفوظ رکھ سکتے ہیں، ہم اسے نفسیاتی واقعات کے معاشرے میں داخل کر سکتے ہیں، اور وہاں اس کے لیے ایک جگہ تلاش کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں، اور ہم اسے نفسیات کا بادشاہ بھی بنا سکتے ہیں، اور اپنے اور

سب واقعات کو اس کے ماتحت کر سکتے ہیں۔ اگر ہم آخری صورت اختیار کریں تو ہم مقصدیتی کہلائیں گے۔

عام طور پر جس طرح سے ہم مقصد کی اصطلاح کو استعمال کرتے ہیں، اس سے دو واقعے مترشح ہوتے ہیں، جو ہمیشہ ایک ساتھ نہیں ہوتے۔ اس سے ایک خاص عمل کے نتیجے کی پیش بینی مترشح ہوتی ہے، اور اس سے اس نتیجے کی خواہش کا بھی پتا چلتا ہے۔ مثلاً ایک خاص حالت میں ہوا باز کو یہ پیش بینی ہو سکتی ہے کہ وہ درخت سے ٹکرا جانے والا ہے، لیکن یہ اس کا مقصد نہیں ہوتا۔ بھوکا بچہ روتا اور ادھر اُدھر ہاتھ مارتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُسے سیری کی حالت کی پیش بینی ہوتی ہے جس کے لیے یہ
کوشش کر رہا ہے۔ مقصدیت کے معنی کوشش یا جدوجہد کی اولیت کے ہیں، نہ کہ ۱۹۶
پیش بینی کی اولیت کے۔ بعض اوقات مقصد کے بجائے اقتضا کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اور مقصدیت کا نام اقتضائی نفسیات رکھ دیا جاتا ہے۔

میکڈوگل کا مقصدیت کی اشاعت کرنا

وسیع معنی میں اقتضائی نفسیات فرائڈ، آڈلر اور شاید تشکیلی نفسیات پر بھی حاوی ہے، لیکن ایک جماعت ایسی ہے، جو ذہنی نفسیات کو مقصد کے واقعے پر اس قدر تعین کے ساتھ مرکوز کرتی ہے، کہ ہم اُسے مقصدیتی مذہب کے نام سے موسوم کہہ سکتے ہیں۔ اس مذہب کا سب سے بڑا سرگروہ ولیم میکڈوگل (پیدائش ۱۸۷۱ء) یہ پہلے کیمبرج لندن اور آکسفورڈ میں رہا ہے، اور حال ہی میں ہارورڈ اور ڈیوک کی جامعات میں تھا۔ میکڈوگل کی ابتدائی نفسیات نے اپنی شکل ۱۹۰۸ء میں اختیار کی تھی، اور اس اعتبار سے یہ ان مذہبوں میں سب سے پرانا ہے، جن پر ہم غور کر رہے ہیں۔ سوائے موجودیت اور فرائڈ کی تحلیلِ نفسی کے۔ غالباً میکڈوگل شروع میں فرائڈ سے متاثر نہیں ہوا، کیوں کہ اُسے اس وقت غیر معمولی نفسیات سے نہیں بلکہ معاشری نفسیات سے دلچسپی تھی۔ حال ہی میں اس نے فرائڈ کے اقتضائی نفسیات کے پیشرو ہونے کا اعلان کیا ہے، حالانکہ خود کو ایسے نظام سے

والبستہ رکھا ہے، جو فرائڈ کے نظام سے بہت مختلف ہے۔

ابتداً اختیاری اور عضویاتی نفسیات پر بہت ہی اہم کام کرنے کے بعد میکڈوگل نے ۱۹۰۸ء میں معاشری علوم کے لیے نفسیاتی بنیاد فراہم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کی کتاب مقدمہ معاشری نفسیات ہمارے زمانے کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کی تصنیف ہے۔

اس زمانے سے پہلے نفسیات نے معاشری علوم کے لیے مفید ہونے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی تھی، بلکہ ہر عمرانیاتی یا مورخ یا معاشیاتی کے لیے یہ بات چھوڑ دی تھی کہ اپنے استعمال کے لیے نفسیات ترتیب دے لیں۔ یہ امر کہ یہ ترتیب دی ہوئی نفسیاتیں بے ڈھنگی تھیں درحقیقت حکمی نفسیاتیوں کا تصور تھا، جنھوں نے اس امر پر غور کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی تھی، کہ وہ خود کس طرح سے ایسی نفسیات مہیا کرسکتے ہیں، جو معاشری مسایل پر روشنی ۱۹۷ ڈالے۔ حکمی نفسیات عقلی اعمال کے مطالعے، حس حافظے اور قیام عادت میں اس قدر غرق تھی، کہ اس نے مسایل تحریک کو چھوا تک نہ تھا۔ اب معاشری علوم کو ذہنی یا حرکی اعمال سے بحث نہ تھی۔ لیکن یہ کردار انسانی کے محرکات کو جاننا چاہتے تھے، کیا انسانوں نے گروہوں میں رہنا اور حکومت کی اطاعت کرنا ایک دوسرے کے خوف کی بنا پر شروع کیا تھا، یا انھوں نے بڑی سی بڑی تعداد کی بڑی سی بڑی خیر کے اندازے کی بنا پر ایسا کیا تھا، یا محض جمود اور تقلید کی بنا پر۔ کیا مذہب، مذہبی جبلت اور سیاسیات سیاسی جبلت کے عمل کا نتیجہ تھے۔ کیا ضمیر خیر و شر کے امتیاز کے لیے خلقی استعداد ہے۔ جن لوگوں کو ان سوالوں کے جوابات کی ضرورت تھی، انھوں نے وہ جوابات اختیار کر لیے جو انھیں سب سے بہتر معلوم ہوئے، اور نفسیات دوسری طرف چلی گئی۔

اس طرح سے میکڈوگل کی بغاوت مقررہ نظام کے خلاف دو طرح کی تھی۔ اول تو وہ اس بے ڈھنگی نفسیات پر معترض تھا، جو اُسے معاشری علوم میں ملتی تھی۔ دوسرے وہ نفسیات کی یک رُخہ عقلیت پر معترض تھا۔ اسے اس اعتقاد پر اعتراض تھا، کہ تامل ہی نفسیات کا واحد سچا طریقہ ہے، کیوں کہ جذبے اور محرکات کے عمل کی زندگی ہماری حیاتِ ذہنی کا ایسا حصہ ہے، جو تاملی مشاہدے اور بیان کے لیے سب سے کم مفید میدان پیش کرتی ہے۔ حیوانوں، بچوں اور غیر معمولی بالغوں کے غیر تاملی مطالعوں سے، تحریک کے مطالعے کی سب سے زیادہ امید ہوتی تھی۔ نفسیات کا معقولی رجحان اس مسلکے کا باعث

ہوا تھا کہ انسان کا تمام کردار عقلی اور نتایج کی پیش بینی پر مبنی ہوتا ہے۔ لیکن بعض نتایج بعض کے مقابلے میں کیوں زیادہ پسندیدہ ہوتے ہیں۔ اس کی بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ بعض خواہشات، ضروریات یا تسویقات زیادہ اصلی و اساسی ہوتی ہیں جس طرح سے ہندسے میں ہمیں اپنے استدلالات کو ایسی براہین اوّلیہ پر مبنی کرنا ہوتا ہے، جن کو ہم ثابت نہیں کر سکتے۔ اس طرح سے کردار آخر کار اولین تسویقات کی طرف لوٹتا ہے، جو محض اس وجہ سے غیر عقلی ہوتی ہیں، کہ یہ فرد کے لیے انتہائی اور بدیہی ہوتی ہیں۔ ۱۹۸

ذہنی قوتیں توانائی کا سرچشمہ ہوتی ہیں، یہی قوتیں غایتوں کو سامنے لاتی اور تمام انسانی فعلیت کو قایم رکھتی ہیں۔ عقلی اعمال ان قوتوں کے محض خادم آلات یا وسایل ہیں۔ انھیں ذہنی قوتوں کی صاف طور پر تعریف کی ضرورت ہے اور فرد اور نسل دونوں کے اندر ان کی تعریف کا واضح بنانا ضروری ہے۔ اس سے پہلے کہ معاشری علوم ایک مستحکم نفسیاتی بنیاد پر قایم ہو سکیں لیکن...... نفسیاتیوں نے...... عام طور پر ان اہم مسایل سے، جو معاشری اعتبار سے اور بھی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، عام طور پر غفلت برتی ہے۔"

اگرچہ میکڈوگل نے جبلتوں پر جو زور دیا تھا، وہ نیا تھا، لیکن ڈارون، جے۔ ایچ۔ اسٹانڈر اور ولیم جیمس نے انسانی جبلتوں کے متعلق جو بحثیں کی تھیں ان میں میکڈوگل کو قابلِ قدر مقدمات مل گئے تھے۔ جیمس نے لکھا تھا۔

"یہ بات عام طور پر سننے میں آتی ہے کہ انسان اور ادنیٰ حیوانات میں یہ فرق ہے کہ انسان میں جبلتیں تقریباً کلیتہً مفقود ہیں، اور ان کے کام کو عقل نے سنبھال لیا ہے.... اس میں شک نہیں کہ ہمیں لفظی جھگڑے سے بچنا چاہیے، اور معاملے کے واقعات درحقیقت کافی طور پر واضح ہیں۔ انسان میں اس سے کہیں زیادہ مختلف تسویقات پائی جاتی ہیں، جتنی کہ کسی ادنیٰ حیوان میں ملتی ہیں، اور ان تسویقات میں سے کوئی ایک بجائے خود اتنی ہی کور ہے، جتنی کہ ادنیٰ ترین جبلت ہو سکتی ہے، لیکن انسان اپنے حافظے اور قوت فکر اور قوت انتاج کی وجہ سے، ان کے نتایج کا تجربہ کرنے کے بعد..... ان نتایج کی پیش بینی کے سلسلے میں محسوس کرنے لگتا ہے۔"

میکڈوگل عزم کے ساتھ کردار انسانی کی نفسیاتی تحریک کو ترقی دینے کے لیے مصروف ہو گیا۔ اصلی محرکوں کی حیثیت سے اس نے انسان کی جبلتوں کو لیا۔ اس نے اپنی توجہ محض

جبلی حرکات ہی پر قایم نہیں رکھی' او ہربرٹ اسپنسر کے اس تصور کو قبول نہیں کیا، کہ جبلت اضطراری حرکات کا ایک سلسلہ ہے۔ میکڈوگل کے لیے جبلت محض میکانیکی حسی حرکی
عمل نہیں ہے۔ اس نے یہ دیکھا کہ فہم عام اکثر جبلت کو جذبے کے ساتھ ربط دیتا ہے۔ ۱۹۹
مثلاً خوف کو جبلت بھی کہہ سکتے ہیں اور جذبہ بھی کہہ سکتے ہیں' اور اسی طرح سے استعجاب اور دوسری چیزوں کے متعلق۔ اسے خاص صورتوں میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ جبلت کا مغز جذبہ ہے۔ فہم عام جس چیز کو جذبے سے مشکل ہی سے ممیز کرتا ہے وہ طلبی یا جہدی عنصر ہے' یعنی ایک خاص مقصد یا منتہی کی تسویق۔ چنانچہ خوف میں بچ نکلنے کی تسویق اور غصے میں مخالف کو نقصان پہنچانے کی تسویق داخل ہوتی ہے۔ پس جبلت ذہنی بھی ہوتی ہے' اور حرکی بھی' اور مزید یہ کہ حسی رخ پر یہ مہیج کے انفعالاً لے لینے ہی پر مشتمل نہیں ہوتی، بلکہ یہ جو چیز ہیجان پیدا کر رہی ہے' اس کے ادراک کر لینے اس کی طرف توجہ کرنے اور اس کے ادراک کرنے پر بھی مشتمل ہوتی ہے۔

پس میکڈوگل کے لیے جبلت اصلی محرک اور خلقی سرچشمۂ عمل۔ یہ محض کسی خاص مہیج اور خاص حرکت کے مابین بغیر سیکھا ہوا ربط ہی نہیں ہوتا۔ وہ اس کی تین بڑے حصوں یا پہلوؤں میں تحلیل کرتا ہے۔

"(۱) اخذ پہلو پر یہ ایک خاص مہیج کے دیکھنے کا رجحان ہوتا ہے جو فعلیت کو برانگیختہ کرتا ہے۔

(۲) عملی پہلو پر یہ بعض حرکات کے کرنے یا صورت حال میں بعض تبدیلیاں عمل میں لانے کا رجحان ہوتا ہے۔

(۳) اخذ اور عملی پہلوؤں کے درمیان جذبہ ہوتا ہے' جو جبلت کا مغز ہے۔

مثلاً جبلت خوف یا بچ نکلنے کی جبلت مشکوک اشیا پر توجہ کے قایم کرنے جذبۂ خوف تسویق گریز اور ان بہت سی مختلف قسم کی حرکتوں پر مشتمل ہوتی ہے' جن سے اس تسویق پر عمل کیا جاتا ہے۔

یہاں پر میکڈوگل کی جبلتوں کی فہرست بھی اگر دے دی جائے تو بہتر ہوگا۔ اس سے کچھ تو اس کی اقتضائی نفسیات اور فرائڈ، ینگ یا آڈلر کی نفسیاتوں کا فرق ظاہر ہو جائے گا' جو بالعموم دو جبلتوں یا جبلتوں کے دو مجموعوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ہیں جبلتوں کی بڑی فہرست

بیان کرتا ہوں، جو میگڈوگل نے اپنی نسبتہً جدید تصنیف خاکۂ نفسیات Outlines of Rsychology میں درج کی ہے۔"

۲۰۰ "خطرے سے بچ نکلنے کی جبلت جس کے ساتھ جذبۂ خوف ہوتا ہے۔
مقابلے کی جبلت، جس کے ساتھ جذبۂ خوف ہوتا ہے۔
نفرت و حقارت۔
بچوں کی حفاظت کی والدینی جبلت، جس کے ساتھ نرمی و محبت کا احساس ہوتا ہے۔
مصیبت پر جبلی طور پر شور مچانا اور واویلا کرنا، جس کے ساتھ لاچاری کا احساس ہوتا ہے۔
تعلقات جنسی یا جنسی جبلت، جس کے ساتھ جنسی جذبہ ہوتا ہے۔
استعجاب اطاعت جس کے ساتھ احساس عاجزی ہوتا ہے۔
ادعائے نفس، جس کے ساتھ تفوق کا احساس ہوتا ہے۔
ہمجنسوں کی صحبت کی تلاش (گلّے والی جبلت) جس کے ساتھ تنہائی کا احساس ہوتا ہے۔
غذا تلاش کرنے کی جبلت، جس کے ساتھ غذا کی اشتہا ہوتی ہے۔
ذخیرہ کرنے اور جوڑنے کی جبلت جس کے ساتھ ملکیت کا احساس ہوتا ہے۔
تعمیری جبلت، جس کے ساتھ تخلیق کا احساس ہوتا ہے۔
ہنسی، جس کے ساتھ دلچسپی اور تفریح کا احساس ہوتا ہے۔"

اور چھوٹی چھوٹی جبلتیں بھی ہیں، مثلاً چھینکنا، کھانستا یا پاخانہ و پیشاب، جو معاشری زندگی میں کوئی بڑا کام انجام نہیں دیتیں، اگرچہ ان کے ساتھ جو تسویق و احساس ہوتے ہیں وہ بعض اوقات آنی طور پر بہت قوی ہوتے ہیں لیکن میگڈوگل کی رائے میں بڑی جبلتیں بڑا کام انجام دیتی ہیں، اور وہ سب اصلی محرک مہیا کرتی ہیں جو خاندان، معاشری گروہ بندی، جنگ، مذہب، اور باقی تمام معاشری فعلیتوں کی توجیہ کے لیے ضروری ہیں۔ جبلتوں کو خود فرد اکتساب نہیں کرتا، بلکہ یہ اُسے میراث میں ملتی ہیں۔ یہ اس کی تمام فعلیت کے اصلی سرچشمے ہیں۔ ان کے بغیر اس کی عقلی اور حرکی مشین کی حالت ایسے

کارخانے کی سی ہوگی جس کا سلسلۂ قوت قطع کردیا گیا ہو۔ انسانی مشین انفعالی ہوگی یعنی محض ان مہیجوں سے چلے گی جو اتفاقاً اس سے ٹکرا جائیں گے اضطراری عمل بظاہر اسی طرح سے وقتیہ مہیج سے ہوتا ہے۔ لیکن جس چیز کو ہم کردار کہتے ہیں، وہ اضطراری حرکات کے مجموعے سے مختلف ہوتا ہے۔ کردار سے حسب ذیل خصوصیات ظاہر ہوتی ہیں۔ ۲۰۱

(۱) اس سے کسی حد تک از خودی اور ماحول کی آزادی کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ماحول پر ردعمل کرتا ہے۔

(۲) اس سے ایسی فعلیت کی راہ میں، جو ممکن ہے کسی آنی مہیج کی بنا پر شروع ہو گئی ہو، لیکن جو اس مہیج کے ختم ہونے کے بعد جاری رہتی ہو، استقلال کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک لمحی شور کے بعد خرگوش کا اپنے بل کی طرف کھسک جانا اس کی مثال ہے۔

(۳) ثابت قدمی کے ساتھ حرکی کردار میں بہت کچھ تغیر ہوتا ہے۔ اگر رکاوٹ پیش آتی ہے تو چکر کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے، اور اسی مقصد تک اس طرح سے پہنچا جاتا ہے، جیسے کہ رکاوٹ تھی ہی نہیں۔

(۴) جب ایک خاص نتیجہ حاصل ہو جاتا ہے تو متغیرہ فعلیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً بلی درخت کی طرف دوڑتی ہے اور تنے پر چڑھتی ہے پھر آرام کے ساتھ ایک شاخ پر بیٹھتی اور کتے کو دیکھتی ہے۔

(۵) اکثر کردار کا پہلا حصہ ایسی حرکات پر مشتمل ہوتا ہے، جو جانور کو اگلی منزل کے لیے تیار کر دیتا ہے۔ شکار کرتے وقت بلی کا چپکے چپکے گھات لگانا اس کی مثال ہے۔

(۶) اگر وہ صورت حال جس سے کردار کا ایک سلسلہ پیدا ہوتا ہے بار بار ہوتی ہے، تو متغیر کردار ایک خاص صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بیکار حرکتیں حذف ہو جاتی ہیں، مختصر راستے اور دوسری اصلاحیں داخل ہو جاتی ہیں، اور مختصر یہ کہ جانور آزمائش و خطا کے عمل سے سیکھتا ہے۔"

حاصل یہ ہے کہ کردار پر اگر معروضی حیثیت سے غور کیا جائے تو اس سے ایک مقصد کی تلاش کا پتا چلتا ہے، اور وہ کرداریتی جو اس اساسی خصوصیت سے اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں، کردار کے حقیقی طالب علم نہیں کہلا سکتے۔ تلاش مقصد کے لیے محرکات کی ضرورت ہوتی ہے اور اولین محرکات جبلتوں سے مہیا ہوتے ہیں۔

اگرچہ میکڈوگل نے اس طرح سے موروثی جبلتوں پر اساسی محرکوں کی حیثیت سے زور دیا ہے لیکن یہ کہنا بے انصافی ہوگی کہ اس نے تحصیل علم کی اہمیت کو نظرانداز کیا ہے۔ مثلاً غصے اور مقابلے کی جبلت میں دو طریقوں سے اصلاح ہوتی ہے۔ حسی پہلو پر اس میں نئے ہیجوں سے وابستہ ہونے کی بنا پر تغیر ہوتا ہے یعنی احوالی یا مشروط بن جانے سے
۲۰۲ جیساکہ پاولاف نے کہا ہوتا۔ بچے میں غصے کا کردار موجودہ طبیعی رکاوٹ اور اس کی حرکات میں طبیعی مداخلت کی بنا پر ہوتا ہے۔ بعد کو زیادہ لطیف قسم کی مزاحمت یا مداخلت سے جس کا اظہار زبانی احکام یا اور طرح پر کیا جائے غصے کا باعث ہوں گے۔ حرکی یا عملی پہلو پر بھی بہت کچھ علم اور اصلاح معرض وجود میں آتے ہیں۔ غصے کی حالت میں بچے کا ہاتھ پاؤں چلانا، بڑے ہو کر کاٹنے نوچنے بال کھینچنے اور گھونسے مارنے اور مخالف کو زبانی یا اور کسی بالواسطہ طریقے پر ایذا پہنچانے کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔

اس طرح سے میکڈوگل حسی اور حرکی دونوں پہلوؤں پر سیکھنے یا علم حاصل کرنے کے لیے بہت کچھ گنجائش چھوڑتا ہے۔ لیکن اب بھی وہ یہی کہتا ہے، کہ جبلت کا مغز عملاً ہر قسم کے علم یا تجربے کے باوجود وہی رہتا ہے۔ اس جذبی مغز ہی سے جبلت کو تسلسل حاصل ہوتا ہے۔ بچے کا کسی ایسے شخص پر جو ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو، ہاتھ پاؤں مار کر ردعمل کرنا، اور جوان کا ایک اشتعال انگیز خط پر ایسے ذرائع استعمال کرکے ردعمل کرنا جن سے مخالف کو تکلیف پہنچے، سطحی طور پر بہت ہی مختلف افعال معلوم ہوتے ہیں، لیکن جو چیز ان مختلف افعال کو ایک جبلت کے تحت لاتی ہے وہ غصے کا جذبہ اور ایذارسانی کی تسویق ہے جو دونوں میں مشترک ہیں۔

یہی نہیں کہ جبلتیں مذکورۂ بالا طریقوں پر متغیر ہوجاتی ہیں، بلکہ یہ مرکب روشوں یا عواطف میں بھی ترکیب پاجاتی ہیں۔ میکڈوگل جبلتوں کے متعلق کہتا ہے کہ دراصل یہ علیحدہ علیحدہ میلان ہوتے ہیں جو فرد کے تجربے کے دوران میں ترکیب پاجاتے ہیں متعدد جبلتیں ایک ہی شخص شے یا صورت حال سے وابستہ ہوجاتی ہیں اور اس قسم کی ترکیب کے ذریعے سے زیادہ عمر والے بچوں اور جوانوں کے عواطف ترقی کرتے ہیں جب وطن اسی قسم کی عاطفت ہے۔ حب وطن نہ تو جبلت ہے اور نہ اصلی جذبہ۔ وطن ایک سے زاید جبلتوں سے وابستہ ہوجاتا ہے، اور حب وطن کی مرکب عاطفت پیدا ہوجاتی ہے۔ وطن کو

اگر خطرہ ہوتا ہے، تو اس سے خوف محسوس ہوتا ہے، وطن پر اگر کوئی دوسرا حملہ کرتا ہے، تو
غصہ آتا ہے، وطن کی جب دوسرے ملک کے ساتھ رقابت ہوتی ہے، تو اس سے ادعائے نفس
پیدا ہوتا ہے، وطن ہمارے گھر کی حیثیت سے محبت کی قسم کے جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے ۲۰۳
ہمارے وطن کا ائتلاف متعدد جذبوں اور جبلتوں سے ہو جاتا ہے، اور اس طرح سے
حب وطن کی مرکب روش نشو و نما پاتی اور ہمارے کردار میں ایک قوت مسوق بن جاتی ہے
بچے میں افراد کے متعلق جیسے کہ اس کے ماں باپ ہیں اور معاہد کی جانب جیسے کہ مدرسہ اور کلیسا میں ایسے عواطف پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کے اندر مختلف جذبات کے ہیجان کا باعث ہوتے ہیں۔ اس کے اندر خود اپنے لیے ایک عاطفت پیدا ہو جاتی ہے، جو عاطفت خودداری ہے، جس کو میکڈوگل ضبط نفس، اخلاق اور کامیابی میں بڑی اہمیت دیتا ہے۔ یہ عاطفت خودداری زیادہ تر ادعائے نفس اور اطاعت کی دو جبلتوں پر مبنی ہے۔ انسان میں فطرۃً ارادۂ قوت اور اس کے ساتھ ایک توازن پیدا کرنے والی قابلیت بھی ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ دوسروں کی برتری تسلیم کرتا، اور کم و بیش خوش اسلوبی کے ساتھ اطاعت کرتا ہے۔ فرد جو روش خود اپنے متعلق اختیار کرتا ہے اس کے نشو و نما میں بہت کچھ علم کو دخل ہے۔

میکڈوگل اور دوسرے اہل علم نے بالغ زندگی کی مرکب عاطفتوں اور روشوں کے ممکنہ جبلی ذرائع کا پتا چلانے میں بہت کچھ ذہانت صرف کی ہے۔ اس کی رائے میں بالغ آدمی کے کردار میں یہ عواطف براہ راست تحریک پیدا کرنے والے عامل ہوتے ہیں نہ کہ محض جبلتیں۔ وہ یہ نہیں کہتا، جیسا کہ اس کے متعلق بعض اوقات فرض کیا جاتا ہے، کہ تمام کردار انسانی براہ راست جبلتوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بلکہ جو کچھ وہ کہتا ہے یہ ہے کہ کردار ایسے عواطف کا نتیجہ ہوتا ہے، جو جبلتوں سے بنے ہوتے ہیں، اور جن میں اب بھی جبلتوں کی جذبی اور تسویقی کیفیت ہوتی ہے۔ کردار خالص عقلی ملحوظات کا نتیجہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ محبتوں، نفرتوں، دلچسپیوں، سرگرمیوں، رقابتوں اور جوشوں کا نتیجہ ہوتا ہے، جن سب میں وہ جذبی اور تسویقی خصوصیت ہوتی ہے جو انہیں دراصل جبلتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ معاشری کردار اساسی طور پر عقلی ملحوظات پر مبنی نہیں ہے۔ اور نہ کسی ایک معاشری جبلت پر، بلکہ بہت سی یا تمام جبلتوں کی ترکیب پر مبنی ہے۔ جماعت میں رہنے کی جبلت بجائے خود انسانوں کو محض

گروہوں میں مربوط رکھے گی لیکن جب وہ ایک بار گروہوں میں جمع ہوجاتے ہیں تو ان کی تمام جبلتیں معاشری صورت حال
کے مطابق ہوجاتی ہیں، اور عواطف میں مرکب ہوجاتی ہیں جو ہر قسم کی معاشری فعلیت کے لیے قوت محرکہ ہیں۔ ۲۰۴
اس قسم کی نفسیات میکڈوگل نے دُنیا کے سامنے ۱۹۰۸ء میں پیش کی نفسیاتیوں
میں سے اکثر نے اس کو جوش و خروش کے ساتھ لبیک کہا، اور یہ بہت سی بحثوں کا باعث
ہوئی۔ معاشری نفسیات پر نفسیاتیوں نے کتابیں لکھیں، اور یونیورسٹیوں کے نصاب تیار
کیے، اس کی بنا پر نفسیات کے شعبے کے طور پر معاشری نفسیات عالم وجود میں آگئی، حالاں کہ
پہلے اس پر تقریباً کلیتہً عمرانیاتی بحث کرتے تھے۔ علمِ معاشری کے طالب علموں نے بھی اسے
بہت دلچسپی کے ساتھ لیا، اور کچھ عرصے کے لیے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ٹھیک اسی چیز کا
انتظار کر رہے تھے۔ جبلتیں معاشری معاہد کی بنیاد کی حیثیت سے عمرانیاتیوں اور معاشیاتیوں
کی بہت سی کتابوں کا موضوع بن گئیں۔ انگریز معاشیاتی گرہم والاس نے ۱۹۰۸ء میں سیاسیات
میں فطرت انسانی کے موضوع پر کتاب لکھی، اور ۱۹۱۳ء میں بڑی حد تک میکڈوگل کا اتباع
کرتے ہوئے معاشرت کبریٰ کے نام سے کتاب لکھی، اگرچہ وہ اس بات کو پوری طرح سے ماننے
کے لیے تیار نہ تھا، کہ انسان کا فکر کلیتہً ایسی جبلتوں سے جاری رہتا ہے جن کی فہرست میکڈوگل
نے بیان کی تھی۔ والاس اس خیال پر جما رہا کہ عقلیت کی بھی اس معنیٰ میں ایک جبلت ہے کہ
انسان خود عقلیت کی خاطر فکر کرتا، اور عقلیت کی قدر کرتا ہے، اور نہ محض اس وجہ سے کہ
یہ کسی دوسری جبلت کی تشفی کا باعث ہوتی ہے۔ بہر حال والاس نے جبلتوں کو فرد کے
اندرونی مطالبات کی حیثیت سے، یعنی ایسے مطالبات کی حیثیت مان لیا، جنھیں معاشرے
کو پورا کرنا چاہیے، اگر وہ فرد کو مطمئن رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ ہمارا
موجودہ حرفتی معاشرہ زندگی کے ان ابتدائی حالات سے، جن کی جبلتیں مطابق تھیں،
اتنا دور ہوگیا ہے، کہ اب یہ فرد کے جبلی مطالبات کو پورا نہیں کرسکتا۔ حرفت کو میکانیکی
بنا دینے کی وجہ سے یہ مزدور کو اپنے ادعائے نفس کے اظہار کا موقع نہیں دیتا، اور شادی
کی عمر کو موخر کرکے، یہ جبلت جنسی کو ناکام کرتا ہے۔ اس لیے ہمارے جدید معاشرے
میں بہت ممکن ہے کہ فرد کی جبلتیں، شکست خوردہ اور رجحانات گرسنہ ہوں،
اور اس بنا پر وہ بے چین اور عصبانی ہو۔ معاشرے کے اصلاح
کی ضرورت ہے، تاکہ جبلتوں کے لیے فرار واقعی موقع مل سکے یہی راہ فکر ۲۰۵

بعض اور باا ثر مصنفوں[1] نے اختیار کی ہے اور بہت مفید معلوم ہوتی ہے۔

جبلت پر ایک گرم مباحثہ

میکڈوگل کے جبلتوں کے نظریے کی اگرچہ ذرا دیر کے لیے سرگرم پذیرائی ہوئی مگر یہ عمرانیاتیوں کے پیشہ ورانہ تعصب سے ٹکراتا تھا۔ ان کی نظریں معاشری گروہ پر جمی ہوئی تھیں، اور وہ اسی کو مطالعے کا اہم موضوع خیال کرتے تھے، اس لیے وہ فرد کے داخلی مطالبات سے اس قدر متاثر نہیں ہوئے، جتنا کہ غیر مشتبہ واقعات کے ایک اور سلسلے سے ہوئے، جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ فرد کو معاشرے نے ڈھالا ہے۔ فرد اپنی زبان، اپنے اعتقادات، اپنے اخلاق و آداب اور رواجات معاشری ماحول سے حاصل کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اس ذریعے سے اس سے بھی زیادہ حاصل کرتا ہے، کیوں کہ وہ بچپن سے خاندان میں کھیل کے میدان میں، اور مدرسے میں دوسرے لوگوں کے اثر سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ جس چیز کو انسانیاتی گروہ کی شائستگی کہتا ہے، وہ فرد پر عاید کی ہوئی معلوم ہوتی ہے، نہ کہ اس کی ایجاد یا طلب کی ہوئی۔ اگرچہ نفسیاتی کو یہ بات بدیہی معلوم ہو سکتی ہے، کہ معاشرہ افراد سے بنا ہوا ہے، اور ایسے افراد کے مطالبات کو پورا کرنا چاہیے، مگر عمرانیاتی کے لیے اصل واقعہ یہ ہے، کہ معاشرہ کسی خاص فرد سے پہلے سے موجود ہے، اور یہ پیدائش سے لے کر آخر تک فرد کو اپنے مطالبات کے مطابق معیاری بنانے کے لیے عمل کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہم ہمارا کردار یکساں ہوتا ہے، اور یہ انسانوں جیسا ہوتا ہے، مگر اس کا باعث ہماری جبلتیں نہیں،

---

[1] مثلاً اوٹیڈ اپنی کتاب Instructs in Industry ہافٹن ملن اینڈ کو طبع شدہ ۱۹۱۸ء میں سی۔ پارکر اپنی کتاب The Casual Labourer and Other Essays میں۔ پارکر، میکڈوگل کی جبلتوں کی فہرست ہی سے کام نہیں لیتا، بلکہ فرائڈ کے انتقال جذبہ اور آڈلر کے گرہ کمتری، اور تلافی سے بھی۔

بلکہ وہ شائستگی ہوتی ہے، جو ہم میں سے ہر ایک کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ خاص نظریہ عمرانیاتی کا ہے۔

۲۰۶ پس عمرانیاتیوں میں جبلتوں کے نظریے کے خلاف ایک عرصے سے بے چینی کی آگ سلگ رہی تھی، جو ۱۹۲۰ء کے قریب بھڑک اٹھی۔ ایک سب سے بڑا شعلہ ایل۔ ایل۔ برنارڈ کی کتاب جبلت اور معاشری نفسیات کا مطالعہ Instinct A Studu of Social Psychology تھی۔ اس میں جبلت کے متعلق بہت سی مروجہ گفتگو کی لغویت اور معاشرے میں جبلت کے غیر اہم ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔ مصنف کے کام کا ایک حصہ بالکل آسان تھا۔ کوئی سے دو نفسیاتیوں نے جبلتوں کی ایک ہی فہرست بیان نہیں کی ہے۔ بعض نفسیاتی تو سو سے بھی زیادہ جبلتیں مانتے ہیں، اور بعض نے قطع و برید کر کے اور ملا جلا کر تعداد کو دو یا ایک تک گھٹا دیا ہے۔ جزئیات کے بارے میں یہ اختلاف کل تصور کی صحت کے خلاف دلیل بن گیا تھا۔

برنارڈ کی نسبتہً اہم تنقید یہ تھی، کہ عام گفتگو اور نفسیاتیوں میں جن کو جبلتیں کہا جاتا ہے، وہ زیادہ تر سیکھے ہوئے افعال ہوتے ہیں۔ جبلت جنسی، والدینی حفاظت و نگہداشت، ادعائے نفس، اکتساب یا تعمیر کی جبلت کو جس طرح سے ہم انسانوں میں دیکھتے ہیں، یہ افعال کا مرکب و پیچیدہ نظام ہوتے ہیں، جن کو فرد معاشری ماحول کے ساتھ اپنے اتصال و تعلق کی بنا پر حاصل کرتا ہے۔ ان پر قابل میراث اکائیوں کے نشان نہیں ہوتے۔ ایسے مرکزی عنصر کا ذکر کرنا، جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے جذبی ہو، جو ان تمام مختلف افعال کے اندر موجود ہو جنھیں ایک جبلت سے متعلق سمجھا جاتا ہے، برنارڈ کو تصوفی یا مابعد الطبیعیاتی معلوم ہوتا ہے۔ برنارڈ کے خیال کے مطابق جبلتیں ہیں، اور بہت سی ہیں، مگر یہ چھوٹے چھوٹے ابتدائی افعال پر مشتمل ہوتی ہیں، اور ان احاطہ کرنے والے افعال کی طرح سے نہیں ہوتیں جنھیں ہم عام طور پر جبلتیں کہتے ہیں۔ عمرانیاتی اور معاشری اصلاح کرنے والوں کو ان چھوٹی جبلتوں کے وجود کو نہ بھولنا چاہیے، مگر انھیں کوئی اہمیت دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ وہ کام نہیں کرتیں جو میکڈوگل نے ان سے منسوب کیا ہے۔ یہ انسان کے سامنے اس کے مقاصد نہیں لاتیں، اور

اس کے کردار کے لیے توانائی مہیا نہیں کرتیں۔

مقاصد کے سامنے لانے والا، اور فعلیت کے لیے مہیج مہیا کرنے والا تو برنارڈ کی رائے میں ماحول ہے، خصوصاً معاشری ماحول۔ ماحول ہی میں وہ تعمیری عامل ملتے ہیں جو عقل و کردار کے نشو و نما کو قابو میں رکھتے ہیں۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انسان نے بہت سی پشتوں کے دوران میں، اپنے گرد ایک نہایت ہی مصنوعی ماحول تیار کر لیا ہے، جو ان مادی اشیا جنھیں وہ استعمال کرتا ہے، اور ایسے رواجات و معاہدوں دونوں سے مل کر بنا ہے جن کے ذریعے سے منظر پر ہر نئے آنے والے کا کردار منضبط کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان معاشری انتظامات کو فرد کی حیاتیاتی ضروریات کا بھی کچھ نہ کچھ لحاظ رکھنا پڑتا ہے، مگر زیادہ تر فرد کا مادہ نرم ہوتا ہے اور ماحولی دباؤ اس کو ڈھالتے ہیں۔ ۲۰۷

برنارڈ کی کتاب سے چند جملے نقل کیے جاتے ہیں، جن سے اس کا نقطۂ نظر واضح ہو جائے گا[1]

"معاشری علوم میں جبلتوں کے ایسے نظریے کی اہمیت کے متعلق جو معاشری نظریے کے نشو و نما کے لیے بطور بنیاد کے نام دے، دو الگ الگ نقطۂ نظر ہیں۔ مصنفین اور معلمین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے، کہ جبلتیں معاشری کردار کی تحریک میں ثانوی اہمیت رکھتی ہیں..... ان کا دعویٰ یہ ہے، کہ انسان میں جو جبلتیں بھی ہیں، وہ اس قدر ابتدائی اور ایسی حیاتیاتی نوعیت کی ہیں، کہ ان سے اس کے معاشری تطابقات کا تعین نہیں ہو سکتا...... ان کے نزدیک متمدن انسان ایک شایستہ حیوان ہے، جو ایک مصنوعی تعمیر یعنی معاشرے میں رہتا ہے، اور روز بروز اور بھی زیادہ مصنوعی اور غیر فطری بنتا جا رہا ہے، یہاں تک کہ وہ بڑی حد تک انسان کی خلقی تسویقات کو بھی دبا لیتا ہے... مصنوعی یا متمدن حالت میں وہ اپنی کوششوں کے صرف کرنے کے لیے ان سے مختلف معروضات انتخاب کرتا ہے، جو وہ محض خلقی تسویقات یا جبلتوں کے تقاضے سے اختیار کرتا۔

جو لوگ مخالف نظریے کے مؤید ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان اب بھی جبلت کا

---

[1] ایل برنارڈ جبلت وغیرہ (ایلن ان ون سنہ ۱۹۲۴) صفحہ ۲۶ صفحہ ۲۷ - صفحہ ۵/۱

بندہ ہے، اگرچہ اس نے تمدن کی پھیلی ہوئی ضروریات کے لحاظ سے اپنی جبلی تسویقات کو زیادہ تر موثر اور معاشری راستوں میں منتقل کرنا سیکھ لیا ہے .... جبلیہ جن کی نمایندگی نہایت خوبی کے ساتھ میکڈوگل کرتا ہے، اس بات سے مدعی ہیں کہ سیرت یا قالبو کے اندر جو اکتسابی عناصر ہیں، وہ جبلتوں کے تحت قایم ہوتے ہیں۔ ماحولیہ کا دعویٰ اس کا
عکس ہے، اور وہ ماحول خصوصًا نفسی معاشری ماحول میں بنانے والے عامل تلاش ۲۰۸
کرتے ہیں۔"

برنارڈ قطعی طور پر اپنے آپ کو ماحولیہ میں شمار کرتا ہے۔ زیادہ تر وہ یہی کہتا ہے کہ ماحولی دباؤ فرد کے کردار کا تعین کرتے ہیں۔ وہ یہ مانتا ہے کہ فرد بھی بالکل موم نہیں ہوتا اور ماحولی دباؤ درحقیقت مہیج ہوتے ہیں، جو فرد کے ردات عمل کا باعث ہوتے ہیں۔ بظاہر اس کی اور کو کی حیثیت ایک ہی معلوم ہوتی ہے، جو جیسا کہ تمھیں یاد ہوگا یہ کہتا ہے کہ "انسانی مشین ایک خاص طریق پر اس وجہ سے عمل کرتی ہے کہ ماحولی تہیج نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔" صرف فرق یہ ہے کہ برنارڈ خصوصیت کے ساتھ معاشری ماحول پر زور دیتا ہے۔ وہ مقاصد یا محرکات کو اسی قدر بیکار سمجھتا ہے جس قدر کہ کو۔ لیکن کبھی تم برنارڈ کو ایسے انداز میں بولتے ہوئے دیکھو گے جس سے بظاہر اس کا کل معاملہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ دیکھو کہ وہ ماحولی غلبے کے ذیل میں کیا کہتا ہے[1]۔

"خود تمدن بڑی حد تک، تصعیدات اور امتناعات کا ایک نظام ہے۔ ہم اپنی جنگی جنسی ذوایقی یا خوف اور ملنساری کی جبلتوں کو بے لگام نہیں چھوڑ دیتے، اس کے برعکس ان کے اوپر لاتعداد قیدیں تعمیر کرتے ہیں، تاکہ ہم شایستگی کے تار و پود کو فطرت کی طرف لوٹ کر، اور تسویقات پر اندھادھند عمل کر کے برباد نہ کر دیں .... قابو میں رکھنے کا بہترین طریقہ ..... وہ ہے جسے ہم تصعید کہتے ہیں۔ اس میں تسویقات کو ذیلی اور بدلی راستوں کی طرف موڑنا ہوتا ہے .... ہمارے تعمیری ادارے اس موثرترین ضبط کے نظاموں کے مسئلے میں ہمیشہ منہمک رہتے ہیں، اور وہ رفتہ رفتہ.....

[1] ایل۔ ایل برنارڈ An Introduction to Social Psychology
(ایلن اینڈ انون ۱۹۲۶ء) صفحہ ۱۳۸ صفحہ ۱۳۹۔

ایسا نظام اختراع کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو خلقی تسویقات کو شایستگی و تمدن کے بہترین مجرد نصب العینوں کی خدمت پر مجبور کر دیں گے۔ اب ہمارے کردار کے بیشتر حصے کو جبلت نہیں بلکہ ماحول ڈھالتا ہے۔ ماحول اپنے نصب العینوں کی خدمت کے لیے جبلتوں سے بھی کام لیتا ہے۔"

اگر یہ آخری اقتباس برنارڈ کے نقطۂ نظر کو پوری طرح سے ظاہر کرتا ہے، تو مجھے یہ کہنا پڑتا ہے، کہ میں اس کے اور میکڈوگل کے نقطۂ نظر میں کوئی اساسی فرق نہیں پاتا۔ میکڈوگل بلاشبہہ فرد اور معاشرے پر اس کے مطالبات کا نقطۂ نظر اختیار کرتا ہے، اور اس کے برخلاف برنارڈ معاشری منتظم یا مصلح کا نقطۂ نظر اختیار کرتا ہے، جو ان مطالبات کو معاشرے کے فائدے کی خاطر کام میں لانا چاہتا ہے۔ لیکن دونوں ایسی خلقی تسویقات کا ذکر کر رہے ہیں، جن کی جہت بدلی جا سکتی ہے اور جن کو نئے راستے مل سکتے ہیں۔ میکڈوگل تفصیلی طور پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے، کہ معاشری زندگی میں جبلتیں کس طرح سے عمل کرتی ہیں۔ مثلاً وہ لکھتا ہے[1]

"معاشری تنظیم کے ارتقا میں، جنگجوئی کی جبلت کا حصہ بھی کسی سے کم نہیں ہے اور موجودہ زمانے میں یہ بڑے پیمانے پر اجتماعی جذبے اور عمل کے مظاہرے پیدا کرنے میں اور سب جبلتوں سے زیادہ شدت و قوت کے ساتھ عمل کرتی ہے ..... لیکن اس کے اظہار کی صورتیں تمدن کی ترقی کے ساتھ بدل گئی ہیں۔ چوں کہ قانون و رواج کی ترقی افراد کی جسمانی لڑائیوں اور مقابلوں کی ہمت افزائی نہیں کرتی، اور ان کو غیر ضروری بنا دیتی ہے، اس لیے اس کی جگہ اقوام کے اجتماعی مقابلے اور خود قوم کے اندر زیادہ شایستہ قسم کے مقابلوں کی صورتیں لے لیتی ہیں۔"

برنارڈ نے اس عبارت کا، یہ سمجھانے کے لیے کہ اس کی تہذیب کے ذریعے ضبط پیدا کرنے سے کیا مراد ہے اقتباس کیا ہوتا۔ بلاشبہہ یہ صحیح ہے کہ میکڈوگل اس عمل کو معاشری کردار میں برنارڈ کی نسبت زیادہ اہم خیال کرتا ہے۔ برنارڈ کردار کو عادتوں کا

---

[1] ڈبلیو میکڈوگل An Intruduction to Social Psychology
۱۹۰۸ء صفحہ ۲۷۹۔

ایسا نظام خیال کرتا ہے، جو بچپن کی اندھا دھند حرکتوں یا چھوٹی جبلتوں سے احوالی یا مشروط عمل کے ذریعے ماحول کے دباؤ کے تحت بنتا ہے۔ اس لیے بالغ آدمی کے کردار کو دراصل خلقی تسویقات سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہیے۔

عمرانیاتی جبلتوں کے نظریے سے اپنی وابستگی کو چھوڑنے کے لیے تیار رہی تھے۔ میں نے ان کی جبلتوں کے خلاف بغاوت کو پہلے بیان کر کے، اور نفسیاتیوں
کے خلاف بغاوت کو موخر کر کے، کسی حد تک واقعات کے دور کو بگاڑ دیا ہے، نفسیاتیوں ۲۱۰
نے میکڈوگل کے جبلتوں پر بحث کرنے کے طریقے کو کبھی متفقہ طور پر تسلیم نہیں کیا تھا۔ تھارن ڈائک اور واٹسن دونوں نے ان وسیع جبلتوں کے متعلق کہا تھا، کہ یہ اچھی طرح سے ثابت نہیں ہوئی ہیں، اور انھیں خلقی تسویقی قوتوں کے تصور میں کچھ بہت زیادہ جان نظر آئی تھی۔ نفسیاتیوں کے یہاں اصل سوال یہ تھا، کہ کس حد تک مرکب کردار کے نمونے موروثی ہوتے ہیں، اور تحصیل علم پر مبنی نہیں ہوتے۔ اس امر کے متعلق شبہات ہونے لگے تھے، کہ آیا فطرت نے پیچیدہ اعمال کا انتظام رکھا ہے۔ ممکن ہے کہ فطرت نے صرف سادہ حرکات کا انتظام کیا ہو، اور تمام پیچیدہ فعلیتیں اکتسابی ہوں۔ احوالی یا مشروط اضطراری عمل سے یہ خیال ہوتا تھا، کہ اس قسم کا علم غیر ارادی طور پر اور بہت ہی بچپن میں جاری رہ سکتا ہے۔ اس بحث کا نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ نفسیاتی پہلے سے زیادہ جبلتوں کو نکتہ چینی کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں۔

لیکن جبلتوں کے نظریے کی اس تفسیاتی نظر ثانی کو لازمی طور پر مقصدیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ جبلت کے اس مباحثے میں دو مسئلے باہم خلط ملط ہو گئے ہیں۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ کس حد تک کردار کے نمونے خلقی ہوتے ہیں اور کس حد تک انھیں سیکھنا پڑتا ہے۔ اور یہ وہ مسئلہ ہے، جس سے نفسیاتیوں کو سب سے زیادہ دلچسپی ہے، اور یہی وہ مسئلہ ہے جس کے متعلق ان میں وہ نکتہ چینی کی روش پیدا ہو گئی ہے، جس کی بنا پر وہ یہ تسلیم کرنے سے پہلے، کہ کردار کا نمونہ خلقی ہے، اس کا ثبوت چاہتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ خلقی تسویقات یا اصلی محرکات کا ہے۔ میکڈوگل کے نظام نفسیات کو اس سے کوئی خاص نقصان نہ پہنچے گا۔ اگر ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوں، کہ خوف، غصے، محبت، استعجاب، ادعائے نفس اور دوسری جبلتوں کے کرداری نمونے تحصیل و اکتساب

کے ذریعے سے حاصل ہوئے ہیں۔ وہ اپنی مقابلے یا جنگ جوئی کی جبلت سے کسی ترقی یافتہ لڑائی کے عمل کا طالب نہیں ہے، بلکہ اس کے نزدیک تو مداخلت کا غضب آمیز توانائی کے ساتھ مقابلہ کرنے کا میلان کافی ہے۔ اگر انسان اس طرح سے بنا ہوا ہے کہ وہ ایسا
کرتا ہے، اور اس سلسلے میں جو کچھ ذرائع اس کو حاصل ہوتے ہیں، ان سے کام لیتا ہے، ۲۱۱
تو ہم ایک اصلی جنگجویانہ محرک کا ذکر کرسکتے ہیں، جو کردار کی مختلف سطحوں پر بہت سی صورتوں میں عمل کرتا ہے۔

لیکن اکثر نفسیاتیوں کو مسوق قوتوں یا توانائی کے بنیادی ذرائع کی حیثیت سے اصلی محرکات کا تصور ایک قسم کی خرافات معلوم ہوتا ہے جس سے وہ بچنا چاہتے ہیں۔ جبلتیں وجودوں کی حیثیت سے انھیں پرانے زمانے کی استعدادوں کو یاد دلاتی ہیں۔ انھیں اس قسم کے کسی وجودوں یا علیحدہ عاملوں کے وجود پر شک ہے۔ اس لیے نفسیاتیوں کی عام جماعت جنھیں ان کی روش کے اعتبار سے اثباتیتی کہا جاسکتا ہے جبلتوں کے اس تصور سے، جو میکڈوگل نے قایم کیا ہے، بہت کم متاثر ہوئے ہیں، اور وہ جنھیں وجودوں کی طلب ہے، عام طور پر فرائڈ کی دو جبلتوں کی ثنویت یا ینگ کی وحدیتی ہوس سے میکڈوگل کی جبلتوں کی کثرتی فہرست کی نسبت زیادہ خوش ہوتے ہیں، اگرچہ آخر الذکر کردار کے واقعات سے یقیناً قریب تر ہے۔ یہ وجودیتی کو میکڈوگل مفروضوں سے بحث کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے، نہ کہ براہ راست تجربے کے معطیات سے، اور وہ نفسیات کے معاشری استعمال کے بھی ایسے خبط میں مبتلا ہے، کہ وہ خالص نفسیاتی میدان میں مشکل ہی سے ٹھیرتا ہے۔ تشکیلی نفسیاتیوں کو جبلتوں پر کچھ زیادہ اعتراض نہیں ہے، اور ان کے نظام میں تلاش مقصد کو ایک خاص جگہ حاصل ہے، جہاں یہ رخنے کے پر کرنے کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے، اور طبیعی حرکیات سے تعلق رکھتی ہے۔ بحیثیت مجموعی مقصدیت جس کا نمایندہ میکڈوگل ہے فی الحال غیر یقینی حیثیت رکھتی ہے، اور اس کی طرف اتنی توجہ نہیں ہورہی ہے جتنی کہ یہ مستحق ہے۔

مقصدیت کا موجودہ مرتبہ

لیکن میکڈوگل یہ کہتا ہے، کہ حال میں رائے اس کی طرف مایل ہورہی ہے، اور

۲۱۲ اس سے اس کی بہت ہمت افزائی ہوئی ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"پندرہ برس ہوئے کہ امریکی نفسیاتیوں نے تقریباً بلا استثنا نہایت ہی عجیب خصوصیت اور انسانی اور حیوانی فعلیت کے نہایت ہی اہم جزو یعنی تلاش مقصد سے کامل بے پروائی برتی تھی۔ ان کے نزدیک ہر قسم کے جسمانی اعمال اور تجربے کے تمام پہلو ایسے میکانیکی ردات عمل تھے جو مہیجوں کی بنا پر وقوع میں آتے ہیں اور ہر قسم کا علم ان ردات عمل کا ایسا تغیر تھا جو ایک رد عمل کے ائتلاف کے میکانیکی اصول کے مطابق دوسری پر زیادہ ہو جانے کی بنا پر ہوتا ہے...... مگر اب خوش قسمتی سے صورت حال متغیر ہو گئی ہے۔ حیوانی نفسیاتی اس بات کو محسوس کرنے لگے ہیں کہ حیوانی کردار کا ایسا بیان جو اس کی تلاش مقصد کی نوعیت کو نظر انداز کرتا ہو بیکار محض ہے۔ اب وہ مسوقوں، مجموعوں اور محرکوں کے مطالعے میں مشغول ہیں..... تقریباً یہی صورت حال انسانی نفسیات کی مروجہ امریکی تحریرات میں ہے..... تحریک تقریباً کلیۃً نظر انداز ہونے کے بعد اب مرکزی دلچسپی کا مسئلہ بن گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود..... ہم تغیری دور میں ہیں اور انسانی فعلیت کی اس مقصدی نوعیت کو، جس حد تک بھی تسلیم کیا جا رہا ہے وہ جزوی طور پر اور بادل ناخواستہ ہے۔"

مقصدیت کے موجودہ اعتراف اور جزوی اور بادل ناخواستہ اعتراف سے اس کی مراد یہ ہے کہ اکثر نفسیاتی اس بات پر تلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ مقصد کو کسی نسبتہً سادہ شے میں تحویل کر دیں۔ بھوک، پیاس، تکان، غنودگی اور شاید جنسی خواہش کو عضوی ضروریات کہا گیا ہے۔ یہ ایسی نسیجی ضرورتیں یا عضویے کی کیمیاوی حالتیں ہیں، جو اسے ایک خاص قسم کی فعلیت یا عدم فعلیت پر پہلے سے مائل کر دیتی ہیں۔ خوف اور غصہ اسی طرح سے ایسی عضوی حالت سے تعلق رکھتے ہیں "جو ہمدر دانہ اعصاب اور فوق الکلیہ غدود کی افراز کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس طرح سے چند اصلی محرک تو جسم کی عضویاتی حالتوں کے اندر آ جاتے ہیں۔ نفسیاتیوں کو مقاصد یا نیتوں کی اصطلاحوں کو جو روزمرہ کی زندگی میں عام ہیں، اور جن کا ان عضویاتی حالتوں سے بظاہر کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا، سادہ اصطلاحات کے اندر تحویل کرنے میں زیادہ دشواری کا سابقہ ہوا ہے۔ ایک سادہ مثال میں تمھیں ایک خاص مقصد کے لیے کسی شے کی ضرورت ہے اور تم اس کی

۲۱۳ تلاش کرتے ہو، تم اس عمل میں کچھ دیر تک ثابت قدمی سے جمے رہتے ہو، یہاں تک کہ جس چیز کی تمھیں تلاش ہوتی ہے، وہ تمھیں مل جاتی ہے۔ غالباً یہ ثابت قدمی کسی ایسی جسمانی ضرورت کو ظاہر نہیں کرتی جیسے بھوک یا پیاس، لیکن نفسیاتیوں کا خیال ہے کہ جب مقصد کی تلاش کا آغاز ہوتا ہے اور یہ داخلی طور پر مقصد کے حاصل ہونے تک باقی رہتی ہے، تو دماغ یا کل جسم میں کسی نہ کسی قسم کا تطابق عمل میں آنے لگتا ہے۔ اس قسم کی مبہم تجاویز پیش کی گئی ہیں، جن کی غرض یہ ہے کہ مقصد کسی عضویاتی شے میں تحویل ہو جائے، اور مہیج ورد عمل کی نفسیات مقصد کے واقعے پر حاوی ہو اور اس کے نظام میں کوئی نیا مقولہ داخل نہ کرنا پڑے۔

میکڈوگل مقصد کے اس طرح سے جزواً اور با دل ناخواستہ نفسیات میں داخل ہونے پر مطمئن نہیں ہے۔ اب وہ اپنی مقصدی نفسیات کی واضح اور پر زور الفاظ میں تعریف کرتا ہے۔

"میرا کام زیادہ دشوار ہے، اور وہ یہ کہ اس انتہا پسندانہ مقصدی نفسیات کی حمایت کروں جس کا اظہار اقتضا سے ہوتا ہے۔ یہ ایسی نفسیات ہے، جو اس بات کی مدعی ہے، کہ مقصد کی جانب فعلی کوشش نفسیات کی اساسی حقیقت ہے، اور ایسی قسم کا عمل ہے جس کی میکانیکی انداز میں توجیہ نہیں ہو سکتی، اور نہ اس کو میکانیکی سلسلوں میں تحویل کیا جا سکتا ہے۔"

بجائے اس کے کہ میکڈوگل بحث کا آغاز اضطراری اعمال یا ابتدائی حسوں یا کسی بہت ہی سادہ شے سے کرتا، وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے، کہ نفسیات میں کسی بات کی تحقیق کا صحیح طریقہ یہ ہے، کہ معلوم سے غیر معلوم کی طرف بڑھا جائے۔ کردار کے عالم میں، جس چیز کو ہم بہت ہی اچھی طرح جانتے ہیں، وہ مقصدی اعمال ہیں۔ پس ہمیں قطعی طور پر مقصدی کردار کو ایسے کردار کے سمجھنے کے لیے بنیاد بنانا چاہیے جسے ہم اتنی اچھی طرح سے نہیں سمجھتے۔ اصل کردار مقصدی ہوتا ہے۔ مقصد استثنائی یا غیر طبعی صورت نہیں ہوتا جس کی کسی سادہ تر شے میں تحویل کر کے توجیہ کرنی پڑے۔ مقصد کو صحیح معنی میں غیر طبعی نفسیات میں بھی استعمال کر سکتے ہیں، جیسا کہ اقتضائی نفسی مرضیاتیوں، خصوصاً فرائڈ نے کیا ہے، اور مقصد کو حیوانی نفسیات میں لے جا سکتے ہیں، ۲۱۴

اور ایسے تمام کردار پر استعمال کر سکتے ہیں، جو معروضی لحاظ سے تلاش مقصد کی خصوصیت رکھتا ہے۔ نظری طور پر میکڈوگل اقتضائی طبیعیات اور کیمیا کا بھی تصور کرتا ہے، اور اس امکان کا بھی کہ آخری علم ممکن ہے کہ غایتی ہو نہ کہ میکانیکی۔

پس میکڈوگل کے نزدیک ہم نفسیات میں ایسے مقام پر کھڑے ہیں، جہاں سے کئی سمتوں میں راستے پھٹتے ہیں۔ ہمیں اس سوال کا جواب دینا ہے کہ آیا انسان کی ذہنی فعلیت میکانیکی ہوتی ہے، یا غایتی۔ ہمیں اپنے جواب کا انتخاب کرنا ہے، اور اپنی نفسیات کی اسی لحاظ سے رہنمائی کرنی ہے۔ اپنی طرف سے تو مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ میں اس سوال کے اندر کوئی حقیقی اشکال نہیں پاتا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقصد اور پیش بینی صرف اس وقت ممکن ہوتے ہیں، جب ہمیں میکانیکی علت و معلول کا کچھ علم ہوتا ہے۔ کامل ترقی یافتہ مقصدی فعلیت کے لیے مقاصد حاصل کرنے کے واسطے وسایل کے استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور وسیلہ ایک علت ہوتا ہے جس کا مقصد معلول ہوتا ہے۔ ہم ایک خاص فعل کرتے ہیں اور اس کے نتایج کا انتظار کرتے ہیں، جو درحقیقت ہماری مراد ہوتے ہیں۔ ہم آگ پر اسے بجھانے کے لیے پانی کا ایک ڈول ڈالتے ہیں، اور اس عمل میں معلومہ علّی تسلسل پر بھروسا کرتے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پیش بینیاں، اور مقاصد، فطری اعمال کے چشمے میں معلولات کی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں، اور ان کے معلولات بھی اسی چشمے کے اندر ہوتے ہیں۔ بعض نفسیاتی یہ ثابت کرنے کے لیے کہ مقاصد وغیرہ درحقیقت فطری اور کرداری اعمال میں بہت زحمت اٹھاتے ہیں، مگر اس کے باوجود ان کی نسبت کسی قسم کی علّی تاثیر سے انکار کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اس قسم کا تذبذب بے بنیاد ہے، کیوں کہ اگر مقصد فطری اعمال کے عالم سے ایک معلول کی حیثیت سے تعلق رکھتا ہے، تو اس کا اس عالم سے علت کی حیثیت سے بھی تعلق ہے۔

اور نہ مجھے اس میں کوئی خرابی معلوم ہوتی ہے، کہ مقصد کو ایک صحیح واقعے کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے، اور اس کے ساتھ ہی اس کی عضویاتی اعمال میں تحویل کرنے کی کوشش کی جائے، جن میں سے انفرادی طور پر کوئی بھی مقصدی نہیں ہوتا۔ یہ ٹھیک ایک اور ایسی صورت ہوگی، جس میں کل کے اندر ایسے خواص ہوتے ہیں، جو اجزا

میں نہیں ملتے۔ یہ اسی طرح سے لغو نہیں ہیں جس طرح سے گیند پھینکنے کے بعد تمھارا عضو باتی کی طرف مڑنا، اور اس سے یہ کہنا کہ بتایئے اس حرکت میں کن کن عضلات نے حصہ لیا ہے، حالاں کہ ان عضلات میں سے کسی کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے گیند پھینکی ہے۔ مقصد جس طرح سے کہ ہم اس کو جانتے ہیں، صرف مرکب اور پیچیدہ فعلیتوں میں ہوتا ہے، اور اگر ہم ان پیچیدہ فعلیتوں کے تجربے کی اجازت دیں، تو حاصل تحلیل میں مقصد ہرگز نہ ملے گا۔

ینگ کی طرح سے میکڈوگل اقتضائی نظریے کو طبیعیاتی کے نظریۂ توانائی کے ساتھ ربط دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقتضائی فعلیت سے نسیجوں کے اندر توانائی کیمیاوی صورت میں بالقوہ یا مخفی طور پر رہا ہوجاتی ہے.... لیکن یہ واقعات سے تجاوز کرنے، اور علم طبیعی کے مروجہ مفروضات سے محدود ہونے اور تلاش مقصد کے اساسی واقعات سے آنکھیں بند کرلینے سے انکار کرتا ہے۔ پس بظاہر میکڈوگل کسی ایسی خاص اقتضائی توانائی کو نہیں مانتا جو طبیعی توانائی سے مختلف ہو۔

اقتضائی فعلیت کا علم، جیسا کہ میکڈوگل بار بار کہتا ہے، ہم کو ذہنی فعلیت کی حیثیت سے صورت حال کے ادراک نتایج کی پیش بینی، مقصد کی سعی، اور مقصد کے حصول کے بعد تشفی کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ یہ وہ اساسی واقعات ہیں، جنھیں اقتضائی نفسیات نظرانداز کرنے سے انکار کرتی ہے۔ یہ ایک حقیقی واقعے کی حیثیت سے جاننے کو تسلیم کرتی ہے، لیکن عقلیت میں نہیں پڑتی، کیوں کہ اس کا اصلی واقعہ زندہ رہنے اور عامل رہنے کی اندرونی خواہش یا اقتضا ہے۔ کوشش و تشفی کے مان لینے کے بعد اس کے نظام میں قدروں کی جگہ ہوجاتی ہے، اور یہ اخلاقیات اور جمالیات کی فلسفیانہ بحث کے لیے ایک واقعاتی بنیاد مہیا کرتی ہے۔ میکڈوگل کے نزدیک مقصدی نفسیات کا سب سے بڑا فایدہ یہ ہے کہ یہ مقصد کے واقعے کو ان فلاسفہ کے غور و فکر کے لیے مہیا کرتی ہے جو فطرت کی روش کے اصل خطوط کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ کیا فطرت کا عمل خالص میکانیکی ہے، اور ہر نئے واقعے کی جو کچھ پہلے ہوچکا ہے اس سے کامل طور پر توجیہ ہوجاتی ہے، یا فطرت میں مقصدیت کی گنجایش ہے۔ اگر نفسیات مقصد کے واقعے کو ایک اساسی واقعے کی حیثیت سے

پیش کرتی ہے، تو فلسفے کے پاس مقصدیت کی حمایت کرنے میں کوئی نہ کوئی بنیاد ہو جاتی ہے۔ اس طرح سے مقصدیت ان طبیعیاتیوں اور حیاتیاتیوں سے قریبی تعلق رکھتی ہے جو ذرا فلسفیانہ مزاج رکھتے ہیں؛ اور جو حکمت و مذہب کے تعلقات پر از سر نو غور کر رہے ہیں۔ اکثر اہل حکمت کو بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کا میکانکی ۲۱۶
فلسفہ کائنات اور خصوصاً میکانکی فلسفۂ حیات خود اپنے وزن سے ٹوٹ گیا ہے۔ ظہوری ارتقا اس بےچینی کی سب سے معروف علامت ہے۔ میکڈوگل خود تو ظہوری ارتقا یا کسی اور نئے فلسفۂ فطرت کو تسلیم نہیں کرتا، مگر وہ پورے زور شور کے ساتھ مقصد کے نفسیاتی واقعے پر زور دیتا ہے، اور اسے مقصدیتی تعلیل کی حقیقت کے ثابت کرنے کے لیے (ایسی تعلیل جس میں پہلے سے خیال کیے ہوئے مقصد کے لیے کوشش کرنا در واقعات پر حقیقی اثر رکھتا ہے) کافی سمجھتا ہے۔ وہ مقصدیتی تعلیل کو صرف کردار انسانی کے میدان ہی میں نہیں مانتا، بلکہ حیوانی کردار میں بھی مانتا ہے۔ وہ اس تصور کے عضویوں کے نشوونما اور ان کے کردار دونوں پر وسعت دینے کے لیے شدت کے ساتھ مایل ہے۔ اور اگر یہ انفرادی عضویے کی ترقی پر حاوی ہے تو پھر تمام زندہ مخلوق کے ارتقا پر کیوں حاوی نہ ہوگا۔

اس طرح سے میکڈوگل کی مقصدیت نفسیاتی میدان سے بہت آگے بڑھ جاتی ہے۔ اور اس کی تنقیح نفسیاتی کے فرایض میں سے نہیں۔ نفسیاتی فلسفیانہ پہلوؤں پر اسے تسلیم کرنے، رد کرنے یا نظر انداز کر دینے کے لیے آزاد ہے حالاں کہ وہ مقصد اور اس کی تلاش اور جستجو سے جس طرح سے وہ ان کو خود اپنے میدان میں پاتا ہے، پوری طرح سے اور کھلے دل کے ساتھ اپنی نفسیاتی کی جائز آزادی رکھتا ہے۔ میکڈوگل کا مقصدیتی فلسفہ نفسیات سے اسی طرح سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جس طرح سے واٹسن کا برقیلے اور مرکز سے لیے کا فلسفہ۔ اب جب کہ نفسیات نے سخت کشمکش کے بعد غیر فلسفی ہونے کا حق حاصل کر لیا ہے، تو ہمیں اپنی آزادی قایم رکھنے کے لیے ہر آن ہوشیار رہنا چاہیے۔ انفرادی طور پر بلا شبہہ ہر نفسیاتی کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنی نفسیات سے فلسفی مسایل میں کام لے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے، کہ ہم میں سے کوئی یا دوسری حکمتوں میں ہمارے

بھائیوں میں سے کوئی کبھی کوئی تفلسفی بازار میں ذقند بھرنے کے لیے آزاد نہ ہو، اگرچہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھیڑ کے بچے کی حیثیت میں پائے گا، لیکن ہمیں اپنے تفلسف کو نفسیاتیوں کی حیثیت سے اپنے باقاعدہ کاروبار سے الگ رکھنا چاہیے، اور بلاشبہہ اپنے ہمعصر نفسیاتیوں سے اس بات کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ ہماری بیرونی کوششوں میں بھی ہمارا ساتھ دیں۔

باب

وسط شاہراہ

اس تاریخی پس منظر کے علاوہ، جس کو ہم نے ہر نفسیاتی مذہب کے ساتھ بیان کیا ہے، ایک عام معاصری پس منظر بھی ہے، جو وسیع ترین معنی میں ہمارے زمانے کی نفسیات، اس کی گوناگوں دلچسپیوں، اور حکمی و عملی دونوں قسم کے مسایل پر اس کی بے شمار تحقیقوں پر مشتمل ہے۔ اس ہمعصر پس منظر کے اظہار کے بغیر ہماری تصویر میں تناظر کی کمی رہے گی، اور ممکن ہے اس سے اس کام کی نسبت جو ہمارے زمانے کی نفسیاتی سرگرمی کے متعلق مختلف مذہبوں نے انجام دیا ہے، مبالغہ آمیز اثر قایم ہو جائے۔ پس اپنے بیان کو ختم کرنے سے پہلے ہم مذاہب کے تذکرے کو قطع نظر کر کے ہمعصر نفسیاتیوں کی عام جماعت پر ایک نظر ڈال ہی لیتے ہیں۔ ۲۱۸

فرض کرو کہ ہم نفسیاتیوں کا ایک عالمی متقابلہ ترتیب دیتے ہیں، اور دو یا تین ہزار نفسیاتیوں کو ایک میدان میں جمع کرتے ہیں، جس میں کہیں کہیں الگ مذاہب کے حامیوں کے جھنڈے بلند ہوتے ہیں، ایک طرف فرائڈ کا جھنڈا ہے، ایک طرف آڈلر کا جھنڈا ہے، ایک جھنڈا ایگ کا ہے، ایک میکڈوگل کا ہے

ایک تشکیلیت کا ہے، ایک کرداریت کا ہے، ایک موجودیت کا ہے، اور شاید دو یا تین جھنڈے ایسے مذہبوں کے اڑتے ہوں جن کا میں نے ذکر نہیں کیا۔ جب ہر مذہب کے وفادار پیرو اپنے اپنے جھنڈوں کے نیچے جمع ہو چکیں گے، تو میدان کے بیچ میں یا بڑے شامیانے کے نیچے ایک بڑی جماعت ایسی رہ جائے گی، جو مقابلے کا تماشا دیکھنے کے لیے تیار ہو گی۔ اس طرح سے کتنے غیر وابستہ رہ جائیں گے؟ یہ بڑی تعداد ہو گی! مجھے یقین ہے کہ یہ بڑی اکثریت ہو گی۔ ۲۱۹

یہ غیر وابستہ اکثریت ایرے غیرے یا معمولی شخصوں پر بھی مشتمل نہ ہو گی۔ ہمیں یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ زمانۂ حال کی نفسیات کے تمام سرگروہ ہمارے سامنے آ چکے ہیں، اگرچہ ہم ایسے بھی بہت سے لوگوں کو دیکھ چکے ہوں، جو کسی خاص مذہب کے پیرو نہ ہوں، بلاشبہہ ہر مذہب کے سرگروہ غیر معمولی قابلیت کے لوگ ہیں، لیکن ایسے نفسیاتیوں کی قابلیت میں بھی کوئی شبہہ نہیں، جن کی قیادت ان کی اہم تحقیق کی مقدار پر مبنی ہے، نہ کہ ان کی کسی ایسی کوشش پر کہ نئے نظام قایم کریں جن میں نفسیات کے میدان اس کے عام مقاصد کی تعیین ہو، اور اس کے طریقے بیان کیے جائیں۔ بعض نفسیاتی عقل کے مطالعے میں قیادت کر رہے ہیں۔ بعض ادراک حسی کے مطالعے میں۔ بعض تعلیمی یا حرفتی یا غیر طبعی یا حیوانی یا معاشری نفسیات میں لیکن ان قائدوں نے اگرچہ ان کے شاگرد اور پیرو ہیں، عام طور پر اس قسم کے مذہبوں کی بنا نہیں ڈالی، جن پر ہم اب تک غور کرتے رہے ہیں۔ بہت سے قائد قابل ذکر ہیں، ان میں سے چند منتخب کا تذکرہ کرنا (کیوں کہ وضاحت کے ساتھ ہم صرف چند ہی کا تذکرہ کر سکتے ہیں) ممکن ہے انصاف کے خلاف معلوم ہو۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ہم تو صرف پس منظر کا خاکہ کھینچ رہے ہیں، اور صرف ایسے چند کو دعوت دے رہے ہیں جو بڑی اکثریت کی شایان شان نمایندگی کر سکتے ہوں لیکن اپنے امریکی رفقائے کار کا تذکرہ کرنے کے بجائے میں اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ بہت سے سرگروہ اور قاید مذاہب سے باہر بھی ہیں، تھوڑے سے اعداد و شمار پیش کرتا ہوں، امریکی بزم نفسیات کی بنیاد ۱۸۹۲ء میں پڑی تھی۔ اس وقت سے اس کے سینتیس ارکان عزت و امتیاز کے نشان کے طور پر صدر منتخب ہوئے ہیں۔ ان میں سے مجھے چودہ کے ذکر کا موقع

ملا ہے، مگر صرف ایک یا دو کا کسی مذہب کے حامی ہونے کی حیثیت سے ذکر آیا ہے۔ ان سینتیس میں سے صرف چھ کو کسی نہ کسی مذہب کا پیرو کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے مذاہب کا تذکرہ نفسیات کی موجودہ حالت کے تذکرے سے بہت مختلف ہے۔

مذاہب سے باہر بیرونی ممالک میں بہت کم نفسیاتی ہیں ۲۲۰

ممالک متحدہ امریکا یا جرمنی کے مقابلے میں برطانیۂ عظمیٰ میں پیشہ ور نفسیاتیوں کی تعداد بہت کم ہے، لیکن ان کا معیار بہت بلند ہے۔ جامعۂ لندن کے پروفیسر کارل اسپیرمین (پیدائش ۱۸۶۳ء) کا نام ایک مذہب کے صدر کی حیثیت سے لیا جا سکتا ہے، لیکن یہ مذہب اس سے بالکل مختلف قسم کا ہے، جو اب تک بیان ہوئے ہیں۔ امریکیوں کو اس کے اور تھارن ڈائیک کے مابین عقل کی ماہیت پر طویل بحث کا علم ہے۔ تھارن ڈائیک اس خیال کا حامی تھا کہ عقل بہت سی خاص قابلیتوں کا مجموعہ ہے، جو باہم اس کے علاوہ اور کوئی تعلق نہیں رکھتیں، کہ ان میں سے ہر ایک سہولت علم پر مبنی ہے۔ اسپیرمین اگرچہ یہ تو مانتا تھا، کہ ہر قسم کے عمل کے لیے ایک خاص قابلیت ہوتی ہے، مگر ایک عام قابلیت پر بھی زور دیتا تھا، جو کسی نہ کسی حد تک عاقلانہ کردار کی ہر قسم میں ہوتا ہے۔ اس عامل کا نام اس نے 'ج' رکھا ہے۔ 'ج' پر بحث زور شور کے ساتھ پچیس برس تک رہی ہے۔ اسپیرمین حال ہی میں اس نتیجے تک پہنچا ہے کہ یہ عام عامل زیادہ تر علایق و روابط کے دیکھنے اور ان کے استعمال کرنے پر مشتمل ہے۔ اگرچہ اسپیرمین اور تھارن ڈائیک دونوں کے بہت سے شاگرد اور رفقائے کار ہیں، مگر میں ان کو مذہبوں میں شمار نہیں کرتا کیوں کہ ان دونوں کے قضیے کا تصفیہ زیادہ تر شہادت سے ہوگا۔ پس ان کی بحث حکمی معیار کی ہے، اور ایسا مباحثہ نہیں ہے، جو مخالف مذہبوں کے مابین ہوتا ہے۔ ایسے دو مذہبوں کے مابین جیسے

کرداریت اور موجودیت میں نتیجے کا تصفیہ شہادت سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا مدار توپسند پر ہے۔

ایک اور ذی اثر قائد ڈاکٹر سی۔ ایس۔ میرس ساکن لندن ہیں (پیدائش ۱۸۷۳ء) جو برطانوی نفسیات میں اس اعتبار سے خاص مرتبہ رکھتے ہیں، کہ وہ اس ملک میں نفسیاتی معمل کے پہلے ناظم ہیں جو کیمبرج میں ہے، اور حال ہی میں حرفتی نفسیات کے قومی ادارے کے بھی ناظم بنائے گئے ہیں جو عملی نفسیات کا ہمثیل ادارہ ہے، اور بہت کچھ اہم تحقیقی کام کر چکے ہیں۔

۲۲۱ اب ہم جرمنی کو لیتے ہیں۔ یہاں ہمیں پہلے اختباری نفسیات کے تین اصلی قائدوں کا خیال آتا ہے، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، یعنی ونٹ اسٹومف اور جی، ای میولر کا۔ ان تینوں حضرات میں سے ہر ایک نے تاملی اور معروضی دونوں طریقوں سے کام لیا ہے۔ ان میں سے کسی کو موجودیتی مذہب کے ساتھ شمار نہیں کیا جا سکتا، جس نے اس وقت تک متعین صورت اختیار نہ کی تھی جب تک خود ان کے خطوط فکر پوری طرح سے مستحکم نہ ہو گئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے بہت سے شاگرد رہے ہیں، مگر یہ شاگرد ایک جماعت یا مذہب کی صورت میں مجتمع نہیں ہوئے۔ مثلاً ونٹ کے شاگردوں میں ٹچنر، کیٹل اور اسپیرمین جیسے مختلف میلانات کے آدمی شامل ہیں معمل لائپزگ کے صدر کی حیثیت سے ونٹ کا جانشین فیلائکس کروگر (پیدائش ۱۸۷۴ء) ہے۔ یہ صوتیات اور نفسیات عوام کا طالب علم ہے۔ اس نے ایک مجموعی نفسیات پیدا کی ہے جو تشکیلی نفسیات سے بالکل الگ ہے۔ ایک بات کروگر یہ بتاتا ہے کہ کسی لمحے جس شکل کا ادراک ہوتا ہے وہ خود مجموعی احساس کی تہ میں جاگزیں ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک احساس شکل اور زمین کی نسبت زیادہ بنیادی واقعہ ہے۔

تشکیلی مذہب کے بعض سرگرم ارکان اسٹومف کے پرانے شاگرد ہیں، اور ان کی کوشش پر استاد کی نکتہ چینی خالی از دلچسپی نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"تشکیلیت جس پر بعض نوجوان علما، جن سے ہیں واقف ہوں، اور جنھوں نے اس کے قوانین کا مطالعہ کرنے میں قابل تعریف کام انجام دیا ہے، کل

نفسیات ہی کو نہیں، بلکہ خود منطق کو بھی مبنی کر دینا چاہتے ہیں..........

میں نے کبھی صحیح معنی میں کسی مذہب کی بنیاد ڈالنے کی کوشش نہیں کی ہے اور مجھے یہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے، اور یقیناً زیادہ دلچسپ کہ اپنے طالب علموں کو مختلف نتایج پر پہنچنے دوں، بجائے اس کے کہ ان سے محض اپنے دعووں کی تصدیق کراؤں۔" ۲۲۴

پروفیسر ای اسپرانگر جامعۂ برلن (پیدایش ۱۸۸۲ء) اس نفسیات کا ممتاز نمایندہ ہے، جسے تشریحی یا علّی نفسیات کے مقابلے میں، نفسیات فہم کہا جاتا ہے۔ سمجھنے کے معنی کسی شے کے مطلب پر حاوی ہونے کے ہیں، کسی شے کے معنی اس فایدے کے ہوتے ہیں، جو اس سے کسی بڑے کُل کی قدر کو پہنچتا ہے، جس طرح سے ایک لفظ کے معنی جملے کے اندر اس کے متکلم کے منشا کی تکمیل میں ممد ہونے سے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک فرد کے سمجھنے کے لیے ہمیں اس کی تقطیع کرنے کی ضرورت نہیں، اور نہ ہمیں اس کے ماحول سے علحدہ اسے ایک خیال کرنے کی ضرورت ہے، بلکہ ہمیں اس کے معاشری روابط کے دیکھنے اور اس کے حال کو اس کے ماضی کی نسبت سے سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

میولر کے شاگردوں میں دو ایسے ہیں جن کا کام کسی حد تک تشکیلی مذہب کے مشابہ ہے، لیکن جو قطعی طور پر اس مذہب کے پیرو نہیں ہیں۔ ای آر یائنش (پیدایش ۱۸۸۳ء) اب ماربرگ میں پروفیسر ہیں۔ انھوں نے بصری ادراک کے مسایل پر انتھک کوشش کی ہے، اور گزشتہ چند سال میں اپنے ہوبہو ذہنی تمثالوں کے مطالعے سے خاص دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ ان تمثالوں کا اکثر بچوں میں اظہار ہوا ہے۔

ڈیوڈ کاٹس (پیدایش ۱۸۸۴ء) روسٹاک کے پروفیسر ہیں، یہ اپنے طفلی اور حیوانی نفسیات کے کام کے علاوہ اس مظاہرے کی وجہ سے بھی مشہور ہیں، جو انھوں نے ان عجیب و غریب طریقوں کا پیش کیا ہے، جس سے ادراک رنگ ان حالات سے متاثر ہوتا ہے، جن میں کہ رنگ دیکھا جاتا ہے۔

اس زمانے کے بہت سے سرگرم جرمن نفسیاتیوں میں سے ایک صاحب ولیم اسٹرن (۱۸۷۱ء) اینگ ہاؤس کے شاگرد ہیں، یہ بہت سی باتوں میں پیشرو کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جرمنی میں انھوں ہی نے سب سے پہلے انفرادی فرقوں کا مطالعہ کیا۔ انھوں ہی نے سب سے پہلے عقلی آزمایشوں کو رواج اور ترقی دی۔ یہ بچوں اور نوجوانوں کے مطالعے اور عملی نفسیات کے میدان میں بھی پیش پیش ہیں۔ انھوں نے نفسیات شہادت پر کام شروع کیا تھا۔ میکڈوگل کی طرح سے انھوں نے اپنی نفسیات کو ایک فلسفے کے لیے سیڑھی بنایا ہے، جس کو یہ شخصیت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص سے کثرت میں وحدت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اس طرح سے وہ اپنے اندر وجود اور قدر کے مقولوں کو ایک وقت میں جمع کر لیتا ہے۔ ۲۳

ایسے مشہور نفسیاتی جو کسی مذہب سے وابستہ نہیں ہیں، چند دوسرے ملکوں میں بھی ملتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ میں پروفیسر ای کلاپاریڈے سالن جنیوا (پیدائش سنہ ۱۸۷۳ء) ہیں۔ انھوں نے ڈیوی اور اینجل سے علٰحدہ ایک فعلی نفسیات تصنیف کی ہے۔ یہ ان کی نفسیاتوں سے بہت مشابہ ہے، اور تعلیم میں اسی طرح سے استعمال ہوتی ہے۔ انھوں نے بچوں کے مطالعے کے لیے ادارۂ روسو قایم کیا ہے جو اس قسم کے مطالعے کا بہت ہی سرگرم مرکز ہے۔ ائتلافیت کے متعلق وہ یہ پُرمعنی بات کہتے ہیں، کہ خود ائتلاف سے، ائتلاف کے اس قابو کی توجیہ نہیں ہوتی جس کا ایسے عقلی افعال میں صاف طور پر پتا چلتا ہے، جیسے کہ پڑھنا اور جمع کرنا ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ قابو کا تعلق دلچسپی کے عامل سے ہونا چاہیے۔ نیند کے متعلق ان کا تصور بہت اہم ہے۔ ان کے نزدیک اس کی توجیہ تکان کے نتایج سے محض مسموم ہو جانے سے نہیں ہوتی۔ یہ جسم کا ایک قطعی ردعمل اور عملی طور پر ایک جبلت ہونی چاہیے۔ کلاپاریڈے ایک امن پسند آدمی ہیں، اور نفسیات کی بین الاقوامی کانگریس کے مستقل معتمد ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق نفسیاتی مذہبوں کے مابین بحثیں ایسی توانائی کو ظاہر کرتی ہیں جس سے مفید کام لیا جا سکتا ہے۔

اٹلی میں بہت سے سرگرم نفسیاتی ہیں، جن میں سے جہاں تک کہ میں جانتا ہوں، کوئی بھی کسی خاص مذہب کا حامی نہیں ہے، اگرچہ وٹوریو بینوسی (سنہ ۱۸۷۸ء – سنہ ۱۹۲۷ء) جو جامعۂ پیڈوا میں پروفیسر تھے) آسٹروی تشکیلی مذہب کے رکن تھے،

جس کا آغاز ایرن غیلس اور اس کے تشکیلی صنعت کے مطالعے سے ہوا تھا بینوسی
نے ادراک صورت کے مطالعے میں اہم کام انجام دیا ہے اور یہ اس وجہ سے بھی
مشہور ہیں کہ انھوں نے جھوٹ کی تحقیق کے لیے سانس کی جانچ کا طریقہ ایجاد کیا ہے۔
ایس، ڈی۔ سانکٹس (پیدائش ۱۸۶۳ء) جامعہ روم میں جسونیات
اور اختیاری نفسیات کے پروفیسر ہیں اور ان میں بہت سی باتیں ایسی ہیں،
جن کی وجہ سے نفسیاتی کو ان کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ علاوہ اس بہت سے
مختلف کام کے، جو انھوں نے عصبانیتوں اور نفسی حالتوں کے متعلق انجام
دیا ہے، یہ معمولی اور غیر معمولی موضوعوں کے خوابوں کے بہت ہی سرگرم
ماقبل فرائڈ طالب علم رہے ہیں۔ غالباً انھوں نے اصل کام طفلی نفسیات میں
انجام دیا ہے جس میں غیر معمولی اور معمول سے گرے ہوئے بچوں کا مطالعہ بھی
شامل ہے۔ انھوں نے ذہنی کمی کے مدارج دریافت کرنے کے لیے ابتدائی اور ۲۲۴
نسبتہً سادہ آزمائشی میزان ایجاد کی تھی۔

پروفیسر الیف کیسو ساکن ٹیورن (پیدائش ۱۸۵۸ء) ونٹ کے ابتدائی
شاگرد تھے، اور انھوں نے اطالوی عضویاتی موسو کے پاس بھی پڑھا ہے جو نفسیاتیوں
میں اپنے ایرگوگراف یا عملی نگار اور انسانی عضلات میں تکان کے مطالعوں کی بنا
پر مشہور ہے۔ موسو چوں کہ اعتباری نفسیات کے نئے علم کی جانب مائل تھے اس لیے
انھوں نے ۱۸۹۵ء میں اپنے معمل کا ایک حصہ اختیاری نفسیات کے لیے علیحدہ کر لیا
اور کیسو کو وہاں کام پر لگا دیا۔ کیسو اس نفسیاتی معمل میں دس سال تک کام کرتا
رہا، اور پھر اسے نسبتہً بہتر معمل مل گیا۔ اس معمل میں اسے بہت سے شاگرد ملے
ہیں، اور اس نے خصوصیت کے ساتھ ذائقے، لمس اور جسمانی وضع کی حسوں اور
نیز احساسات اور تمثالات پر خاص طور سے توجہ کی ہے۔ اپنے نظری خیالات میں
وہ ونٹ کا بہت شدت کے ساتھ متبع ہے، اور تشکیلی نفسیات کی نسبت، گو وہ
یہ مانتا ہے کہ اس نے بہت ہی اہم مطالعے کی راہ کو اختیار کیا ہے، مگر وہ یہ کہتا ہے کہ
تشکیلیت نے کسی طرح سے بھی ابتدائی حسوں کے واقعے یا ان کا مطالعہ جاری
رکھنے کی ضرورت کو محو نہیں کر دیا ہے۔

فرانس میں بھی ایسے بہت سے سرگرم نفسیاتی ہیں جن میں سے کوئی بھی قطعی طور پر کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھتا، سوائے اس کے کہ ان میں کچھ محلل نفسی ہوں۔ فرانسیسیوں کو ائتلافی نفسیات کے ساتھ بہت ہی لگاؤ ہے، لیکن وہ اس کے ساتھ کسی اقتضائی اصول کے ترکیب دینے کی ضرورت کو بھی تسلیم کرتے ہیں خود ان کے فلاسفہ مثلاً ٹال ٹان اور برگ سان نے اقتضائی اور تشکیلی دونوں قسم کی نفسیاتوں کی اساسی تعلیم کے اچھے خاصے حصے کو پہلے سے بیان کر دیا تھا۔ فرانسیسی نفسیاتی کھلی آنکھوں والی آزادی اور انتخابیت کے باقی رکھنے پر مائل ہیں۔

سوربونے کے معمل میں بنے کا جانشین ہینری پیرون (پیدائش ۱۸۸۱ء) ہے۔ اس نے اپنی اصل محنت بنے کی طرح سے عقل کی جانچ پر صرف نہیں کی بلکہ اختیاری اور عضویاتی نفسیات، حیوانی نفسیات اور دوران جنگ میں دماغی ضرروں کے مطالعے پر محنت کی ہے۔ پیرون کو آسانی کے ساتھ کرداریتی شمار کیا جا سکتا ٢٥
ہے کیوں کہ وہ اپنے حیوانی مطالعوں کی بنا پر نفسیات کی یہ تعریف کرتا ہے کہ یہ مطالعۂ کردار ہے۔ یہ تعریف اس نے واٹسن سے پہلے کی تھی لیکن پیرون شاید امریکی کرداریتی سے زیادہ صاف دماغ رکھتا ہے، اور کردار کے مطالعے میں حسوں اور تمثالوں کے مطالعے کے شامل ہونے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتا اور نہ خود اپنے شعور کے متعلق فرد کی شہادت پر شبہہ ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ تاملوں اور ارتساموں کے کسی نہ کسی طرح سے قابل فہم صورت میں مثلاً الفاظ میں درج ہونے کی ضرورت ہے، تاکہ یہ حکمی معطیات کی حیثیت سے بدست ہوسکیں۔ اس قسم کا تمام درج شدہ تجربہ خارجی کردار ہے، اس لیے تمام نفسیاتی درحقیقت کردار کے معطیات استعمال کرتے ہیں۔ سوال صرف معطیات کی دی ہوئی قسم کے قابل فہم اور قابل وثوق ہونے کا ہے اور اس بارے میں نفسیات میں معروضی اور موضوعی طریقوں کے مابین کوئی نمایاں حد قایم نہیں کی جا سکتی۔

ایک مشہور فرانسیسی نفسیاتی جارجز ڈوما (پیدائش ۱۸۶۶ء) جامعۂ پیرس کے پروفیسر ہیں۔ انھوں نے اپنی تحقیقات میں زیادہ تر جذبات سے بحث رکھی ہے، لیکن یہ ایک بڑی جماعت کے سرگروہ کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں جو مل کر نفسیات جار،

کام کر رہے ہیں جس کی پہلی جلد ۱۹۳۰ء میں شایع ہو چکی ہے۔ اس گروہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ تامل باوجود اپنی دشواریوں کے ایک حد تک مفید ثابت ہوا ہے، اور درحقیقت نفسیات میں لازمی ہے، کیوں کہ اب تک جو معروضی مطالعے ہوئے ہیں ان کے لیے بھی اس نے اشارہ مہیا کیا ہے، اور اس سے وہ شخصی دلچسپی بھی فراہم ہوتی ہے جو نفسیاتی نتایج میں ملتی ہے۔ فرانسیسی نفسیات حیاتیاتی بنیاد اور فرد کی فعلیتوں کے معاشری لوازم کے اعتبار سے مشہور ہے۔ نیز اپنی طویل روایت کے مطابق جو شار کو اور اس سے بھی پہلے سے چلی آ رہی ہے، یہ نفسی مرضیات کی جانب مایل ہے، فرائڈ کے حرکی اصول فرانسیسیوں کو ژانے کے اصول سے اتنے مختلف نہیں معلوم ہوتے، جتنا کہ ہم خیال کرتے ہیں۔ ۲۲۶

اگرچہ ہمیں نفسیات کے مشہور اور فاضل نمایندے بہت سے ملکوں میں مل سکتے تھے، لیکن اب ہم اس نظر کو جو نہایت تیزی سے دوڑائی گئی ہے اشتراکیہ روس کی سرکاری نفسیات کا ذکر کر کے ختم کرتے ہیں جو خود کو کارل مارکس کے فلسفے پر مبنی کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ مارکس کا فلسفہ جدلی مادیت کے نام سے مشہور ہے۔ کوشش ایک حد تک تو یہ ہے کہ نفسیات کے معلومہ واقعات کو اس فلسفے کی صف میں ملا کر، ان پر روشنی ڈالی جائے، اور کچھ اس بات کی ہے کہ فلسفے کو نئی تحقیق وانکشاف کے لیے رہبر کے طور پر استعمال کیا جائے۔ مارکسی قسم کی مادیت میں شعور کے لیے ایک حقیقی واقعے کی حیثیت سے جگہ ہے، یعنی جب اعمال طبیعی پیچیدگی کے ایک خاص درجے تک پہنچ جاتے ہیں، تو ایک نیا عمل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ روسی نفسیاتی نہ تو محض موضوعی قسم کی نفسیات کو مانتے ہیں، اور نہ محض معروضی قسم کی نفسیات کو۔ تامل کو رد نہیں کیا جاتا، مگر اس کے نتایج کی ہمیشہ معروضی طریقوں سے تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ معروضی طریقے اساسی طبیعی اعمال کے زیادہ قریب پہنچتے ہیں۔ ان کے نزدیک فرد کا معاشری اور حیاتیاتی دونوں پہلوؤں سے مطالعہ ہونا چاہیے کیوں کہ وہ معاشری ماحول کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنے معاشری طبقے اور کام کا نتیجہ ہے جس کے انجام دینے کا اس سے اس دنیا میں مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے فرد کا مطالعہ ایک معاشی یا پیشہ ور جماعت کے رکن کی حیثیت سے ہونا چاہیے اور طبقہ واری یا جماعتی

نفسیات کا مطالعہ اساسی بھی ہے، اور عملی بھی۔ کے این۔ کارنی لاف پیدایش ۱۸۹۷ء ناظم ادارۂ نفسیات اختیاری ماسکو اسٹیٹ یونیورسٹی روسی جماعت کے قایدوں میں سے ہیں۔

نفسیات کا رجحان

یہ چند نام جو میں نے بیان کیے ہیں ان کی غرض یہ ہے کہ تمھیں بڑی جماعت کے نفسیاتیوں کا اندازہ ہوجائے، جو مذاہب میں سے کسی سے وابستہ نہیں ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض اوروں کے مقابلے میں کسی ایک مذہب کی جانب زیادہ مایل ہیں۔ یہ اُس دوا کے نگلنے سے انکار کرتے ہیں، جو مذاہب میں ۲۲۷
سے ہر ایک پیش کرتا ہے۔ اگر ہم وسطی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں تو اس قسم کے انکار کی بنا پر ہم اچھے کام کے تسلیم کرنے میں تامل نہ کریں گے، یہ جہاں کہیں بھی ہم کو ملے۔ اگر موجودیتی حرارت کی احسوں یا رنگ کے تجربات کی اچھی تحلیل پیش کرتا ہے، تو ہم اسے شکریے کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ اگر کرداریتی چھوٹے بچوں پر اختبارات کے ذریعے سے یہ ثابت کرتا ہے، کہ کس طرح سے احوالی یا مشروط خوف پیدا ہوتے ہیں، تو ہم اس تحقیق کو اپنی نفسیات میں استعمال کرنے کے لیے آزاد ہیں اگر تشکیلی نفسیاتی یہ ثابت کرے کہ اکتساب علم کسی حد تک بصیرت پر مبنی ہے تو ہم اسی لحاظ سے اپنے اکتساب علم کے تصورات کی نظر ثانی کریں گے۔ اگر مقصدیتی ہمیں یہ یقین دلائے کہ فرد کو جب ہیجان ہوتا ہے، تو وہ کبھی انفعالی حالت میں نہیں ہوتا، تو یہ بھی ایک اہم بات ہوگی، جس پر ہم بھی غور کریں گے۔ اگر محلل نفسی ہماری توجہ تحریک جنسی کی اہمیت کی طرف لے جاتا ہے، تو ہم اس پر اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جو نفسیاتی کسی خاص مذہب کی وابستگی کی بنا پر تعصب میں مبتلا نہیں ہوتا اس کے لیے ہر حقیقی قطعی نتیجہ غذا کا حکم رکھتا ہے۔ وہ آغاز بحث کسی پہلے سے قایم کیے ہوئے نظام سے نہیں کرتا، بلکہ کام کرتے کرتے ایک ایسے نظام تک پہنچتا ہے، جس میں واقعات

تحقیق ہونے کے ساتھ ہی بیٹھ جاتے رہیں۔ غیر وابستہ نفسیاتی کا ممکن ہے محض انتخابی کی حیثیت سے مضحکہ کیا جائے، لیکن اس سے اُسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اس میں شبہ نہیں، کہ ہر وہ نظام جو آج پیش کیا جا رہا ہے، اس کی آمد وقت نظر ثانی ہوگی جب تحقیق سے ہمارے مسایل پر نئی روشنی پڑے گی نفسیاتی ترقی کے لیے بہت سا غیر دریافت شدہ علاقہ سامنے پڑا ہوا ہے۔ ہر مذہب کسی اچھی جگہ سے سامنے کی تھوڑی سی زمین کو دیکھتا ہے، اور ایک نقشہ تیار کرتا ہے کہ یہیں اس میں کن کن چیزوں کے ملنے کی توقع ہو سکتی ہے، اور اسے ہماری دریافتوں کے لیے رہبر کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، لیکن یہ نقشے باہم مختلف ہیں، اور سب صحیح نہیں ہو سکتے۔ غالب گمان یہ ہے، کہ بالکل صحیح تو ان میں سے کوئی نہیں ہے، اور نفسیاتی محقق کو بہت سی باتیں اچانک اور حیرت انگیز طور پر معلوم ہوں گی۔

میں یہ احساس چھوڑنا نہیں چاہتا، کہ غیر وابستہ نفسیاتیوں کی یہ بڑی جماعت ۲۲۸
نفسیات کے تمام معاملات پر متفق ہے۔ اگر ہم نفسیاتیوں کو ان جماعتوں میں اس لحاظ سے تقسیم کر دیں، جس لحاظ سے کہ انھوں نے اپنے تحقیق کے میدانوں کا انتخاب کیا ہے، مثلاً حیوانی نفسیات، طفلی نفسیات، غیر طبعی نفسیات، امتحانی نفسیات، اور انفرادی فرق، تعلیمی نفسیات، معاشری نفسیات، حرفتی نفسیات حس ادراک تحصیل علم اور جذبے کی نفسیات وغیرہ تو ہمیں بہت جلد معلوم ہوگا، کہ ان خاص جماعتوں میں بحث وگفتگو کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیں جلد ہی معلوم ہوگا، کہ عقل کی ماہیت جبلت تحصیل علم توارث اور ماحول نسلی فرق تحریک لاشعور اور بہت سے نسبتہً محدود مضامین پر مباحثے جاری ہیں۔ اسی قسم کے مباحثے تقریباً ہر حکمت میں ہوتے ہیں، جس کی وجہ کچھ تو حکما کی انسانی فطرت ہوتی ہے اور کچھ زیر بحث مسایل کے متعلق موجودہ شہادت کا غیر قطعی ہونا ہوتا ہے۔

مباحثے اور نزاعی مسایل تو تمام علوم میں عام ہیں، مگر اس قسم کے مذاہب جن پر اب تک ہم نے بحث کی ہے نفسیات سے مخصوص ہیں۔ ممکن ہے کہ معاشری علوم میں کچھ ہوں، لیکن کم از کم علوم طبیعی میں تو فی الحال ان کا ملنا مشکل ہے۔ وقتاً فوقتاً ہمارے سامنے ایسے لوگ آتے ہیں، جو نئے اور چونکا دینے والے نظریے پیش کرتے ہیں،

مثلاً مینڈل کا نظریۂ توارث یا آئنسٹائن کا عام اضافیت کا نظریہ، اور ایسے نظریوں
پر فوراً بحث شروع ہو جاتی ہے۔ بعض اہلِ علم ان کو تسلیم کرتے ہیں، اور بعض رد
کرتے ہیں، لیکن مثال کے طور پر آئنسٹائن کو لو کہ اس نے کسی مذہب کی بنیاد
نہیں ڈالی۔ اس نے صرف یہ کیا کہ اپنے نظریے کے نتائج استنباط کیے، جن کی
مشاہدے سے تنقیح ہو سکتی تھی۔ علمائے طبیعیات اور علمائے ہیئت چوں کہ ضروری
مشاہدات کر سکتے تھے، اس لیے انھوں نے آئنسٹائن کے نتائج کو جانچا۔ ان
میں سے بعض کو یہ توقع تھی کہ وہ ان کی تصدیق کریں گے اور بعض کو یہ امید
تھی کہ وہ اس کی دھجیاں بکھیر دیں گے۔ لیکن وہ سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ
جتنی کہ شہادت ہونی چاہیے تھی وہ ہے۔ چوں کہ حاصل شدہ شہادت سے نظریے ۲۲۹
کی تائید ہوتی تھی، اس لیے عام روش اس کے جلد ہی موافق ہو گئی، اگرچہ اب بھی
ایسے طبیعیاتی ہیں، جو اس کی مخالفت کرتے ہیں، اور جن کی رائے میں شہادت
اس قدر ناکافی ہے، کہ عارضی طور پر بھی اس نظریے کو قبول نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان
تمام باتوں میں ہمارے نفسیاتی مذاہب اور ان کی بحثوں کی مشابہت نہیں پائی جاتی۔

بعض وسط شاہراہ پر چلنے والے، ہماری حکمت میں مذاہب کے وجود
سے پریشان ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں، کہ یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے، اور اس
کے معنی یہ ہیں کہ نفسیات کو ابھی یہ بھی معلوم نہیں ہے، کہ یہ کہاں کھڑی ہے،
اور اسے کیا کرنا ہے۔ لیکن ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ انسانی فرد کی فعلیت نہایت ہی
پیچیدہ ہوتی ہے۔ ممکن ہے مختلف مذاہب ٹھیک اسی پیچیدگی کی بنا پر عالمِ وجود
میں آئے ہوں۔ پیچیدہ فعلیت کے بہت سے پہلو خود کو مطالعے کے لیے پیش کرتے
ہیں، اور ایسا نفسیاتی جو ایک پہلو کے مطالعے میں منہمک ہو جاتا ہے یقیناً اس کی
اہمیت پر زور دے گا، بلکہ ممکن ہے کہ وہ اسے اساسی شے خیال کرنے لگے۔

موجودیتی کو حس سے دلچسپی ہو جاتی ہے، اور وہ اسے اصلی اور اساسی
خیال کرنے لگتا ہے۔ تشکیلی نفسیاتی کو ادراک سے دلچسپی ہوتی ہے، اور وہ نمونوں
کو جو اسے یہاں ملتے ہیں، نفسیات کا اساسی واقعہ قرار دیتا ہے۔ کرداریتی کو حرکی
اور غدودی کردار سے دلچسپی ہو جاتی ہے، اور وہ اسے اصلی اور اساسی خیال

کرتا ہے، مقصد یعنی مقصد کو اصلی اور اساسی خیال کرتا ہے، یہی حال فرائڈ اور ہوس کا ہے، اور یہی آڈلر اور ارادۂ قوت کا ہے۔ تمام مذاہب ایسی شے پر زور دے رہے ہیں جو زور دیے کا مطالبہ کرتی ہے، اور اس طرح سے نفسیات کی ترقی میں ایک مفید کام انجام دے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمیں اپنے علم کی اس قدر وسیع تعریف کرنی چاہیے، کہ اس میں تمام مذہبوں کی قطعی تحقیقات اور ان کے تمام زور و تاکید آجائیں۔

پس اگر تم مجھ سے یہ پوچھو کہ اپنے لیے کونسا مذہب اختیار کرنا چاہیئے تو میں تمھیں یہ مشورہ دوں گا کہ وسط شاہراہ میں رہو۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ وسط شاہراہ کی جماعت محض بچے کھچے لوگوں یا ایسے اشخاص پر مشتمل نہیں ہے، جو رائے قایم نہیں کر سکتے۔ استعارے کو ذرا سا بدلتا ہوں اور کہتا ہوں کہ بعض اوقات ہمارے متعلق یعنی وسط شاہراہ والوں کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ ہم لڑائی میں غیر جانبدار ہیں، اور ہم میں غیر جانبداری کا بڑا میلان ہے۔ لیکن میں اس حیثیت کی تائید میں ۲۳۰
یہ کہوں گا، کہ یہاں گرمی کم ہے اور سامنے جو کچھ ہو رہا ہے، وہ یہاں سے زیادہ اچھی طرح سے نظر آتا ہے۔ لیکن میں وسط شاہراہ کا استعارہ زیادہ پسند کرتا ہوں، کیوں کہ اس سے اس جماعت کا تسلسل ظاہر ہوتا ہے۔ وسط شاہراہ والے سنہ ۱۹۰۰ء میں بھی جب کہ مذاہب ظہور میں نہ آئے تھے، وہیں تھے، اور اس وقت سے استقلال کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں اور ان تیس سال میں انھوں نے اپنے علم میں بہت کافی اضافہ کر لیا ہے۔ اس لیے مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اپنے نوجوان دوستوں کو کسی مذہب میں شرکت کا مشورہ دوں۔ لیکن اگر کسی کو ہیجان یا خاص وابستگی کے مہیج کی ضرورت ہو تو میں اُسے یہی مشورہ دوں گا کہ خود انتخاب کرے۔

بلاشبہہ مذاہب بھی اپنی قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کسی ضروری شے پر زور دیتا ہے۔ اور ہر ایک کو اس مزاحمت کی بنا پر جس کا اسے نفسیاتیوں کی عام جماعت سے سابقہ ہوتا ہے، اپنے مطالعے کی قدر و قیمت کو ثابت کرنے کے لیے بڑی جد و جہد اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی شخص یہ بات محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تشکیلی مذہب کا جوش تحقیق زیادہ تر اس بنا پر ہے کہ وہ اپنے

عام نظریے کو عمدہ صورت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح سے واٹسن نے بچوں کے جذبات اور ان کی احوالیت کے مطالعہ کرنے کی جو مفید کوشش کی ہے اس کا باعث یہ ہے کہ جو راہ اس نے پسند کی تھی وہ اس کی قدر وقیمت کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔

نفسیات جو گزشتہ بیس سال میں علیحدہ علیحدہ گروہوں میں تقسیم نہیں ہوگئی اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مذہب کو اپنے دلایل عام جماعت کے سامنے تائید حاصل کرنے کی امید میں پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ جو لوگ وسط شاہراہ میں ہیں ان کی جماعت بڑی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ بہرحال تمام نفسیاتی ایک ہی عام کھیت میں کاشت کر رہے ہیں، یعنی فرد کے اعمال وافعال اب وہ خواہ انسان کے ہوں یا حیوان کے، بچے کے ہوں یا جوان کے، معمولی ہو یا غیر معمولی۔ ان وجوہ اور شاید اور اسباب کی بنا پر دنیا کے نفسیاتیوں میں اس سے زیادہ یکجہتی پائی جاتی ہے جتنا کہ باہر کے لوگوں کو
اختلافات کے شور وغوغا سے جو ان کے کانوں تک پہنچتا ہے، توقع ہوتی ۲۳۱
ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مختلف مذاہب کے بعض شدت پسند ارکان نے نفسیاتیوں کے عام جلسوں کی پروا نہیں کی ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ طبی نفسیاتی الگ جمع ہوگئے ہیں، اور انھوں نے اپنے عملی مسایل اور اپنی بحثوں کو علیحدہ جاری رکھا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ نفسیاتی باہم بہت اچھی طرح سے مل کر کام کرتے ہیں۔ ان کے کسی جلسے یا صحبت میں تم بہت زیادہ برادرانہ محبت اور مختلف جماعتوں کے ارکان کے مابین باہمی پاس ولحاظ دیکھوگے۔ تم شیر اور بھیڑ کو آرام کے ساتھ اس طرح سے ایک جگہ لیٹے ہوئے دیکھوگے، کہ تم یہ نہ بتا سکوگے کہ ان میں کون شیر ہے، اور کون بھیڑ ہے۔ اگر تم مجھ سے یہ پوچھو کہ کونسا مذہب اپنے معاملے کو ثابت کر کے جیتنے والا ہے، اور اس طرح سے مجھے میری مرضی کے خلاف پیشین گوئی کی خطرناک خدمت کے ادا کرنے پر مجبور کرو تو میں یہ جواب دوں گا، کہ سب اور کوئی بھی نہیں۔ کوئی بھی نہیں اس لیے کہ ہر مذہب کے دلایل مجھے مفروضات کی نوعیت کے معلوم نہیں ہوتے، جن کی شہادت کے وزن سے تصدیق یا تردید ہو سکتی ہو۔ ہر مذہب ایک نہ ایک قسم کے مطالعے کو ترجیح دیتا ہے، اور بعض دوسرے مطالعوں کو

پسند کرتا ہے، کیوں کہ ہر مذہب اس حد تک اپنی بات ثابت کر دے گا کہ اس کی پسندیدہ راہ کو مفید تسلیم کر لیا جائے، اس لیے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کسی کو ہٹایا نہیں جا سکتا، جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بھی میدان کو پوری طرح سے جیت نہیں سکتا۔

اگر تم مجھ سے یہ پوچھو کہ اس زمانے کے مذاہب کتنے دن تک باقی رہیں گے، تو میں صرف یہ جواب دے سکتا ہوں، کہ ابھی تقریباً ان سب سے کافی جوانی کی قوت ظاہر ہو رہی ہے۔ ہر ایک کو میدان کے اس حصے کی تحقیق میں، جو اس نے خاص طور سے اپنے لیے انتخاب کر لیا کچھ دور جانا ہے۔ علاوہ بریں جب تک ہر مذہب کے نظریے کے زیادہ انتہائی تغیرات ممکن ہیں، اس وقت تک ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ نوجوان انتہاپسند نظریے کو اس کی انتہا تک پہنچاتے رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی تھکانے والا عمل جو زیادہ تر وسط شاہراہ والی جماعت کے اثر سے شروع ہو چکا ہے، یقیناً جاری رہے گا اس فریق کی طرف سے یا اُس فریق کی طرف سے مواد ضرور وسط تک پہنچے گا اور عام ملکیت بن جائے گا۔ ۲۳۲
ہمنوائی پیدا کرنے والا عمل کام کر رہا ہے اور نفسیات کا مرکزی علم جو کچھ لے سکے گا لے لے گا اور مذاہب اپنے یک رخہ دعووں کے ذخیروں کو باقی رکھیں گے۔

میں یہ کہنا تو نہیں چاہتا کہ دو انتہاؤں کے مابین درمیانی صورت یا اوسط زمین یقیناً ان خیالات کی طرف رہبری کرتے ہیں، جو آخر کار غالب آئیں گے۔ ممکن ہے کہ ایسے نظریے جواب بالکل انتہاپسندانہ معلوم ہوتے ہیں اپنی قدر و قیمت ثابت کر دیں۔ لیکن مجھے اس بات کا معقول حد تک یقین ہے، کہ یہ دوسرے ایسے نظریوں کو جن کے یہ اب منافی معلوم ہوتے ہیں کبھی خارج نہ کر سکیں گے، خصوصاً ایسے نظریے جن کے ہمارے مذاہب بڑی حد تک قائل ہیں۔ میری مراد یہ ہے، کہ ایک مذہب کے مفروضے جو بظاہر اس مذہب کے بڑے اصول کے ساتھ وابستہ معلوم ہوتے ہیں اس طرح سے ان اصول سے وابستہ ثابت نہ ہوں گے، بلکہ ان مذہبوں کے نعروں سے متعلق ہونے کے لحاظ کے بغیر صحیح ہوں گے۔ مثلاً میں یہ خیال کر سکتا ہوں، کہ تلاش مقصد، بصیرت اور اتفاقی اضطراری عمل ممکن ہے سب کے سب تحصیل علم کے عمل کے لیے ناگزیر ثابت ہوں۔

تم نے شاموکس یا یوسی مائٹ کی وادیوں کے حسن سے شاید لطف اٹھایا ہوا اور جب تم کو ان کی کہانی معلوم ہو گی، تو تم دیکھو گے کہ ان میں خاص دلکشی اس وجہ سے ہے کہ وہ ارضیاتی معنیٰ میں نوجوان وادیاں ہیں۔ یہ ایسے برف کے دریاؤں سے بنی ہیں جو حال ہی میں پیچھے ہٹے ہیں اور اپنے بعد یہ ابھری ہوئی چٹانیں اور گرتے ہوئے آبشار چھوڑ گئے ہیں۔ فرسودگی کا عمل ابھی ان وادیوں میں کافی نہیں ہوا، لیکن رفتہ رفتہ یہ سیدھی چٹانوں کو ہلکے نشیبوں اور آبشاروں کو محض کوہستانی چشموں میں بدل دے گا۔ کیسی افسوس کی بات ہو گی لیکن برفانی دریا پھر آ سکتے ہیں۔

ہماری حسین نفسیات کی خاص اور جوش میں لانے والی دلکشی کا باعث بھی ممکن ہے یہ واقعہ ہو کہ یہ ابھی نوجوان ہے۔ فلسفے کے برفانی دریا (بلا شبہ یہ فلسفے ہی کے ہونے چاہییں) حال ہی میں اونچے پہاڑوں کی طرف ہٹ گئے ہیں اور اپنے پیچھے اونچے کنارے اور آبشار چھوڑ گئے ہیں۔ لیکن فرسودگی کا عمل شروع ہو گیا ہے، اور یہ ان کناروں کی اونچائی اور ان آبشاروں کی جوش میں لانے والی شدت کو کم کرتا جا رہا ہے۔ جہاں اس وقت ایل کیپی ٹن کی چوٹی ۲۳۳
اپنا سر بلند کیے ہوئے ہے، وہاں رفتہ رفتہ ہمیں صرف ایک ہلکا سا درختوں سے بھرا ہوا اُتار دیکھنے کی توقع ہو سکتی ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے لیکن ممکن ہے کہ برفانی دریا پھر آ جائیں۔ فی الحال قدیم تر اور اچھی طرح سے کاشت کی ہوئی وادی بھی یقیناً اپنے فوائد رکھتی ہے۔

تمت

صحت نامہ

جدت نفسیات

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳	۹	مقرر	مقررہ	۴۹	۲۱	دسہنی	ذہنی
۸	۸	زمادہ	زیادہ	۵۰	۲۴	ش	یہ
۹	۵	نیے	نیئے	۵۳	۷	مطالے	مطالعے
۱۲	۲۱	بیسوں	بیسویں	″	۱۱	ارر	اور
۱۶	۴	قائم	قایم	۵۴	۱۹	ہمپنسوں	ہمجنسوں
۳۴	۲۴	سمجھے باتے	سمجھے جاتے	۵۸	۱۰	سیکھے	سیکھنے
۳۵	۲	ہاوس	ہاؤس	″	۲۵	تھارل ڈائک	تھارن ڈائک
۳۸	۲۴	اس	اُس	۵۹	۲۲	اکر	اکثر
۳۹	۱	کے پر	پر	″	۲۳	اقتبار	اعتبار
۴۹	۱۴	معروصی	معروضی	۶۱	۸	ترجاتی	ترجانی
″	۲۰	الوٹنے	لوٹنے	″	۲۲	لیے	پیے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۶۱	۲۲	ینا	لینا	۷۹	۶	لے	کے
۶۳	۱۳	تسویقات	تشویقات	"	۷	بکیاں	سسکیاں
۶۶	۲۲	کیلیے	کیلیے	"	۱۱	مشرو	مشروط
۶۷	۲۵	کے درمیانی	کہ درمیانی	"	۱۵	واٹس	واٹسن
۶۸	۶	پسد	پست	۸۱	۵	نفساتی	نفسیاتی
"	۱۶	اظہارات ے	اظہارات سے	۸۲	۲۳	سحث	بحث
"	۱۷	یادلاب	یاؤلاف	۸۵	۲	حیاتباتی	حیاتیاتی
"	۲۳	یادلاف	یاؤلاف	"	۲۴	سے	ہے
۶۹	۵	حیوٰن	حیوان	۸۶	۱۹	ازرو ے	ازروئے
۷۱	۳	تشفی تکلیف	تشفی اور تکلیف	۸۹	۸	اس ان	اس سے ان
"	۶	عی	علی	۹۲	۱	قصوص	نصوص
"	۸	کہ	کو	"	۲۴	کرتتوں	کرتبوں
"	۱۴	تعداد	تعدد	۹۳	۳	بحیتیت	بحیثیت
۷۲	۱۶	یگاگی	یگانگی	"	۲۱	ائک	ایک
۷۴	۸	و	کو	۹۴	۱۸	موئی	ہوئی
۷۶	۳	تجد	نتجہ	۹۵	۷	پادلاف	پاؤلاف
"	۴	نکمی	تکلمی	۹۷	۱۴	لایحہ عمل	لایحۂ عمل
"	۱۵	مشابے	مشابہ	۱۰۱	۸	تجربے	تجربے کو
"	۱۸	وضر	فرض	۱۰۵	۱۱	مقرول	مقرون
۷۷	۱۲	نظرے	نظریے	"	۲۱	پچھیا	پتیا
۷۸	حاشیہ ۲ سطر ۱	عہ	۲	"	۲۲	"	"
۷۹	۴	بجے	بچے	"	۲۴	پچھیے	پیتے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۰۵	۲۵	پھیتے	پبیتے	۱۵۱	۹	حال	حایل
۱۰۶	۴	"	"	۱۵۳	۱۳	زاحمت	مزاحمت
۱۱۳"	۲۴"	نفسیاگی	نفسیاگتی	"	۲۱	یلتا	چلنا
۱۱۴	۱۴	لینے ہیں	لیتے ہیں	۱۵۵	۱۹	منتفلی	منتقلی
۱۱۶	۱	حائے	جائے	۱۵۹	۲۳	گون	سکون
"	۲	دبکتے	دیکھتے	۱۸۵	۱۶	امر	اور
"	۳	جتہ	خبر	۱۸۷	۱۹	کرئی	کوئی
"	۲۵	بمائیں	جمائیں	۱۹۲	۱۸	استاد	استاد،
۱۱۸	۵	سے	جیسے	۲۱۴	۱۷	خالاں کہ	حالاں کہ
"	۲۲	کو	کہ	۲۱۹	۱۴	ایل	ایک
۱۱۹	۲	میں نے	میرے	"	۲۰	جاگزس	جاگزیں
"	"	دیکھنے جو	دیکھنے سے جو	۲۲۱	۹	سالن	ساکن
۱۲۰	۶	ٹمرف	طرف	۲۲۵	۲	اختیاری	اختباری
۱۲۱	۴	رواـ اعل	روات عل	۲۲۷	۱۸	ہے	ہے
۱۲۵	۱۹	سکھتے	سیکھتے	۲۲۹	۲۲	گانکہ	گاہکہ
"	"	سمجتا	سمجھتا	۲۳۰	۱	ماپسند	ناپسند
۱۲۶	۱۶	چٹکنیوں	چٹکنیوں	۲۳۱	۱۲	اُپنے	اپنے
۱۴۱	۱۴	لے	کے	۰	۰	۰	۰